EMINENT CHRISTIANS

NO. 2

THE PIONEER MISSIONARIES OF THE PUNJAB

صلیب کے علمبردار

مصنفہ

پادری برکت اللہ ایم اے

پنجاب رلیجس بک سوسائٹی

انارکلی

لاہور

صلیب کے علمبردار

مصنفہ

پادری برکت اللہ - ایم - اے
فیلو آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی - لندن

مصنف

مقدس توما رسولِ ہند - صلیب کے ہراول - توضیح العقائد وغیرہ

پنجاب رلیجس بک سوسائٹی
انارکلی - لاہور
۱۹۵۷ء
بار دوم
تعداد ۱۰۰۰

پہلی ایڈیشن ۱۹۳۲ء

دوسری ایڈیشن ۱۹۵۷ء

دُوسری ایڈیشن کا دیباچہ

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

"اَے خُدا - ہم نے اپنے کانوں سے سُنا - ہمارے باپ دادا نے ہم سے بیان کیا کہ تُو نے اُن کے دِنوں میں قدیم زمانہ میں کیا کیا کام کئے - جن کو ہم نے سُنا اور جان لیا اور ہمارے باپ دادا نے ہم کو بتایا ۔ اور جن کو ہم اُن کی اولاد سے پوشیدہ نہیں رکھیں گے بلکہ آیندہ پُشت کو بھی خداوند کی تعریف اور اُس کی قُدرت اور عجائب جو اُس نے کئے بتائینگے تاکہ بڑے ہو کر وہ اپنی اولاد کو سکھائیں اور اس کے کاموں کو بھول نہ جائیں" ؛

(زبور ۴۴:۱ + ۷۸:۳-۴ و ۶-۷)

مَیں نے اپنی کتاب "مقدس توما رسُولِ ہند" میں ذکر کیا ہے کہ مُنجی عالمین ربنا المسیح کے دوازدہ رسُولوں میں سے ایک یعنی مقدس توما رسُول بہ نفسِ نفیس راولپنڈی کے قریب شہر ٹیکسلا میں انجیل جلیل کا جانفزا پیغام دینے کے لئے تشریف لائے - یہاں آپ نے متعدد کلیسیائیں قائم کیں اور پھر جنوبی ہند نقل مکانی کر گئے جہاں آپ مدراس کے قریب مائلاپور میں شہید کئے گئے ؛

مَیں نے تاریخ کلیسیائے ہند کی دُوسری جلد "صلیب کے ہراول" میں بتلایا ہے کہ مختلف مشرقی کلیسیاؤں کے جانباز عاشقانِ مسیح اوائل صدیوں میں ہمارے مُلک میں آ کر مسیحی کلیسیاؤں کی استقامت اور مضبوطی کا

باعث بنے۔ اُن کی سرفروشانہ مساعی کا یہ نتیجہ ہُوا کہ ہندوستانی کلیسیائیں
اِن اوائل صدیوں میں دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کرتی گئیں۔ اور مُنجیٔ جہان کا
نجات بخش پیغام شمالی ہند کے مختلف کونوں میں پھیل گیا اور لاکھوں افراد
کلیسیا میں شامل ہو گئے ❖

اس کے بعد ایک زمانہ آیا جب مختلف وجُوہ کے باعث (جن کا
ذکر اُس کتاب میں کیا گیا ہے) مسیحی کلیسیا کا نام ونشان شمالی ہندوستان میں نہ رہا۔ اس
حقیقت پر ہم کو پہلے حیرت ہوتی تھی لیکن ۱۹۴۷ء کے لرزہ خیز ہولناک واقعات
کی روشنی میں ہم اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اِس ہیبت ناک سال سے
پہلے صُوبہ سرحد اور پنجاب میں لاکھوں ہندو اور سکھ پُشت در پُشت ہزاروں
سالوں سے رہتے چلے آئے تھے لیکن اس کے بعد صرف گنتی کے ہندو وہاں
رہ گئے اور سکھوں کی بیخ کنی ہو گئی۔ ایسا کہ اب پنجاب کے بٹوارے کے بعد مغربی
پاکستان میں کوئی سکھ ڈھونڈے سے بھی نہیں مِلتا۔ یہی حال شمالی ہندوستان میں
مسیحی کلیسیا کا ہُوا۔ ایک زمانہ تھا جب ایران، افغانستان۔ بلوچستان، صُوبہ سرحد۔
پنجاب اور شمالی ہندوستان میں کروڑوں مسیحی آباد تھے اور بیسیوں صدر اُسقف سینکڑوں
اُسقف اور لاکھوں قسیس شماس۔ رہبان اور مبلغین ان ممالک میں انجیل جلیل کا رُوح
پرور پیغام ہر طرف دیتے پھرتے تھے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا جب اکبرِ اعظم شہنشاہِ
ہند کو خداوند مسیح کی تعلیم کے اُصُول کو معلوم کرنے کے لئے غیر مُلکی رُومی مبلغین کی جانب رجُوع
کرنا پڑا کیونکہ شمالی ہند میں مسیحی کلیسیا کا نام مِٹ چُکا تھا ❖

اس کے صدیوں بعد گذشتہ صدی میں مغربی ممالک کی مختلف کلیسیاؤں کے
چند سرفروشانِ صلیب کے دلوں میں خُدا نے یہ وَلولہ پیدا کیا کہ وُہ ہمارے مُلک میں
آ کر ازسرِنو صلیب کے عَلَم بردار بنیں اور یہاں صلیب کا جھنڈا گاڑیں۔ ان مبلغین کی

حکومتوں نے دبالخصوص انگریزی حکومت نے) ان کی از حد مخالفت کی۔ ان کی کلیسیاؤں نے حتیٰ المقدور کوشش کی کہ ان کو اس ارادہ سے باز رکھیں لیکن خداوند مسیح کے یہ بہادر سپاہی ٹلنے والے انسان نہ تھے منجیٔ عالمین کے آخری حکم کے الفاظ ان کو چین لینے نہیں دیتے تھے۔ "آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں" (متی ۲۸: ۱۸-۲۰) پس وہ اپنی جانیں مختارِ کل کے ہاتھوں میں سونپ کر بے سر و سامانی کی حالت میں خویش و اقارب کو الوداع کہہ کر اپنے وطن سے بے وطن ہو کر آرام و آسائش کی زندگی کو خیرباد کہہ کر صلیب کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر تبلیغِ انجیل کے میدان میں کود پڑے +

اس کتاب میں ہم نے اس گروہ کے صرف نو مبلغین کے حالات کا ذکر کیا ہے جو گذشتہ صدی میں پنجاب آئے تھے۔ ان کی انتھک کوششوں نے صوبۂ سرحد اور پنجاب کے مختلف گوشوں میں صلیب کا جھنڈا گاڑا۔ ان کی مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے فضل سے ان کی عینِ حیات میں ہی کلیسیائیں ان جگہوں میں از سرِ نو پیدا ہو گئیں جہاں وہ صدیوں پہلے مقدس توما رسول اور آپ کے جانشینوں کے ذریعہ قائم ہوئی تھیں پھر مورنوبس کے الفاظ میں "جیسا ہم نے سنا تھا ویسا ہی ہم نے دیکھا" (زبور ۴۸: ۸) خدا نے ان سورماؤں کے وسیلے اور صلیب کے دیگر علم برداروں کے ذریعہ پنجاب کے ہزاروں مقامات میں کلیسیائیں برپا کر دی ہیں۔ اب پنجاب کی کلیسیا کا یہ فرض ہے کہ وہ ان عجائب کاموں کو جو ان پردیسی مبلغین نے ہمارے درمیان کئے ہیں بھول نہ جائے اور ہر شخص انجیل جلیل کی تبلیغ کے کام کو جاری رکھنا اپنا فرضِ اولین خیال کرے جان توڑ کوشش کرے تاکہ مسیحی کلیسیا کا نام نابود ہونے کی بجائے کروڑوں روحوں کو بچانے کا وسیلہ بن جائے +

برکت اللہ

ہنری مارٹن سکول۔ علی گڑھ۔ یکم جون ۱۹۵۷ء

فہرست مضامین

پادری سی۔ جی۔ فینڈر۔ ڈی۔ ڈی

Carl Gottlieb Pfander

کارل گوٹلیب فینڈر ۱۸۰۳ء میں ویبلنگن (Waiblingen) میں پیدا ہُوا جو ورٹم برگ (Wurtumberg) جرمنی میں واقع ہے۔ اِس کے والدین دیندار تھے۔ اِس کا باپ نانبائی کا کام کرتا تھا اور ماں ایک جوشیلی مسیحی عورت تھی۔

کارل ذہین لڑکا تھا اور اس کو پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ لہٰذا اس کو لاطینی زبان کی تحصیل کے لئے سکول میں داخل کر دیا گیا۔ اس کے اُستاد دیندار اور خُدا پرست تھے جو اُس کو خُداوند مسیح کے آخری حکم پر عمل کرنے کی تاکید کرتے رہتے تھے کہ "تم سب قوموں کو شاگرد بناؤ"۔

لڑکپن میں اس کا دل تبدیل ہو گیا اور وُہ اپنے نجات دہندہ سے محبّت کرنے لگا جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس کو مسیحی مبلّغ بننے کا شوق دامنگیر ہو گیا۔ وُہ دُعا کرتا تھا کہ "اَے خُدا اگر تیری مرضی ہے کہ مَیں تیرا مبلّغ بنُوں تو مجھے راستہ دِکھا اور اگر نہیں تو یہ شوق مجھ سے دُور کر دے کیونکہ تیری غیرت کی آگ مجھے بھسم کر رہی ہے"۔

خُدا نے اُس کے لئے راستہ کھول دیا اور وُہ ۱۸۲۰ء میں باسل مشنری کالج (Basle Missionary College) میں پانچ سال تک علم الٰہیات کا مطالعہ کرتا رہا۔

خدا نے فینڈر کو زبانیں سیکھنے کی لیاقت عطا فرمائی تھی پس کالج کی کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ اُس کو ایشیائی زبانوں میں کتابِ مقدّس کا ترجمہ کرنے کے لئے بھیجا جائے۔ لہذا ۱۸۲۵ء میں وُہ دو اَور مشنریوں کے ساتھ آرمینیا کے مُلک کے ایک قصبہ شوشا Shusha میں بھیجا گیا جو بحیرۂ اسود اور بحیرۂ کیسپین کے درمیان ہے۔ شوشا کا مشن اہلِ اسلام کے لئے تھا۔ فینڈر اس وقت صرف بائیس سال کا تھا۔ اُس کو تین زبانیں سیکھنی پڑیں یعنی تُرکی تاتاری۔ آرمینی اور فارسی۔ وُہ اہلِ اسلام کے درمیان خُدا کے کلام کی منادی کرتا تھا۔ منادی کے دَوران میں اُس کو اِحساس ہُوا کہ مشرقی ممالک میں وُہ اِس طریقہ سے منادی نہیں کر سکتا جس طرح یورپ کے پادری مغربی ممالک میں کرتے ہیں۔ اہلِ اسلام کے پاس ایک مقدّس کتاب تھی جس کو وُہ آسمانی کتاب سمجھتے تھے اور وُہ مسیحی کُتبِ مقدّسہ کو محرّف تصوّر کرتے تھے۔ پس فینڈر نے قرآن و حدیث کا مطالعہ شروع کیا اور اسلامی فلسفہ اور دینیات سے واقفیت حاصل کرنے لگا۔ اِس مطالعہ نے اُس پر روزِ روشن کی طرح ظاہر کر دیا کہ ان کروڑہا مسلمانوں کو جو اللہ۔ قرآن اور رسُولِ عربی پر ایمان رکھتے ہیں مُنجیِ جہان کے قدموں میں لانا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اسلام نے مسیحیت کا ایک ہزار سال سے زائد عرصہ تک مقابلہ کیا ہے۔ اور مشرقی کلیسیا کے لاکھوں مسیحی مُسلمانوں کے زیرِ نگیں ہیں جن پر عرصۂ حیات تنگ ہے جس کی وُجہ سے شوشا کے متعدد مسیحی خاندان جن کا تعلّق آرمینیا کی کلیسیا سے تھا مُسلمان ہو گئے تھے۔ فینڈر کی دِلی خواہش تھی کہ وُہ اُن بھٹکی بھیڑوں کو واپس اُن کے گلّہ بان کے پاس لے آئے اور کروڑوں مسلمانوں کو راہِ نجات دکھانے کا ذریعہ ہو

انہی دنوں میں اُس نے میزان الحق پہلے پہل جرمن زبان میں لکھی تھی جو اُس کی حینِ حیات میں تیس ہزار سے زیادہ چھپ گئی۔ اس کا ترجمہ پہلے فارسی میں اور پھر انگریزی۔ اُردو۔ مرہٹی۔ تُرکی اور عربی زبان میں ہوگیا۔ اِس کتاب کے لکھنے کی یہ وجہ تھی کہ اسلامی ممالک میں چند سال کام کرنے کے بعد اس نے دیکھا کہ زبانی تقریروں اور مباحثوں کا بہت اثر نہیں ہوتا کیونکہ مُسلمان مسیحی عقائد کی تائید میں قرآن اور اسلامی عقائد کے خلاف لمبی چوڑی تقریر سُننے کے خواہشمند نہیں تھے اور اگر سُنتے بھی تھے تو تقریر کے دوران میں صدائیں بُلند کرتے اور شور و غُل مچاتے تھے۔ پس ایک ایسی کتاب کی ضرورت لاحق ہوئی جو ان ضروریات کو پُورا کرے۔ اور جس میں مسیحی عقائد کی تائید اور اسلامی عقائد کی مفصّل تردید ہو۔ لیکن اُس وقت کوئی ایسی کتاب مشنریوں کے پاس موجود نہیں تھی۔ فینڈر خود ستوز نوجوان تھا لہذا اس نے اپنے ہمخدمتوں کو اس کمی کی طرف متوجہ کیا۔ لیکن چُونکہ وُہ ایسی کتاب لکھنے کے اہل نہ تھے فینڈر نے اپنے خیالات کو یکجا لکھنا شروع کر دیا اور یُوں ہوتے ہوتے ۱۸۲۹ء میں میزان الحق تیار ہوگئی۔

۱۸۲۹ء میں وُہ ایک مشنری کے ساتھ بغداد گیا کیونکہ اُس کو عربی سیکھنے کا شوق تھا اُس زمانہ میں بغداد میں انجیل کی اشاعت کی مخالفت تھی اور انجیل جلیل کے جانفزا پیغام سُنانے کی سزا موت تھی لیکن اُس نے کہا "مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں ہے۔ اگر خُدا کو اس کی ضرورت ہے تو وُہ اُس کو خود محفوظ رکھیگا"۔ بغداد میں وُہ عربی سیکھتا رہا۔ اس وقت تک میزان الحق ارمنی۔ ترکی۔ تاتاری اور فارسی

زبانوں میں ترجمہ ہو چکی تھی۔

۱۸۳۱ء میں وُہ ایک قافلہ کے ہمراہ ایران کی طرف روانہ ہُوا۔ اس نے ایرانیوں کا لباس اختیار کر لیا۔ اگرچہ ایسا کرنے سے اُسے اپنے تمام ملکی حقوق سے دستبردار ہونا پڑا۔ کیونکہ اگر اُس کو کوئی خطرہ درپیش آتا تو اُس کے مُلک کا سفیر اُس کی حفاظت کا ذمہ دار نہ ہو سکتا۔ تمام قافلہ میں وُہ اکیلا عیسائی تھا۔ کاروان والے اُس کو "مُلّائے فرنگ" کہتے تھے۔ دورانِ سفر میں وُہ تاتاریوں اور کُردوں میں خُدا کے کلام کی اشاعت کرتا اور ٹریکٹ اور فارسی انجیلیں تقسیم کرتا گیا۔ راہ میں جب کرمان شاہ کے مُلّاؤں کو خبر مِلی کہ "مُلّائے فرنگ" اناجیل تقسیم کرتا پھرتا ہے تو وُہ ایک بڑی تعداد میں اُس کے پاس آئے اور فینڈر کے ساتھ بحث کرنے لگے لیکن جب جواب نہ دے سکے تو اُنہوں نے جامع مسجد میں اعلان کر دیا کہ اناجیل کو جلا دینا اور فینڈر کو قتل کر دینا کارِ ثواب ہے۔ جس راہ سے وُہ گذرتا تھا لوگ شور و غُل مچاتے تھے۔

وُہ لکھتا ہے "وُہ مجھے ٹھٹھوں میں اُڑاتے مجھ پر لعنت بھیجتے اور میرے مُنہ پر بار بار تھُوکتے تھے"۔

اگلے روز قافلہ وہاں سے روانہ ہو کر اصفہان پہنچا جو فینڈر کا منزلِ مقصود تھا۔ وہاں اُس نے یہودیوں، مسلمانوں اور آرمینیوں کو مسیحی کُتب مقدسہ دیں۔ اصفہان میں اُس کو ایک نوجوان آرمینی عیسائی مِلا جس نے بشپ کالج کلکتہ میں تحصیل علم کیا تھا اور اصفہان میں ایک سکُول کھولنے کی کوشش میں تھا تاکہ اُس کے ہم وطن انجیل جلیل کا مسرت انگیز پیغام سُن سکیں۔ اصفہان میں کلام اللہ کی منادی اور

اشاعت ایک ناممکن امر تھا۔ پس فینڈر وہاں رہ کر نزدیک کے قصبوں میں کتاب مقدس اور دیگر کتب کو تقسیم کرتا اور مُلّانوں سے بحث کیا کرتا تھا۔ اُس کا یہ خیال تھا کہ اصفہان میں مُلّانوں کو اشتعال دیئے بغیر خدا کا کام کرنا چاہیئے۔

۱۸۳۳ء میں وُہ طہران سے ہوتا ہُوا واپس شوشا کی طرف چلا گیا۔ وہاں جا کر اُس نے باسل کی کمیٹی کو اُبھارا تاکہ اُس کے شرکاء خدا کے کلام کی منادی اہل اسلام میں کرنے کے لئے مبلغین کو ایران بھیجیں۔ شوشا سے وُہ شمکی اور باکو میں گیا جہاں سے وُہ تبریز کو چلا گیا۔ اِس جگہ اُس نے میزان الحق کی نظر ثانی کی۔ اِس کام میں اُس نے ایک آزاد خیال ایرانی مُنشی اور ایک کٹر مُلّا کی مدد لی۔ جب موخرالذکر نے اُس کے پاس آنے سے انکار کیا تو فینڈر اپنے مسودہ کو اُس کے پاس بھیجتا تھا۔ جب کام ختم ہو گیا تو ایرانی مُنشی نے کہا "جناب آپ کسی کو نہ بتائیں کہ مَیں نے اِس کتاب کی تصنیف میں آپ کی مدد کی ہے لیکن یہ کتاب آزاد خیال ایرانیوں میں بہت مقبول ہو گی"۔ مُلّا صاحب نے کہلا بھیجا کہ "ہمیں افسوس ہے کہ یہ کتاب قرآن کے خلاف ہے اور اگر ہمیں اس کے ناپاک مضامین کی پہلے اطلاع ہوتی تو ہم مدد کرنے کا کبھی وعدہ نہ کرتے"۔ تبریز کے مسلمانوں میں فینڈر نے مسیحی کتب مقدسہ تقسیم کیں اور ان کتابوں کی دو کشتیاں بھر کر نسطوری صدر اُسقف کو بھی روانہ کیں۔

۱۸۳۳ء میں وُہ واپس جرمنی میں اپنے گھر گیا۔ اِس سال اُس کی شادی صوفیا ریوس (Sophia Reuss) سے ہو گئی جو

ماسکو کے ایک سینیٹر (Senator) کی بیٹی تھی۔ اُس کو بھی زبانوں کی تحصیل کا خاص ملکہ تھا۔ وُہ نہایت دیندار اور دانشمند عورت تھی اور مسیح کی خاطر ایذا اور دُکھ اُٹھانے کے لئے ہر وقت تیار رہتی۔

۱۸۳۴ء میں دونوں میاں بیوی واپس شوشا میں آ گئے۔

۱۸۳۵ء میں فینڈر کی بیوی وفات پا گئی۔ اُسی سال شہنشاہِ رُوس نے شوشا میں تبلیغی کام کی ممانعت کر دی۔ شہنشاہ نے حکم دیا کہ اگر مشنری کھیتی باڑی کا کام سکھانے یا تجارت وغیرہ کے لئے شوشا میں رہنا چاہیں تو حکومت کو کوئی اعتراض نہ ہوگا لیکن اُن کو انجیل سُنانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یُوں ایک نام نہاد "مسیحی" سلطنت نے شوشا کا مشن بند کر دیا۔

(۳)

فینڈر اور کرائیس (Kriess) ۱۸۳۷ء میں ہندوستان بھیجے گئے۔ وُہ ایران اور خلیج فارس سے ہوتے ہُوئے تیرہ ماہ کے بعد کلکتہ پہنچے۔ وہاں چرچ مشنری سوسائٹی کے مشنری وائی براؤ (Weibrow) اور بردوان کے رسُولوں کا سا دل رکھنے والے مشنری وائٹ بریخت (Weit Brecht) نے (جو فینڈر کا رشتہ دار تھا) اُن کا خیر مقدم کیا۔

۱۸۴۰ء میں فینڈر اور کرائیس نے باسل کمیٹی سے قطع تعلق کر لیا اور چرچ مشنری سوسائٹی نے اُن کو قبول کر کے آگرہ روانہ کر دیا۔ ہندوستان پہنچتے ہی فینڈر نے اُردو سیکھی اور میزان الحق کو مکمل کیا۔ بمبئی اور کلکتہ کے احباب کی مدد سے اُس نے اپنی فارسی تالیفات

چھپواکر بنارس۔ آگرہ اور بمبئی روانہ کیں ⁂

فینڈر نے دوسری شادی ایک انگریز خاتون ایملی سونبرن Emily Swinburne کے ساتھ کی۔ یہ خاتون بھی ایک مشنری تھی۔ دونوں میاں بیوی آگرہ کو دریا کی راہ روانہ ہوئے اور ۱۸۴۱ء کے آخر میں آگرہ بخیریت پہنچ گئے۔ آگرہ میں انہوں نے گنجان آبادی کے درمیان جگہ رہائش اختیار کی۔ یہ مکان بشپ کوری (Corrie) نے خرید کر سی۔ ایم۔ ایس کو نذر کر دیا تھا ⁂

اس گھر میں ہنری مارٹن Henry Martyn کا شاگرد عبدالمسیح کام کر چکا تھا جس کا اسلامی نام شیخ صالح تھا۔ وہ دہلی کے سربرآوردہ مسلمانوں میں سے تھا۔ اور شاہ اودھ کا خاص جوہری تھا۔ ایک دفعہ جب وہ کانپور میں تھا تو ہنری مارٹن برسرِ بازار منادی کر رہا تھا۔ وعظ کو سن کر اس کو مذاہب کی چھان بین کا شوق پیدا ہوگیا۔ اس نے ثابت سے جو ہنری مارٹن کے ساتھ انجیل جلیل کا اردو میں ترجمہ کرتا تھا درخواست کی کہ مجھے اپنا کاتب بنالو۔ جوں جوں وہ انجیل کے ترجمہ کی کتابت کرتا گیا اس کی روحانی پیاس بجھتی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۱۱ء میں پادری ڈیوڈ براؤن (David Brown) کے ہاتھوں اس نے کلکتہ کے پرانے گرجا میں بپتسمہ پایا۔

جب کوری آگرہ میں مقرر ہو کر گیا تو وہ اس کو اپنے ساتھ چرچ مشنری سوسائٹی کا واعظ بنا کر لے گیا۔ عبدالمسیح ہندوستان میں سی ایم ایس کا پہلا کارندہ تھا۔ خدا نے آگرہ میں اس کے کام پر بڑی برکت دی چنانچہ سولہ ماہ کے اندر پچاس ہندو مسلمان مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوگئے

سنہ ۱۸۱۴ء میں اُس کی تصویر انگلستان بھیجی گئی جو چرچ مشنری ہاؤس میں اب تک لٹکتی ہے۔ عبد المسیح کے خطوط جو انگلستان باقاعدہ جاتے تھے نہایت دلچسپ تھے جن کو سوسائٹی کے احباب بڑے شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ عبد المسیح چرچ مشنری سوسائٹی کا پہلا میڈیکل مشنری تھا کیونکہ وُہ طبابت بھی جانتا تھا اور دُور دُور سے لوگ اُس کے پاس علاج کے لئے آتے تھے۔ بشپ مڈلٹن Middleton نے اُس کو ہندوستانی ہونے کی بنا پر قسیس کے عہدے پر مقرر کرنے سے انکار کر دیا تھا لیکن اُس کے جانشین بشپ ہیبر (Heber) کو ہندوستانیوں کے تقرر پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ اُس نے ۳۰ نومبر سنہ ۱۸۲۵ء کے روز عبد المسیح کو خادم الدین کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ یہ دورِ جدید میں ہندوستان کا پہلا خادم الدین اہلِ اسلام میں سے مسیح کے قدموں میں.... آیا تھا۔ ۴ مارچ سنہ ۱۸۲۷ء میں چودہ سال کی خدمت کے بعد یہ خداوند کا وفادار خادم ابدی آرام میں سو گیا۔

فینڈر برسرِ بازار لوگوں میں مسیحیت کی منادی کیا کرتا تھا۔ اور روزانہ آگرہ اور اس کے گرد و نواح میں جا کر کُتبِ مقدسہ کو تقسیم کرتا تھا۔ اہلِ ہنود کو وُہ خدائے واحد پر ایمان لانے کی اور اہلِ اسلام کو ابنِ وحید پر ایمان لانے کی دعوت دیتا تھا۔ اُس کی کتاب میزان الحق مولوی صاحبان کے پاس موجود تھی اور مولوی صاحبان کے اور فینڈر کے درمیان بحث کا سلسلہ جاری رہا۔

سنہ ۱۸۴۵ء میں آگرہ کے ایک سرکاری افسر نے میزان الحق کے جواب میں کتاب استفسار لکھی۔ لکھنؤ کے مولوی محمد ہادی نے

فینڈر کی کتاب مفتاح الاسرار کے جواب میں کشف الاستار لکھی جس کا جواب الجواب فینڈر نے حل الاشکال میں دیا۔ فینڈر نے اپنے یورپین احباب سے درخواست کی کہ وہ اُس کو کتب الٰہیات بھیجا کریں تاکہ وہ مسلمان علماء کا تسلی بخش جواب دے سکے خصوصاً وہ ایسی کتب کا خواہشمند تھا جس میں کتب مقدسہ کے اختلافات کے جواب ہوں کیونکہ مسلمان علماء سٹراس (Strauss) فیور باخ (Feuerbach) اور انگریزی ملاحدہ کی کتب کا مطالعہ کر کے اعتراض پیش کیا کرتے تھے افسوس اِس امر کا ہے کہ معترضین کو یہ کتابیں آگرہ کی رومی کلیسیا کے اُسقف اور خادمانِ دین دیا کرتے تھے تاکہ وہ پروٹسٹنٹ علماء کو نیچا دکھا سکیں۔ ان ملاحدہ یورپ کی کتب کے علاوہ اُنھوں نے مسلمان علماء کو کلیسیا کی ابتدائی صدیوں کے بدعتیوں مثلاً مارسیون، ابیونی، ایریس وغیرہ کی کتابیں بھی دیں۔ اور ان کے مضامین کو اُن علماء کے ذہن نشین کرتے رہتے۔ تاکہ بزعم خویش پروٹسٹنٹ خیالات کا پول کھل جائے۔ ہم اِن بشپوں اور دین کے خادموں کی ذہنیت پر حیران رہ جاتے ہیں ؎

فینڈر نے منادی کے لئے شہر کے گنجان حصہ میں دو دکانیں کرایہ پر لے لیں۔ وہ لکھتا ہے "لوگ مجھ پر ہنستے تھے اور میرا مضحکہ اُڑاتے تھے لیکن جس جگہ وہ ایسا کرتے ہیں وہاں اگلے دن ضرور پہنچتا۔ جب اُنہوں نے یہ دیکھا کہ میں ٹلنے والا شخص نہیں ہوں تو انہوں نے ہنسی مذاق کرنا بند کر دیا۔ اب میں بغیر کسی رکاوٹ کے اپنا کام کرتا ہوں"؎

۱۸۴۵ء میں وہ دریائے جمنا کی راہ دہلی پہنچا۔ یہاں کے لوگوں کے پاس بھی میزان الحق تھی اور اُس نے علماء اسلام کے ساتھ جامع

مسجد میں مناظرہ کیا۔

۱۸۵۱ء میں فینڈر اپنی بیوی اور بچوں کی بیماری کی وجہ سے پہلی دفعہ انگلستان گیا۔ وہاں اپنی اہلیہ کو چھوڑ کر جرمنی میں اپنے رشتہ داروں کی ملاقات کو گیا اور ۱۸۵۲ء کے آخر میں نہر سویز کی راہ سے بمبئی پہنچا۔ وہاں سے وہ بیل گاڑی میں سفر کرتا ہوا فروری ۱۸۵۳ء میں واپس آگرہ پہنچ گیا۔

جب فینڈر انگلستان میں چھٹی پر تھا اُن دنوں میں چرچ مشنری سوسائٹی نے ٹامس ویلپی فرنچ (Thomas Valpy French) کو ۱۸۵۱ء میں آگرہ میں مشن کالج کھولنے کے لئے روانہ کیا۔ آگرہ میں دو سال کے قیام کے بعد فرنچ نے فینڈر سے ملاقات کی اور فرنچ نے فینڈر کے قدموں میں بیٹھ کر اسلام کا مطالعہ کیا۔ اور تادمِ مرگ اُس کا مدّاح رہا۔

آگرہ میں پہنچ کر فینڈر نے دیکھا کہ جو بیج اُس نے بویا تھا وہ بے پھل نہیں رہا۔ اہلِ اسلام مسیحی کُتبِ مقدسہ کا مطالعہ کرتے تھے۔ دو مسلمان رئیس مسیحیت کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اُس کی کتاب میزان الحق دُور دُور پہنچ گئی تھی۔ کراچی میں مسٹر عبداللہ آتھم سرکاری ملازم کو اپنے آبائی دین کی نسبت شکوک پیدا ہوئے اور اُنہوں نے کراچی اور تمام ہندوستان کے نامی علماء سے اُن کے جواب طلب کئے لیکن جواب دینے کی بجائے اُنہوں نے کُفر کا فتویٰ صادر کر دیا اور مشہور کر دیا کہ یہ سوالات کسی عیسائی نے لکھے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے۔ حالانکہ آتھم مسیحیت کے جانی دشمن تھے۔ دقیق مطالعہ کے بعد آپ نے بپتسمہ پایا۔ آپ ایک زبردست فلسفی اور شاعر تھے۔ آپ نے "آرامِ آتھمی"۔ اندرونہ بائبل۔ جوہر القرآن۔ نکاتِ احمدیہ۔

زینۂ فطرت - ہوائے زمانہ وغیرہ کتابیں لکھیں - آپ نے اپنی عمر کی آخری منزل میں مرزا قادیانی سے امرتسر میں مباحثہ کیا - جب پندرہ روز کے مباحثہ کے بعد مرزا نے دیکھا کہ اُس کو کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی تو اُس نے آپ کی موت کی پیشین گوئی کر دی جو جھوٹی ثابت ہوئی - یہ مباحثہ کتاب "جنگ مقدس" میں موجود ہے اور جب تک مرزائی فرقہ زندہ ہے ڈپٹی عبداللہ آتھم فاتح قادیان کا نام اُس کو گمراہ کُن ثابت کرتا رہیگا ⁂

پشاور کے میجر مارٹن نے فینڈر کو لکھا کہ یہاں ایک ایرانی ہے جو بپتسمہ پانا چاہتا ہے - یہ ایرانی طہران کے ایک تاجر کا بیٹا تھا - ایک آرمینی نے اُس کو ایران میں میزان الحق دی تھی - یہ ایرانی نوجوان مذہبی کُتب پڑھنے کا شوقین تھا - اُس نے پشاور میں کرنیل ویلر (Col. Wheeler) کو بازاری منادی کرتے سُنا تھا - وہ میزان الحق پڑھ کر دو سال تک مسیحیت و اسلام کے عقائد کا موازنہ کرتا رہا اور بالآخر مسیحی ہو گیا - یہ ایرانی گویا شوشتا کے مشن کا پھل تھا ⁂

السیٹر ۱۸۵۴ء میں آگرہ میں فینڈر کا معرکتہ الآرا مباحثہ علمائے اسلام کے ساتھ احاطۂ عبدالمسیح میں ہُوا - فرنچ اس کا مددگار تھا - فینڈر اس مباحثہ کی بابت لکھتا ہے ⁂

یہاں کے (آگرہ کے) علماء اسلام دہلی کے علماء کے ساتھ مل کر گذشتہ دو تین سال سے کتاب مقدس کا اور ہماری کتابوں کا اور مغربی علماء کی تنقیدی کُتب اور تفاسیر کا مطالعہ کر رہے تھے تاکہ وُہ کتاب مقدس کو غلط اور باطل ثابت کر سکیں - اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ دہلی کے عالم مولوی رحمت اللہ اور دیگر علماء نے کتاب استفسار - ازالۃ الاوہام - اعجاز عیسوی

وغیرہ کتب لکھیں ÷

جنوری ۱۸۵۴ء میں جب میں یہاں نہیں تھا تو مولوی رحمت اللہ آگرہ آیا تا کہ اپنے احباب کے ساتھ اُن کتب کو چھپوانے کا انتظام کرے اِس اثناء میں وُہ مذہبی گفتگو کے لئے فرنچ کے پاس چند دفعہ آیا اور مجھے نہ پا کر افسوس ظاہر کیا۔ جب مَیں آیا تو اُس نے اپنے ایک دوست کی معرفت مباحثہ کے لئے کہلوا بھیجا اگرچہ مَیں جانتا تھا کہ مباحثوں کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا پھر بھی مَیں نے مباحثہ کا چیلنج منظور کر لیا۔ مباحثہ کی شرائط طے پائیں کہ مولوی رحمت اللہ اہل اسلام کی طرف سے ڈاکٹر وزیر خان کی مدد کے ساتھ مباحثہ کرے اور عیسائیوں کی طرف سے مَیں مسٹر فرنچ کی مدد سے مباحثہ کروں مضمون زیر بحث یہ قرار پائے (۱) مسیحی کُتبِ مقدسہ میں تحریف واقع ہوئی ہے اور وُہ منسوخ ہو چکی ہیں۔ (۲) اُلوہیتِ مسیح اور تثلیث (۳) رسالتِ محمدی:۔

بحث دو دن تک رہی۔ پہلے روز تقریباً ایک سو مسلمان علماء مولوی رحمت اللہ کی مدد کے لئے جمع تھے۔ دُوسرے روز اُن کی اس سے دُگنی تعداد تھی۔ دُوسری صبح پہلی تقریر میری تھی۔ مَیں نے کہا کہ قرآن انجیل کا مصدّق ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ قرآن مروّجہ انجیل کا مصدّق نہیں کیونکہ وُہ محرّف ہے مَیں نے کہا کہ اچھا تم اُس انجیل کو پیش کرو جو غیر محرّف ہے اور جس کا قرآن مصدّق ہے اور یہ بتاؤ کہ تحریف کب اور کہاں واقع ہوئی۔ مولوی صاحب سے اس کا جواب بن نہ آیا اور کہنے لگے کہ مغربی علماء مثلاً ہارن Horne، مکائلس Michaelis وغیرہ خیال کرتے ہیں کہ اناجیل میں اختلاف قرأت موجود ہے جس سے ظاہر

ہے کہ انجیل محرّف ہے۔ مَیں نے جواب دیا کہ اختلافِ قرأت سے تحریف لازم نہیں آتی۔ اِس کا جواب مولوی صاحب نہ دے سکے مَیں نے کہا کہ دو باتوں میں سے جسے چاہو اختیار کر لو یا تو اِس امر کا اقرار کرو کہ انجیلی عبارت مصئوُن و محفوظ ہے اور جب الُوہیتِ مسیح اور تثلیث پر بحث ہو تو ہمارے عقائد کی تائید میں اُس کی عبارت کو مانو اور یا اگلے روز ثبوُت پیش کرو جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ ہماری مروّجہ انجیل کے الفاظ احکام اور عقائدِ انجیل کے اُن نسخوں سے مختلف ہیں جو زمانۂ محمدؐ سے پہلے موجود تھے۔ مولوی صاحب نے دونوں باتوں سے انکار کر دیا۔ مَیں نے کہا کہ آپ کے انکار کا یہ مطلب ہے کہ ہم مباحثہ جاری نہ رکھّیں۔ مولوی صاحب نے بحث ختم کرنے پر رضامندی ظاہر کی اور جلسہ برخاست ہو گیا۔ اِس پر اہلِ اسلام نے شور مچا دیا کہ اُن کی فتح ہو گئی ہے۔ لیکن مجھے یقین واثق ہے کہ گو جاہل مسُلمان اپنی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے اِس مباحثہ میں اپنی فتح تصوّر کرینگے لیکن خدا اپنے طریقہ سے بہت لوگوں کو راہِ ہدایت پر لائیگا؛

خُدا نے فینڈر کی تمنّا پُوری کر دی۔ اُن علماء اسلام میں سے جو مولوی رحمت اللہ کے حامی تھے دو عُلماء اِس مباحثہ کے چند سال بعد عیسائی ہو گئے یعنی ایک مولوی صفدر علی اور دُوسرا مولوی عماد الدّین؛

مولوی عماد الدّین صاحب کے حالات رسالہ "خداوند مسیح کے نور تن" اور اُن کی کتاب "واقعاتِ عمادیہ" میں لکھے ہیں۔ یہاں مولوی صفدر علی کے واقعاتِ زندگی مختصر طوَر پر پیش کئے جاتے ہیں۔ آپ کے بچپن میں ہی آپ کے بعض عزیز و اقارب فوت ہو گئے جس کی وجہ سے دُنیا کی ناپائداری

اور عقبیٰ کی فکر نے اس چھوٹی عمر میں آپ کے دل میں گھر کر لیا۔ ۱۴ برس آگرہ میں مختلف اُستادوں سے اور بعد میں گورنمنٹ کالج میں تعلیم حاصل کی۔ انگریزی میں اچھی خاصی مہارت حاصل کر لی۔ دینیات کا علم بھی حاصل کیا۔ آپ نے یو۔ پی کے لفٹننٹ گورنر سے تمغہ حاصل کیا جو اب تک کسی عربی فارسی پڑھنے والے کو نہیں ملا تھا۔ وہ اپنے کالج میں فارسی کے مدرس ہو گئے۔ اس کے بعد نیچرل فلسفہ کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ گو دینیات کا مطالعہ برابر جاری رکھا لیکن رُوحانی آرام حاصل نہ ہوا۔ پنجاب میں سررشتۂ تعلیم جاری ہونے پر آپ راولپنڈی سے جہلم اور پشاور تک کے ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے جہاں درویشوں اور صوفیوں کی صحبت کی وجہ سے آپ نے سخت ریاضتیں کیں اور مُرشدِ کامل کی تلاش کرتے رہے۔ جب آپ کی تبدیلی قسمت مُلتان میں ہوئی جو "مشائخ صوفیہ کا بن" تھا تو آپ نے اُن کے حلقوں، مجلسوں اور خانقاہوں کو مُرشدِ کامل حاصل کرنے کے لئے چھان مارا لیکن اس تمام تگ و دو سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آپ لکھتے ہیں کہ

من بہر جمعیتے نالاں شدم	صحبتِ خوشحالاں و بدحالاں شدم
ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من	از درون من نجست اسرارِ من
سرِّ من از نالۂ من دور نیست	لیک چشم و گوش را آن نور نیست

جب آپ ضلع جبل پور کے ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے اُن دنوں میں کتاب مقدّس کا ایک حصّہ آپ کو ملا جس کو تردید کرنے کی خاطر آپ نے پڑھا۔ ان دنوں نیل کنٹھ شاستری (فادر نحمیا گورے) سے آپ کی مُلاقات ہوئی اور آپ نے مسیحی دین کی اور اسلام کی تحقیق شروع کی۔ تین برس تک

دن رات کے مطالعہ کے بعد آپ پر یہ ظاہر ہو گیا کہ مسیحیت برحق ہے اور
نامی گرامی عالموں کو اپنا حال زار لکھ کر علاج کی درخواست کی لیکن سوائے
کفر کے فتویٰ کے کوئی جواب نہ پایا۔ آپ نے فادر گورے کو بھی اپنے حال
زار سے آگاہ کیا۔ پادری صاحب فوراً ان کے پاس پہنچے اور چھ ماہ کی تعلیم
کے بعد وہ بیج جو فینڈر نے آگرہ کے مباحثہ میں بویا تھا کئی سالوں کے
بعد پھل لایا اور آپ نے بپتسمہ پایا۔ اور یہ دھولپور کا رئیس خداوند
کا ادنیٰ ترین غلام ہو گیا۔ آپ نے کتاب مقدس کی صحت و اصلیت پر
"نیاز نامہ" کتاب لکھی جو بہتوں کے لئے شمع ہدایت ثابت ہوئی۔ آپ
شاعر نغز گو تھے اور کلیسیا کی روحانی بہبودی کی خاطر آپ نے مسیحی
شعرا کے کلام کو "غذائے روح" میں جمع کیا۔

فینڈر کے مباحثہ نے شمالی ہند کے کونے کونے میں ہلچل مچا دی۔
اس کی کتاب میزان الحق کو پڑھ کر ان لوگوں کے دل جو تحقیق حق میں سرگرداں
تھے اسلامی تعلیم سے بدظن ہو گئے اور متعدد مسلمان دنیا کے منجی کے قدموں
میں آ گئے۔ ان میں سے سید ولائت علی خاص آگرہ تاج گنج بستی کے تھے
جو ۱۸۵۷ء میں دہلی میں ایام فساد میں شہید کر دیئے گئے۔ مرزا غلام احمد
دہلی کے بادشاہی خاندان میں سے تھے۔ وہ ۱۸۹۲ء میں امرتسر میں
مدفون ہوئے۔ پادری عماد الدین صاحب نے اپنے خط شکاگو میں ۱۰۶
نامی مسلمانوں کے نام دیئے ہیں جو ۱۸۹۳ء سے پہلے مشرف بہ مسیحیت
ہوتے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ بمشکل کوئی مسلمان ایسا ہوگا جو فینڈر کی
کتاب میزان الحق پڑھے بغیر منجی عالمین کے قدموں میں آیا ہو۔

فرنچ فینڈر کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ چنانچہ

وُہ کہتا ہے "گو مرحُوم ڈاکٹر فنڈر بزرگ ہنری مارٹن کا سا دماغ اور لیاقت نہیں رکھتے تھے تاہم میدانِ مباحثہ میں یکتا تھے وُہ اپنے ہمعصر مِشنریوں میں جو اہلِ اِسلام میں کام کرتے تھے اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے مرحُوم خود وفات پا گیا ہے۔ لیکن اُس کا کام زندہ ہے اور کلیسیا کے لئے ایک غیر فانی وراثت چھوڑ گیا ہے۔ مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ مَیں نے اُس کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا ہُوا ہے۔ فنڈر کی یاد میرے دل میں ہمیشہ تازہ رہتی ہے۔ فنڈر اور ڈف دو شخص ہیں جن کے کام نے مِشنریوں کو سب سے زیادہ متأثر کیا ہے۔ خُدا کرے کہ ہمارے مِشنری قلم کے زور کے اثر کو محسُوس کر کے اُس کام کو جاری رکھّیں جو فنڈر نے شرُوع کیا ہے"۔ سر ولیم میور نے ۱۸۵۴ء میں اِس کی بابت لِکھا کہ "اہلِ اِسلام کے ساتھ مباحثہ کرنے والوں میں وُہ لائق ترین شخص ہے"۔

آگرہ کی کلیسیا میں ۱۸۴۸ء میں فنڈر نے ایک پنچائت قائم کی یہ شمالی ہند میں موجُودہ زمانہ کی طرز کی پہلی پنچائت تھی۔ فنڈر لکھتا ہے "کلیسیا کے قیام کے لئے اور اپنی مدد کے لئے مَیں نے ایک پنچائت قائم کی ہے۔ پنچائت کے شرکاء کو کلیسیا منتخب کرتی ہے۔ پنچائت کے ممبر چرچ وارڈن کا کام بھی کرتے ہیں۔ اور تادیبی اُمور کو سرانجام دیتے ہیں۔ جب کوئی شخص بپتسمہ چاہتا ہے تو بپتسمہ دینے سے پہلے پنچائت کی صلاح لی جاتی ہے۔ گذشتہ دو سال سے جماعت کے شرکاء باقاعدہ چندہ دیتے ہیں جس کا انتظام پنچائت کے ہاتھوں میں ہے"۔

۱۸۵۴ء میں فنڈر اپنی بیوی کو جو انگلستان سے واپس آگئی تھی لانے کے لئے کلکتہ گیا۔ وہاں کلکتہ کے بشپ نے اِس کا تقرّر دوبارہ کر دیا

کیونکہ اس سے پہلے اُس کا تقرر کو نھرن طریقہ پر ہُوا تھا۔ اور وُہ واپس آگرہ آگیا۔

(۴)

جب چرچ مشنری سوسائٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ پشاور میں مشن قائم کیا جائے تو اُنھوں نے ۱۸۵۴ء میں فینڈر کو اور پادری رابرٹ کلارک (Robert Clark) کو وہاں بھیجا۔ کلارک سکول میں کام کرتا تھا۔ کرنیل مارٹن (Col. Martyn) فوجی ملازمت کو ترک کر کے سی ایم ایس کا مشنری بن گیا۔ وُہ مشن کا حساب کتاب رکھتا تھا۔ اگرچہ وُہ مال دار آدمی نہ تھا پھر بھی اُس نے اپنی دولت کا بہت بڑا حصہ مشن کو دے دیا اور خود نہائت سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے کہا کہ "میری تمام دُنیاوی چیزیں ایک گاڑی میں آسکتی ہیں"۔ انھی دِنوں میں کنٹربری کے صدر اُسقف نے فینڈر کو ڈی۔ ڈی۔ کی ڈگری عطا کی۔

ڈاکٹر فینڈر پشاور میں برسر بازار مسیحی کُتب مقدسہ کی تعلیم دیتا اور مسیح مصلوب کی منادی کرتا تھا۔ اُس کو کئی دفعہ دھمکی دی گئی کہ وُہ قتل کر دیا جائیگا۔ لیکن اُس شیر دِل شخص نے رتی بھر پروا نہ کی۔ رؤسائے شہر نے کمشنر کو کہا کہ منادی کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ لیکن سرہربرٹ ایڈورڈز (Sir Herbert Edwards) نے مداخلت نہ کی۔ ڈاکٹر فینڈر ہندوستانی واعظین کے ساتھ ہر شام کو بازاروں میں اور شارع عام پر اپنے نجات دہندہ کی منادی کرتا تھا۔ پشاور میں وُہ تعلیم یافتہ اشخاص کے ساتھ اُردو اور فارسی میں کلام کرتا۔ افغانوں کے ساتھ پشتو میں

اور مولوی صاحبان کے ساتھ عربی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ اُس کے علم و لیاقت کو دیکھ کر کسی مولوی کو مباحثہ کرنے کی جرأت نہیں پڑتی تھی۔
فینڈر نے پشاور کے تمام علماء کو میزان الحق بھیجی۔ بعض نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ بعض نے اُس کو ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا۔ حافظ محمد عظیم نے عربی میں ذیل کا مکتوب بھیجا:-

"بعالیخدمت قسیس ڈاکٹر فینڈر صاحب۔ آپ کی مرسلہ کتابیں بغیر پڑھے واپس کر رہا ہُوں۔ خدائے اکبر نے ہم کو صراطِ مستقیم پر چلایا ہے اور ہمارا علم عقل اور مکاشفہ اندرُونی اور بیرُونی ثبوت پر قائم ہے۔ پس ہمیں گمراہ لوگوں کی جھُوٹی کتابوں سے کچھ تعلق اور واسطہ نہیں۔ اُن کی نسبت قرآن شریف میں وارد ہُوا ہے کہ اُن کے دِلوں پر خُدا نے مُہر لگادی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ چھا گیا ہے۔ زیادہ لکھنے کی ضرُورت نہیں۔ عاقل کیلئے اشارہ کافی ہے"

پشاور میں ڈاکٹر فینڈر نے ایک اور کتاب تصنیف کی جس میں آگرہ اور دہلی کے علمائے اسلام کے اعتراضات کے مفصّل جوابات تھے۔

مئی ۱۸۵۷ء کے بدامنی اور فساد کے ایّام میں بعض احباب نے ڈاکٹر فینڈر کو یہ صلاح دی کہ وُہ پشاور شہر میں برسر بازار منادی کرنا چند ماہ کے لئے بند کر دے تاکہ اُس کا جان و مال محفوظ رہے۔ اُس نے جواب دیا کہ وُہ صرف خُدا کی ہدایت کے مطابق عمل کریگا۔ چنانچہ اُن ایّام میں اُس نے صرف دو یا تین روز بازاری منادی بند کی ورنہ وُہ ہر روز برسرِ بازار اپنے نجات دہندہ کا پیغام لوگوں کو سُناتا تھا۔ وُہ

کہتا تھا کہ خدا نے یہ ہولناک دن برطانوی گورنمنٹ پر اس لئے بھیجے ہیں کیونکہ وہ ہندوستان میں بت پرستی کی معاون اور مسیحیت کی مددگار ہونے سے خائف رہی ہے ٭

سر ہربرٹ ایڈورڈز نے ڈاکٹر فینڈر کی نسبت کہا کون شخص ہے جس نے فینڈر کے پر محبت چہرہ کو ایک دفعہ دیکھا ہو اور اس کو دیکھ کر متاثر نہ ہوا ہو؟ خدا نے اس کو مشنری ہونے کے لئے خاص لیاقت عطا فرمائی تھی۔ اس کا دماغ بڑا زبردست تھا اور ساتھ ہی وہ شیر دل واقع ہوا تھا۔ وہ ایک زندہ دل۔ جفاکش اور محنتی انسان تھا۔ اس کو ایشیائی ممالک کے لوگوں کا تجربہ حاصل تھا۔ اور ہندوستان بھر میں علمائے اسلام کے ساتھ مباحثہ کرنے میں وہ لاثانی تھا۔ وہ مسیحیت اور مسیحی عقائد کو ایشیائی نکتۂ خیال سے لوگوں کے سامنے پیش کرتا تھا۔ اس کی کتابوں میں یورپین علماء کے خیالات نظر تک نہیں آتے۔ خوش مزاجی اس کے چہرے سے ٹپکتی تھی اور کوئی شخص اس کے ساتھ دیر تک خفا نہیں رہ سکتا تھا ٭

جب ایام فساد ختم ہو گئے تو ڈاکٹر فینڈر۔ جرمنی اور سوئٹزرلینڈ ہوتا ہوا انگلستان چلا گیا کیونکہ پشاور میں اس کی بیوی کی صحت خراب رہتی تھی ٭

(۵)

۱۸۵۸ء میں چرچ مشنری سوسائٹی نے ڈاکٹر فینڈر کو قسطنطنیہ بھیجا۔ وہاں کے لوگوں نے اس کی کتاب میزان الحق کے فارسی ترجمہ کا مطالعہ

کیا ہُوا تھا۔ جب وُہ وہاں پہنچا تو اُس کو معلوم ہُوا کہ اُس کی کتاب کا جواب تیار ہو رہا ہے۔ قسطنطنیہ میں کتبِ مقدسہ اور دیگر مذہبی کتابیں اُس جگہ فروخت کی جاتی تھیں جہاں مقدس کرسسٹم نے کلیسیا کی ابتدائی صدیوں میں وعظ منادی کی تھی۔ اور جواب مسجد بنا دی گئی تھی۔ ایک روز یک لخت بغیر کسی اطلاع کے سُلطانِ ترکی کے حُکم سے تُرکی مسیحی قید کر دیئے گئے۔ مسیحی کُتبِ مقدسہ ضبط کی گئیں اور مسیحیوں کی عبادت گاہوں اور دُکانوں پر جہاں اِن کُتب کی فروخت ہوتی تھی قفل لگا دیئے گئے۔ تُرکی گورنمنٹ نے ذیل کے احکام صادر کر دیئے:-

"تُرکی گورنمنٹ اِس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ اسلام پر کسی طرح کا حملہ برسرِ بازار یا علانیہ کیا جائے۔ وُہ مشنریوں کو یا اُن کے کارندوں کو اسلام کے خلاف مُنادی کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اِس طرح کی ہر کوشش تُرکی گورنمنٹ کی نظر میں قومی مذہب پر حملہ تصوّر کیا جائیگا۔ وُہ کسی مباحثہ کی کتاب کو برسرِ بازار یا علانیہ طور پر تقسیم کرنے یا فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔" برطانوی سفیر نے اِن ذِلّت آمیز احکام پر رضامندی ظاہر کر دی۔ گو بعد میں بصد مُشکل دُکانیں کھُلوائی گئیں لیکن اپنی جان کے ڈر کے مارے کوئی شخص اُن دُکانوں کے نزدیک نہیں پھٹکتا تھا۔ لیکن ان حالات میں بھی ڈاکٹر اپنا کام برابر کرتا رہا۔ قسطنطنیہ میں اُس کی بیوی کی حالت نہایت خراب ہو گئی اور وُہ ۱۸۶۵ء میں اپنے بیوی بچّوں کو اِنگلستان چھوڑنے چلا گیا *

۱۸۷۰ء میں جب فرنچ ملتان گیا تو وہاں کے ایک مولوی نے جو مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خان کا دوست تھا اُس کو بتایا کہ جب قسطنطنیہ میں ڈاکٹر فینڈر کی وعظ منادی اور کتابوں کا شہرہ ہُوا تو سُلطان نے مولوی رحمت اللہ کو بُلوا بھیجا تاکہ ڈاکٹر فینڈر سے مباحثہ کرے لیکن مولوی رحمت اللہ کے دارالخلافہ میں پُہنچنے سے پہلے ڈاکٹر فینڈر وفات پا چکا تھا۔ کیونکہ جب فینڈر انگلستان پہنچا تو اُس کی اپنی صحت خراب ہوگئی اور اُس کی حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ بالآخر یکم دسمبر ۱۸۶۵ء کو وُہ ابدی آرام میں داخل ہوگیا۔ اِس کے آخری الفاظ یہ تھے ۔ "مَیں اپنے گھر جا رہا ہُوں"۔

جب فرنچ ۱۸۹۰ء میں انگلستان گیا تو وُہ مرحُوم کی قبر کی زیارت کرنے کو گیا۔ وُہ لکھتا ہے "کل (۱۱ ستمبر) مَیں دہلی کے مسٹر کیلی (Kelly) کو ہمراہ لے کر اپنے پُرانے اُستاد ڈاکٹر فینڈر کی قبر کی زیارت کرنے کے لئے ہیم (Ham) گیا۔ ہم دونوں نے قبر کے پاس گھٹنے ٹیک کر ہندوستان کے کام کے لئے دُعا مانگی"۔

(۶)

فینڈر نے میزان الحق کے علاوہ ذیل کی کُتب بھی تصنیف کیں:-

(۱) طریق الحیات میں گُناہ اور کفّارہ پر مفصّل بحث کی گئی ہے۔

(۲) مفتاح الاسرار میں اُلوہیتِ مسیح اور مسئلہ تثلیث پر زبردست بحث کی گئی ہے۔ اِس کے جواب میں مولوی محمد ہادی نے جو لکھنؤ کے عالم تھے ایک رسالہ کشف الاستار لکھا جس کے جواب میں فینڈر نے ۱۸۴۷ء میں (۳) حل الاشکال کو تصنیف کیا جو ۱۸۸۴ء میں لدھیانہ سے

شائع ہوئی۔

(۴) مراسلات۔ اِس رسالہ میں وُہ خطوط درج ہیں جو فینڈر اور مولوی سیّد آل حسن نے ایک دُوسرے کو ایک تحریری مناظرہ کے دوران میں ۱۸۴۴ء اور ۱۸۴۵ء میں لکھے تھے۔ مراسلات میں مناظرہ کے مضامین یہ تھے (۱) تحریف بائبل (۲) اُلوہیت مسیح اور تثلیث۔

(۳) رسالتِ محمدی۔ یہ مراسلات حل الاشکال کے ساتھ شائع کئے گئے۔

(۵) اختتام دینی مباحثہ۔ اس میں فینڈر نے آگرہ کے مباحثہ کے مضامین کو مفصّل بیان کیا ہے۔ اس کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر دو خط ہیں جو اُس نے مولوی رحمت اللہ کو اور ڈاکٹر وزیر خاں کو ۱۸۵۴ء میں اُن کی کتاب "رسالہ مباحثہ مذہبی" کے جواب میں لکھے تھے۔ یہ کتاب ۱۸۵۵ء میں سکندرہ میں چھپی ٭

یہ تمام کتابیں راقم السطور کے پاس موجود ہیں اور ان کا مطالعہ ڈاکٹر فینڈر کے علم کی وسعت اور مسیحی غیرت اور حمیّت کو ظاہر کر دیتا ہے میری دُعا ہے کہ جس طرح خُدا گزشتہ ایک سَو سال میں میزان الحق کے ذریعہ بے شمار لوگوں کو راہ حق پر لایا ہے وُہ آیندہ بھی ڈاکٹر صاحب مرحوم کی کتابوں کو استعمال کرے تاکہ اسلام میں سے لوگ جوق در جوق اپنے مُنجی کے قدموں میں آکر ابدی نجات حاصل کریں ٭ آمین

بشپ ٹامس والپی فرنچ ایم۔اے۔ڈی۔ڈی

BISHOP THOMAS VALPY FRENCH

ٹامس والپی فرنچ پادری پیٹر فرنچ کے بڑے بیٹے تھے۔ وہ ۱۸۲۵ء میں نوروز کے دن پیدا ہوئے۔ اُن کی والدہ کا کنوارپن کا نام پنی لوپ آربیلا والپی Penelope Arabella Valpy تھا اس واسطے اُن کا نام والپی رکھا گیا۔ ان کی پیدائش کا مقام آربی واقعہ برٹن برلبِ دریائے ٹرنٹ تھا۔ جہاں اُن کے باپ خادم الدین تھے۔ وُہ وہاں پر چودہ برس کے سِن تک رہے۔

فرنچ کی طبعیت لڑکپن ہی سے خداوند مسیح کی خدمت کے کام کی طرف راغب تھی۔ چنانچہ جب وُہ چھوٹا لڑکا تھا۔ وُہ اپنے باپ کے ساتھ اُن جلسوں میں جو اشاعتِ دین کے لئے منعقد ہوتے تھے بہت خوشی سے جایا کرتا تھا۔ اور جو تقریریں اُن جلسوں میں ہوتی تھیں اُن کا اثر اُس کے دِل پر بہت ہوتا تھا۔ وُہ تقریر کرنے والوں کے لئے نام بنام دُعا مانگا کرتا تھا۔ اُس نے اوائل عُمر میں ہی یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ مَیں غیر اقوام کے چھوٹے لڑکوں کو یسُوع کی خوشخبری سُنانا چاہتا ہُوں۔

فرنچ نے پہلے ایک سال تک گرمر سکول واقع ریڈنگ میں تعلیم پائی اس کے بعد رگبی سکول چلا گیا۔ جس کا ہیڈ ماسٹر ڈاکٹر آرنلڈ (Arnold) تھا۔ ایسے ہیڈ ماسٹر کی تعلیم کا اثر اُس کی بعد کی زندگی میں جب وُہ مشنری اور بشپ ہُوا صاف نظر آتا تھا۔ طالب علمی

کے زمانہ میں اِس کے ہمعصر اِس کے سامنے ہرزہ گوئی یا فحش کلامی کرنے کی جرائت نہ کرتے تھے۔ ڈاکٹر آرنلڈ کے انتقال کے بعد فرنچ رگبی میں قریب ایک سال اَور رہا۔

۱۸۴۶ء میں فرنچ نے امتحان میں اوّل ہونے کی عزّت حاصل کی۔ دو برس کے بعد لاطینی زبان میں ایک مضمون کے صلے میں اُس کو چین سلر کا انعام مِلا اور وُہ اپنے کالج کا ایک فیلو ہونے کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسی سال اُس کا تقرّر ڈیکن کے درجہ پر کیا گیا۔ اور وُہ رگبی میں اپنے باپ کا اسسٹنٹ بنا۔ ۱۸۴۹ء میں اُس کا تقرّر قسیس کے عہدہ پر ہُوا۔

فرنچ نے زمانۂ مابعد میں بتایا کہ خاص بات جس کے سبب سے اُس نے اشاعتِ انجیل کی خدمت اختیار کی یہ تھی کہ بشپ ولبرفورس کی ایک تقریر نے مجھے اس بارہ میں قطعی فیصلہ کرنے میں مدد دی۔ اس تقریر میں اہلِ اوکسفورڈ سے بڑے زور کے ساتھ اس امر کی درخواست کی گئی تھی۔ کہ غیر ممالک میں اشاعت انجیل کی خدمت کرنی چاہیئے"۔ فرنچ نے اپنے دوست وارڈ ہم کالج کے آرتھر لی سے اس امر میں صلاح و مشورہ کیا اور دُعا مانگی۔ دونوں نے خُدا کی خدمت اختیار کرنے کا مصمّم ارادہ کر لیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد کسی نے فرنچ کو یہ رُوح فرسا خبر دی کہ تمہارے دوست مسٹر لی ریل کا ایک حادثہ واقع ہونے کے باعث قریب المرگ پڑا ہے۔ وُہ فوراً اُس کے پاس گیا۔ اور اُس کے انتقال کے وقت تک اُس کے پاس رہا۔ اِس پُرملال واقعہ سے فرنچ کا ارادہ اور بھی قوی ہو گیا۔ چونکہ ایک اُٹھا لیا گیا تھا اور دُوسرا چھوڑا گیا تھا

پس جو عہد دونوں نے آپس میں اپنے آپ کو خدا کی خدمت کے لئے مخصوص کرنے کے واسطے کیا تھا اُس کا پورا کرنا فرنچ کو ضروری معلوم ہوا ٭

اپریل ۱۸۵۰ء میں اُنہوں نے اپنی درخواست چرچ مشنری سوسائٹی کو روانہ کر دی اور وہ ہندوستان کی خاطر اوکسفورڈ سے دست بردار ہو گئے۔ اُن کا ایسا کرنا دیدہ و دانستہ عزّت و آرام کا ترک کرنا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی یونیورسٹی میں بڑا مرتبہ حاصل کر سکتے تھے۔ سوسائٹی نے اُن کی درخواست منظور کی اور آگرہ میں جو مشن کالج قائم ہونے والا تھا۔ اُس کا پرنسپل مقرّر کر دیا۔ ایک ماہ کے بعد کریگ سٹوارٹ ڈبلن یونیورسٹی کے ڈگری یافتہ اُن کے نائب مقرّر کئے گئے یہ دونوں پادری صاحبان ماہ ستمبر ۱۸۵۰ء میں جہاز پر سوار ہو کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے اور تخمیناً چار مہینے کا سفر طے کر کے ۱۴ جنوری کے روز کلکتّہ پہنچے ٭

(۲)

۱۳ ماہ فروری ۱۸۵۱ء کے روز فرنچ اور سٹوارٹ آگرہ پہنچے۔ یہاں فرنچ نے آٹھ برس تک کام کیا۔ اِس شہر میں چرچ آف انگلینڈ کے متعلّق مشن کا کام ۱۸۱۳ء میں اُس وقت شروع ہوا تھا۔ جب آرچ ڈیکن دانیال کوری عبدالمسیح کو یہاں لائے۔ عبدالمسیح پادری ہنری مارٹن صاحب کی کوشش سے مسیحی ہوئے تھے۔ اُنہوں نے ۱۸۱۲ء میں چالیس برس کی عمر میں مسیحی دین کو اختیار کیا تھا۔ وہ شاہ اودھ کے دربار میں جواہرات کے داروغہ تھے۔ مگر اُنہوں نے اس اعلیٰ مرتبے کو

چھوڑ کر کائی کسٹ کی قلیل تنخواہ پر قناعت کی۔ اس میں سے بھی وُہ آدھی خیرات کر دیا کرتے تھے۔ اور وُہ طبابت میں مہارت رکھتے تھے اور اپنے غریب ہموطنوں کا علاج مُفت کیا کرتے تھے۔ ۱۸۲۰ء میں لُوتھری کلیسیا کے دستوُر کے مطابق خادم دین کے عُہدے پر فائز ہُوئے تھے۔ ۱۸۲۵ء میں بشپ ہیبر نے اُن کو چرچ آف انگلینڈ کے دستُور کے مطابق خادم دین بنایا۔ ۱۸۲۷ء میں اُنہوں نے وفات پائی۔ اور چُونکہ کوری اُن کی وفات سے پہلے آگرہ سے چلے گئے تھے اس واسطے مشن کا کام کُچھ عرصے تک مُلتوی رہا۔

۱۸۳۷ء میں مشن کا کام پھر شروع کیا گیا۔ اس وقت سخت قحط سالی تھی۔ بہت سے یتیم بچے مشنریوں کے سپرد کیے گئے جن کے واسطے ایک یتیم خانہ سکندرہ میں قائم کیا گیا۔ فرینچ اور سٹوارٹ کے آنے سے پہلے بہت سے یتیموں نے شادیاں کر لی تھیں اور ایک اچھی خاصی بستی آباد ہو گئی تھی۔ ایک بڑا چھاپہ خانہ بھی قائم ہُوا تھا۔ جس میں کُل سرکاری کاغذات چھپا کرتے تھے۔ جو نفع اس سے ہوتا تھا وُہ مشن کے اخراجات کے لئے کافی تھا۔ جب یہ دونوں پادری صاحبان ۱۸۵۱ء میں اعلیٰ تعلیم شروع کرنے اور سینٹ جانز کالج قائم کرنے کے واسطے آئے تب مشن کا کام گویا تیسرے مرحلے پر پہنچا۔

آگرے کے یورپین اُس وقت مشن کے بڑے مددگار تھے۔ ان میں بعض نہایت دیندار تھے۔ مثلاً سر ولیم میور لیڈی میور جنہوں نے چند ہفتوں تک نووارد پادری صاحبوں کو اپنے گھر میں مہمان رکھا۔ پیرسن اور اُن کی اہلیہ جنہوں نے مشن کی امداد کے طور پر خوبصورت اشیاء

کی فروخت کے لئے ایک کمرہ اپنے مکان میں علیحدہ کر دیا۔ آگرہ کے کلکٹر شیکسپیئر جن کی تحریک سے ایک کانی رکسٹ یورپینوں کے نوکروں کو تعلیم دینے کے واسطے مقرر کیا گیا۔ اُنہوں نے آپس میں چندہ کر کے نئے کالج کے قائم کرنے کے لئے پندرہ ہزار روپے جمع کئے۔ مشنری صاحبان کا یہ منشاء تھا۔ کہ ایسا کالج قائم ہو جس میں علوم دُنیوی کی تعلیم گورنمنٹ کالج کے معیار کی ہو اور ساتھ ہی دینی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے۔

(۲)

مشنری صاحبان نے آتے ہی آگرہ میں کام شروع کر دیا۔ گو سینٹ جانز کالج کی نئی عمارت ۱۸۵۳ء کے آخر میں تیار ہوئی ۱۸۵۱ء کے شروع میں عید قیامت کے روز کالج میں طلباء کا شمار ایک سو پچاس تھا اور یہ شمار ۱۸۵۷ء کے فساد تک برابر بڑھتا گیا۔ جس وقت فساد شروع ہوا کالج میں تین سو طلباء تھے۔

فرنچ میں ایک بات نہایت قابلِ تعریف یہ تھی کہ وُہ کبھی اپنے وقت کو ضائع نہیں کرتے تھے۔ بعد کے زمانہ میں اُن کو غیر زبانوں میں مہارت رکھنے کے سبب "ہفت زبان پادری" کا لقب دیا گیا۔ نئی زبانوں کے سیکھنے میں اُن کو وُہی دقتیں پیش آئی تھیں جو عموماً اور پادریوں کو آتی ہیں۔ زبانوں کے سیکھنے کی قابلیت تو اُن میں ضرور تھی لیکن صرف سخت محنت کی وجہ سے اُن کو ایسی اعلیٰ لیاقت حاصل ہوئی۔ جس کے باعث وُہ بہت مشہور ہُوئے۔ چنانچہ خود اُن کا بیان ہے کہ "میں ہر روز صبح چار بجے اُٹھتا ہُوں اور دس گھنٹے کام کرتا

ہُوں۔ پر اُس کے بعد مَیں کسی کام کے لائق نہیں رہتا۔ مجھے اِس بات کی بہت خواہش ہے۔ کہ یہاں کی زبان سے پُوری واقفیّت حاصل کرُوں۔ لیکن چُونکہ اَب مُعجزے کے طَور پر زبانوں کی نعمت نہیں ملتی اِس لئے مَیں اُس کو دُوسرے لوگوں کی طرح صرف صبر سخت محنت اور مشقّت کے وسیلہ سے ہی حاصل کرسکتا ہُوں"۔ چنانچہ ان ایّام میں فرینچ نے پانچ مختلف زبانیں سیکھ لیں ؎

وُہ تحریر کرتے ہیں "اَب ایک نیا مُنشی مجھے ہر ہفتے میں تین چار گھنٹے تک اُردُو اور فارسی پڑھانے آتا ہے۔ اور ایک پنڈت بھی ہر روز دو گھنٹے ہندی پڑھاتا ہے۔ اس کے علاوہ مَیں ہر ہفتے میں تین روز سکُول میں چار گھنٹے کے واسطے جاتا ہُوں۔ اور طلباء بھی کبھی کبھی میرے مکان پر آجاتے ہیں۔ چنانچہ جو تین چار جوان طلباء مجھ سے تعلیم پاتے ہیں اُن میں سے ایک دو شام کے وقت اکثر آیا کرتے ہیں پھر مَیں وُہ کام کرتا ہُوں جس کو مَیں اِن دِنوں میں نہایت ضرُوری سمجھتا ہُوں۔ یعنی اُردو اور ہندی کو آپ پڑھتا ہُوں" ؎

فرینچ نے دیسی زبان سے جو واقفیّت اِس محنت سے حاصل کی آگرہ میں پہنچنے کے بعد ہی استعمال میں لے آئے۔ چنانچہ ۱۸۵۱ء کے مُبارک جُمعہ کے روز انہوں نے بیس لڑکوں کو خُداوند مسیح کی اذیّت پر اُن کی اپنی زبان میں تعلیم دی۔ یورپین لوگوں کی ہمدردی بدستور سابق جاری رہی۔ حق تو یہ ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ کوئی شخص فرینچ کی نفس کُشی دیکھنے اور ہمدردی کرنے سے باز رہے۔ چنانچہ اعلےٰ عہدیدار اور دُوسرے لوگ طالب علموں کے وظیفوں اور اخراجات کے لئے فیاضی سے روپیہ

دِیا کرتے تھے۔ سر ہنری لارنس جیسے ذی رُتبہ آدمی کالج کو دیکھنے آیا کرتے تھے اور جاتے وقت معقول رقم بطور عطیہ دے جاتے تھے۔

فرنچ اِس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے کہ طلبأ کو دُنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ انجیل جلیل کی تعلیم بھی ملے جس طرح وُہ بازاروں میں منادی کرتے تھے اُسی جوش کے ساتھ وُہ اُن کالج کے طلبأ کو خُداوند کا نجات بخش پیغام دیتے تھے۔ اُن کو رتی بھر شک نہ تھا کہ یہ پھل بھی خُدا کے مقرر کئے ہُوئے وقت پر ظاہر ہوگا۔ مثال کے طور پر یہاں ایک خط نقل کیا جاتا ہے۔ جو فرنچ کو آگرہ چھوڑنے کے پندرہ برس بعد مِلا:—

جناب معزز پادری صاحب مجھے اُمید ہے۔ کہ آپ ان چند سطور کی تکلیف دہی معاف فرمائینگے۔ میں آپ کا دیرینہ طالب علم ہُوں۔ جو آپ سے پاک کتاب پڑھا کرتا تھا۔ اور ۱۸۵۵ء میں بپتسمہ پانے والا تھا مگر اپنی ماں کی وجہ سے جو ابھی تک جیتی ہے رُک گیا تھا۔ جن دینی حقائق کی تعلیم آپ نے غدر سے پہلے پاک کتاب میں سے دی تھی، وُہ ایسی ذہن نشین اور دل پر منقش ہوگئی تھی کہ میں اپنی گنہگاری کو فراموش نہ کرسکا۔ حتّٰی کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ مسیح کی کلیسیا میں پُورے طور سے شامل ہو جاؤں۔ اور میں نے ماہ نومبر میں بپتسمہ پایا۔ میں آج کل علی گڑھ کے گورنمنٹ ہائی سکول میں سیکنڈ ماسٹر ہُوں۔ اور اپنے بیوی بچّوں کے ساتھ اب بھی اُسی طرح سے رہتا ہُوں جیسے بپتسمہ پانے سے پہلے رہا کرتا تھا۔

(راقم۔ آپ کا خادم شو بھا رام)

فرینچ کی بڑی آرزو یہ تھی۔ کہ کالج ہندوستانی کلیسیا کے خادمانِ دین کی تربیت کا مقام ہو۔ چنانچہ اُنہوں نے سات برس کام کرنے کے بعد لکھا کہ اگر یہاں سے ایک خادمِ دین بھی پیدا ہُوا۔ تو مَیں یہ سمجھُونگا کہ جو محنت مَیں نے کالج پر کی ہے اُس کا عوض مجھے مل گیا ہے۔ یہ خُوشی بھی اُس کو حاصل ہو گئی۔ کیونکہ اُس کے انگلستان کو چلے جانے کے بعد ایک طالب علم مادھو رام نے بپتسمہ پایا۔ بعد ازاں وُہ جبل پُور کی ایک جماعت کے پاسبان ہُوئے۔ اِس نَومرید نے بیان کیا کہ اُس کے عزیزوں نے اُس سے کہا "تم نے اور مذہبوں کی کتابیں نہیں دیکھی ہیں۔ جب اُن کو پڑھ لوگے تب ہم تُم کو بپتسمہ پانے دینگے۔ اگر تُم اپنے گھر میں رہو تو ہم تمہیں بیس روپے ماہوار دیتے رہا کرینگے۔ تُم صرف بائبل کو نہ پڑھو" مگر خُدا میرا مددگار تھا مَیں نہ ڈرا۔ مَیں نے صاف صاف کہا۔ کہ مَیں خُدا کے حضُور گنہگار ہُوں۔ مَیں اُس کے سامنے نہیں جا سکتا۔ مَیں بُت پرستوں میں نہیں رہُونگا۔ کیونکہ مجھے مسیح پر ایمان لانا چاہئے جس نے ہمارے لئے اپنی جان دی۔ مَیں ایک دم بھی اُس کے بغیر نہیں جی سکتا۔ اُنہوں نے یہ سُن کر تعجب کیا اور کہا ہمیں بتاؤ تو عیسائی مذہب کے سچے ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ مَیں نے دلیری سے جواب دیا کہ مسیح نے میرے دل کو بدل دیا ہے اور ایسا بنا دیا ہے کہ اُن تکلیفوں سے جو تُم دے رہے ہو مجھے بڑی خُوشی حاصل ہوتی ہے۔ اِس پر اُنہوں نے کہا کہ تمہارا علانیہ عیسائی ہونا کیا فائدہ دیگا۔ ہر شخص تُم سے نفرت کریگا۔ اور تُم پر ہنسیگا بلکہ کوئی شخص تُم سے بات بھی نہ کریگا۔ مَیں نے جواب دیا کہ اگر کوئی اپنے ایمان کو ظاہر

نہیں کرتا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دنیوی عیش و عشرت کی خواہش
اُس کو ناتواں بناتی ہے۔ اگر کوئی مجھے ستائیگا یا تنگ کریگا یا میرے ساتھ کسی
طرح کی بُرائی کریگا تو مَیں اُس کے واسطے دعا مانگونگا۔ اور اُس کو پیار کرونگا کیونکہ
خُداوند مسیح نے فرمایا ہے۔ کہ تم اپنے دشمنوں سے پیار کرو۔ تب اُنہوں نے کہا کہ تمہارے
ماں باپ تُم کو چھوڑ دینگے۔ مَیں نے جواب دیا اگر میرے ماں باپ مجھے چھوڑ دینگے۔ تو
تو خُداوند مجھے سنبھال لے گا۔ کسی نے کہا یہ پاگل ہو گیا ہے۔
کسی نے کہا شرابی ہے کسی نے کہا اس پر شیطان سوار ہے۔ اِس کے
بعد اُنہوں نے مجھے گھر سے نکلنے نہ دیا۔ مَیں نے گذشتہ مہینے کی
۱۰ تاریخ کو بپتسمہ پایا خُداوند کی حمد کیجئے۔ میرے لئے دعا مانگئے۔
کہ مَیں اپنے آپ کو خاک سمجھوں۔ دُعا سے غافل نہ ہُوں۔ اور یسُوع مسیح
کا سچّا اور وفادار سپاہی بنا رہُوں"۔ بازاری منادی کے وقت طلباء
فرنچ کی بڑی مدد کرتے تھے۔ چنانچہ وُہ لکھتا ہے کہ" اس بات کے دیکھنے
سے تعجّب ہوتا ہے۔ کہ جب مَیں شہر میں منادی کرتا ہُوں تو کالج کے
لڑکے ہمارے طرفدار بن جاتے ہیں اور ہماری مدد کرتے ہیں"۔
بازار کی بحث کا نتیجہ بعض وقت یہ ہوتا تھا۔ کہ کسی مکان میں
عام مباحثہ کی تجویز قرار پاتی تھی۔ فرنچ نے ایسے ایک مباحثہ میں
میزان الحق کے مصنّف ڈاکٹر فنڈر کی جو فنِ مناظرہ کے سبب مشہور
ہیں مدد کی۔ آگرہ کے مُسلم عُلماء دہلی کے بڑے مولویوں اور دیگر لوگوں
کے ساتھ کتابِ مقدّس اور کُتبِ مباحثہ کے مطالعہ میں مشغول رہتے
تھے۔ چنانچہ مولوی رحمت اللہ صاحب دہلوی نے فرنچ سے کہا۔
"ہم چاہتے ہیں کہ ایک مباحثہ کیا جاوے۔ یہ مباحثہ دو دن

متواتر ہوتا رہا اور شہر کے اکثر مسلمان عالم اُس میں شریک ہوئے تھے۔ اِس معرکتہ الآرا مباحثہ کا مفصل ذِکر ہم پادری فینڈر کے تذکرہ میں کر آئے ہیں۔ اِس مباحثہ میں یورپین ملاحدہ کی کُتب کے جواب فرینچ ہی دیا کرتے تھے ؛

دو شخص جو اِس مباحثہ میں مسلمان علماء کے مددگار تھے۔ کچھ عرصے کے بعد مسیحی ہو گئے۔ اُن میں سے ایک مولوی صفدر علی صاحب سرکاری عہدہ دار تھے۔ اور دُوسرے پادری عماد الدین صاحب تھے جنہوں نے پنجاب میں کُتبِ مناظرہ تحریر کیں۔ جب فرینچ لاہور کے پہلے بشپ مقرر ہوئے تو اُن کو اِس بات سے بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ مولوی صاحب کو اُن کی وساطت سے ڈی۔ ڈی کا درجہ حاصل ہُوا ؛

انجیل کی منادی صرف آگرہ کے بازاروں میں ہی نہیں کی جاتی تھی بلکہ کالج کی تعطیل کے دنوں میں منادی کرنے کے واسطے دورہ کو جانے کا انتظام بھی کیا جاتا تھا۔ چنانچہ پہلے ہی جاڑے کے موسم میں فرینچ نے تین ہفتے اُن دیہات میں بسر کئے جو دریائے چمبل کے متصل واقع ہیں۔ وُہ لکھتے ہیں "سکول سے سبکدوش ہونے کے سبب سے مجھے قدرے آرام مِلا ہے۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت مرغوب ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ مَیں ازسرِنو توانائی حاصل کر کے آگرہ واپس جاؤنگا۔"

جتنا ور کے گاؤں میں ایک مسلمان جمعدار فرینچ سے کہنے لگا۔ "آپ نے ہم سے ابھی فرمایا کہ ہمیں مسیح کے پاس جلد ہی آنا چاہئے لیکن ہم یہ کس طرح کر سکتے ہیں جب سوائے آپ کے کوئی شخص یہ باتیں ہمیں سکھانے کو کبھی نہیں آتا۔ ہم نے لاٹ صاحبوں اور کرنیل صاحبوں کو اس طرف

سے گذرتے ہُوئے دیکھا ہے لیکن وُہ ہم سے ایسی باتیں نہیں کہتے“۔

مباحثہ کے تھوڑے عرصے کے بعد فرنچ نے دہلی کے بادشاہ کی ایک بھتیجی کے ساتھ جو مسیحی دین کی طرف مائل ہو گئی تھی خط و کتابت شروع کی۔ کچھ دِنوں کے بعد اُس سے ملاقات بھی حاصل ہو گئی۔ اور چونکہ اُس نے معقُول جواب دیئے اِس لئے فرنچ نے اُسے بپتسمہ دے دیا۔

ایک گاؤں کے شخص کی نسبت فرنچ لکھتا ہے کہ ”ایک ضعیف آدمی جس کا ظاہری ڈھنگ خوشنما اور مؤدبانہ تھا فارسی زبان میں ایک نُسخہ مقدّس لُوقا کی انجیل اور اعمال کا اور ایک رسالہ جس میں نجات دہندہ کا احوال مندرج تھا لایا اور کہنے لگا کہ میرے پاس مسیحی دین کی اَور بھی کتابیں موجود ہیں اور میرا ایمان انہی پر ہے۔ کیونکہ میرے دِل کو صرف اِن سے تسکین حاصل ہُوئی ہے اُس نے کہا کہ مَیں اکثر اپنے گاؤں کے آدمیوں کے ساتھ باتیں کرتا ہُوں۔ اور اُنہیں سمجھاتا ہُوں کہ پربھو یسُوع مسیح کے قاعدہ کے موافق خُدا کی پرستش کرنی چاہیئے۔ آدھے گاؤں کے آدمی تو اب بُت پرستی سے بالکل پرہیز کرتے ہیں اور صرف واحد خُدا کی پرستش کرتے ہیں۔ گو کسی خاص طریق سے نہیں کرتے لیکن آدھے ابھی تک بُت پرستی پر قائم ہیں۔ اُس نے کہا کہ جو کام مسیح نے آدمیوں کے لئے کیا اور کسی نے کبھی نہیں کیا۔ اِس بات کا مجھے پُورا یقین ہے“۔ فرنچ نے اُس کے سامنے مقدّس یُوحنّا کی انجیل کے کچھ حِصّے پڑھے۔ وُہ پندرھواں باب سُننے سے اور بالخصوص انگور کے درخت کی تمثیل سے نہایت خُوش ہُوا۔ فرنچ نے اُس گاؤں میں صبح اور شام دونوں وقت بہت آدمیوں کے سامنے منادی کی جس کو

اُنہوں نے نہایت غور سے سُنا ٭

لیکن اِس سے بھی زیادہ دلچسپ احوال ایک درزی کا ہے۔ جس نے جلیسر کے متصل ایک مقام سے فرنچ کو کہا کہ "مجھے معلوم ہے۔ کہ آپ کون ہیں"۔ "آپ خُداوند کے خادم ہیں"۔ فرنچ نے اُس سے پوچھا کہ تم کس کو خُداوند کہتے ہو۔ اُس نے جواب دیا خداوند مسیح کو۔ اِس آدمی نے بیان کیا کہ تھوڑا عرصہ گذرا ایک واعظ اِس گاؤں میں آیا تھا اور اُس نے خُداوند مسیح کا حال لوگوں کو بتایا تھا۔ جب اُس کا کلام ختم ہُوا تو اُس نے ایک آدمی کو ایک رسالہ دیا۔ لیکن اُس شخص نے اُسے پھاڑ کر پھینک دیا۔ مَیں نے اُن ٹکڑوں کو اُٹھا لیا۔ اور جوڑ کر اُن کو پڑھا۔ اِس کے بعد مَیں نے اپنے دوستوں سے اُس کی نسبت بات چیت کی اور وُہ مجھ کو اپنا اُستاد سمجھنے لگے۔ اِس شخص نے فرنچ سے کہا کہ آپ میرے مکان پر تشریف لائیے۔ فرنچ نے درزی کے گھر کا صحن ایسے آدمیوں سے بھرا ہُوا پایا جو مذہبی امور دریافت کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اور جب کبھی فرنچ کا گذر اُدھر سے ہوتا تھا وُہ اُس سے ضرور مِلا کرتے تھے۔ انجام کار ایک دن فرنچ نے بڑی خُوشی کے ساتھ اُسے راہ کے کنارے بپتسمہ دیا ٭

آگرے کا آخری سال نہایت ہمّت بڑھانے والا سال تھا۔ چنانچہ فرنچ لکھتا ہے کہ "یہ سال پھلدار سال گذرا ہے۔ مَیں نے خود سات بالغوں کو بپتسمہ دیا ہے اور پادری شنائیڈر نے بھی چند آدمیوں کو بپتسمہ دیا ہے۔ ان سات نو مسیحیوں میں سے دو منشی ہیں جو صاحب لیاقت اور استعداد ہیں۔ کالج کی فارسی اور عربی جماعتیں اُن کے سپُرد

کی گئی ہیں۔ شائد خدا کی مرضی یہ ہو۔ کہ وُہ کبھی اُن کو اپنی کلیسیا میں مبشّر یا پاسبان بنائے۔ جو درس مَیں نے ہفتہ میں دو مرتبہ اُردُو زبان میں علم الٰہی اور مضامین کتابِ مقدس پر دیئے ہیں۔ اُن پر اُنہوں نے بہت توجّہ دی ہے۔ اور جو تعلیم مَیں اب میرٹھ کے نو مسیحی منشی پال کو (جو خادمِ دین بننے والے ہیں)۔ ہر روز دیتا ہُوں۔ اُس میں بھی یہ دونوں شریک ہوتے ہیں۔ ایک اَور منشی کو جو اُن کی نسبت استعداد اور لیاقت کم رکھتا ہے کالج کی ایک جماعت تھوڑے عرصے میں سپرد کر دی جائیگی۔ ان سبھوں نے مسیح کے واسطے سب کچھ چھوڑ دیا ہے۔ اور اُس کے نام کی خاطر بہت سخت مصیبتیں اور ملامتیں اُٹھائی ہیں ؀

۱۸۵۷ء کے شروع ہونے پر کسی کو اُن مصیبتوں کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ جو پیش آنے والی تھیں۔ فرنچ نے ایک خط ۳ مئی کو تحریر کیا جس میں مشن کے کام اور نئی تجویزوں کا تو بہت ذکر ہے۔ مگر جو فساد برپا ہونے والا تھا اُس کی طرف مطلق اشارہ نہیں ہے۔ اس خط کے لکھے جانے کے ایک ہفتہ بعد میرٹھ میں فساد شروع ہو گیا اور گیارہ مئی کو آگرے میں اُس کی خبر پہنچی ؀

یہ نہایت دلچسپ اور نصیحت آمیز بات ہے۔ کہ یہ مردِ خدا جب تک ہو سکا ایمان اور اطمینان کے ساتھ کام میں مشغول رہا۔ ۱۷ جُون کے روز وُہ لکھتا ہے کہ "ہم نے حال میں سوائے فساد اور کشت و خُون کی خبروں کے اَور کوئی بات بہت کم سُنی ہے۔ ہمیں نہ تو دن کو اور نہ رات کو اپنے گھر سے کہیں جانے کی ضرورت پڑی ہے۔ اِس جگہ کئی مقامات کی مورچہ بندی کی گئی ہے۔ اور یورشین اور دیگر والنٹیر سپاہی

ان کی حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے ہیں، اور چند لوگ وہیں جا کر رات کو سوتے ہیں۔ مَیں صبح کو سکول کے بعد کاتی کِسٹوں کی جماعت پڑھانے کے علاوہ ایک کتاب لکھتا ہوں۔ اُس کی تیاری میں اور غیر زبانوں کے حاصل کرنے میں بھی خاصی ترقی کر رہا ہوں۔ ہمارا منادی کا کام بالکل بند ہو گیا ہے۔ دین کے متلاشی بھی کم ہیں۔ اِس سے آپ کو معلوم ہو گا کہ اَب بھی ہم کو بہت کچھ امن و آرام حاصل ہے اور درحقیقت برابر حاصل رہا ہے۔ ان کلمات سے کہ "تو اپنے ڈیرے کے پردے میں مجھے پوشیدہ رکھیگا"۔ مجھے نہایت ہی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے۔ وُہ خُدا کے ہاتھ میں ہے"۔ ماہ جولائی کے شروع میں وُہ انگریزی قلعے میں چلے گئے اور شاہ گنج کی لڑائی (۵ جولائی) کے بعد اُن کو قلعہ کے اندر بند رہنا پڑا۔ ایک انگریز جج معہ اپنی اہلیہ کے اور میجر ریکس معہ اپنی اہلیہ اور ایک بچے کے اور فرینچ معہ اپنی بیوی اور دو بچوں کے صرف تین کمروں میں رہا کرتے تھے۔ جن میں سے ایک میں مرد رات کے وقت سویا کرتے تھے۔ اور دن کو اُسی کمرے میں مل کر سب کھانا کھاتے تھے۔ باقی دو کمرے عورتوں اور بچوں کو دیئے گئے۔ دُوسرے یورپین تو اپنا بیش قیمت مال اور زیورات اپنے ساتھ قلعہ میں لے گئے لیکن فرینچ اپنے ساتھ صرف چند کتابیں لے گئے جن سے ترجمہ کرنے میں مدد مِل سکے:۔

فرینچ نے اُس سلوک کی وجہ سے جو اُنہوں نے ایامِ فساد میں عیسائیوں سے کیا ہر دلعزیز ہو گئے۔ سکندرہ کی بستی کے عیسائی اپنا سب مال و اسباب کھو چکے تھے۔ ۴ و ۵ ماہ جولائی وُہ سکندرہ کو

چھوڑ کر ایک ایسی جگہ آ گئے تھے جو قلعہ کی توپوں کے نیچے تھی۔ کچھ عرصہ تک وُہ مِنّت کرتے رہے۔ کہ ہمیں قلعہ کے اندر آنے دو۔ کیونکہ اُن کو یقین تھا کہ اگر باہر رہینگے تو ضرور مارے جائینگے۔ مگر کسی نے اُن کی نہ سُنی۔ اس حال میں فرینچ نے لفٹننٹ گورنر کالون کی طرف رُجوع کیا اور عیسائیوں کو قلعے میں لانے کی زبانی اجازت حاصل کی۔ لیکن جب وُہ اُن کو قلعے میں لانے لگے تو قلعدار نے روکا اور اندر آنے نہ دیا۔ فرینچ نے بہت کچھ کہا سُنا اور جب دیکھا کہ حُجّت سے کچھ فائدہ نظر نہیں آتا تو اُنہوں نے عیسائیوں کے ساتھ قلعے کے باہر رہنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تب قلعدار کے ایڈی کونگ نے فرینچ کو الگ لے جا کر سمجھایا کہ بریگیڈئیر سے عیسائیوں کو قلعہ کے اندر لانے کے واسطے تحریری حُکم حاصل کریں۔ اس کے بعد کوئی دِقت پیش نہ آئی۔ اور یہ واقعہ تمام ہُوا۔ لیکن چُونکہ فرینچ نے اِس بڑے خطرے کے وقت عیسائیوں کے ساتھ نہایت ہمدردی ظاہر کی حتّٰی کہ اُن کے شریکِ حال ہونے کو بھی تیّار ہو گئے۔ اس واسطے اُنہوں نے ہندوستان کے مسیحیوں کے دِلوں میں جگہ پائی۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ مشن کالج کے طالب علموں کا طَور وطریق فساد کے نازک وقت میں بھی قابلِ تعریف تھا۔ فرینچ نے ۲۷ اگست کو لکھا "میرا دِل پہلی جماعت کے طلبا سے بہت خُوش ہوتا ہے کیونکہ وُہ باوجود عام لوگوں کے شور مچانے کے دِلی توجّہ اور رضامندی کے ساتھ روزمرّہ دینی تعلیم پاتے ہیں"۔ اس قسم کی شہادت رائٹ صاحب بھی دیتے ہیں۔ وُہ کہتے ہیں کہ "اُوپر کی جماعتوں کے اکثر طالب علموں نے زمانۂ فساد میں ہمارے ساتھ محبّت ظاہر کی۔

اُن میں سے بعض باوجود خطرہ کے قلعہ میں ہم سے ملنے کو آئے اور بعض نے کالج کی اور ہمارے ذاتی کُتب خانوں کی کتابیں جو سڑک کے کنارے پڑی تھیں تلاش کر کے جمع کیں۔ سکول کے ایک مدرّس وُڈ صاحب کی جماعت کے ایک لڑکے نے اُن کی بیماری کے وقت جب کوئی نوکر نہیں مل سکتا تھا۔ قلعے کے اندر اور باہر رات دن اُن کی خدمتگذاری کی۔ ایک لڑکا جس کو میں پڑھاتا ہوں ایک خاتون اور اس کے بچّوں کی جان بچانے کا وسیلہ ہُوا۔ اُس کے باپ نے اُن کے واسطے ہندوستانی کپڑے بنوائے اور اُن کو اپنے گھر میں اُس وقت تک چھُپا رکھا جب تک کہ وُہ صحیح سلامت قلعہ کے اندر نہ پہنچ سکے"۔

فرینچ اپنے خطوں میں اس بات کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ جس قدر سرکاری عمارات اور دیگر مکانات کو نقصان پہنچایا گیا اس قدر مشن کے مکانات کو نہیں پُہنچایا گیا۔ قلعہ کے اندر رہنے کے پچھلے دنوں میں فرینچ کی بیوی کی صحت میں خلل آگیا تھا۔ اس واسطے ۱۸۵۸ء کے شروع میں اُن کے خاوند نے اُن کو معہ بچّوں کے جانے کے واسطے کلکتہ تک پہنچایا اور ایک برس کے بعد وُہ خود بھی ماہ فروری ۱۸۵۹ء میں انگلستان چلے گئے۔

فرینچ انگلستان پہنچنے کے بعد خُوش نہ تھے۔ اور اُن کو وہاں آرام بھی نہیں مِلا۔ وُہ ۷ ماہ فروری ۱۸۶۲ء کو اپنی بیوی سے رُخصت ہو کر ہندوستان کو ایک دفعہ پھر آنے کے واسطے لندن سے روانہ ہوئے۔

(۳)

ہندوستان کو واپس آنے کے بعد جو کام فرینچ نے اختیار کیا وُہ

آگرہ کے کام سے بالکل مختلف تھا۔ کرنیل زنیل ٹیلر نے بڑی فیاضی کے ساتھ کہا کہ مَیں دس ہزار روپے یکمشت دُونگا اور جب تک ہندوستان میں رہُونگا سَو روپیہ ماہوار چندہ کے طور پر دیتا رہُونگا۔ یہ وعدہ کرکے اُس نے چرچ مشنری سوسائٹی کو ڈیرہ جات میں کام شروع کرنے کے لئے آمادہ کیا تھا۔ سر رابرٹ منٹگمری (Sir Robert Montgomery) نے بھی ایک ہزار روپے سالانہ دینے کا وعدہ کیا۔ پس فرینچ کو چرچ مشنری سوسائٹی کی طرف سے یہ خدمت سپرد ہُوئی کہ اس سرحدی ضلع میں مشن کا کام شروع کرے ۔؞

وُہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں عید القیامت کے دُوسرے دن پہنچے اور اِس گرم مقام میں ماہ اگست تک رہے بعد ازاں شیخ بودین کے پہاڑ کو جو کوہ سلیمان پر سمندر سے چار ہزار فٹ اُونچا واقعہ ہے گرمی سے بچنے کے لئے چلے گئے۔ یہاں اُن کا وقت نئی زبانوں (بالخصوص پشتو زبان) کو حاصل کرنے اور انجیل کی منادی میں صرف ہوتا تھا ؞

فرینچ ماہ ستمبر میں ایک لمبا دورہ کرنے کے واسطے میدان مروات میں اُتر آئے۔ اُن کی یہ خواہش تھی کہ جہاں تک ہوسکے یورپین لوگوں سے نہ ملیں اور افغانوں میں افغان بن کر رہیں ؞

اُس وقت کا حال وُہ اِس طرح بیان کرتے ہیں "خان یعنی گاؤں کے سردار اکثر ہم سے پہلے ملنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ اور ہمارے آنے کا مقصد دریافت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وُہ پہلے یہ سوال کیا کرتے تھے۔ کیا آپ کی ملاقات جرنیل نکلسن (Nicholson) سے تھی۔

اُن کا دُوسرا سوال اکثر یہ ہوتا تھا کہ کیا انگریز بھی نماز پڑھتے ہیں یعنی کچھ دین رکھتے ہیں یا نہیں۔ خوانین کے علاوہ دُوسرے لوگ میرے خیمہ میں آنے کی بہت کم جرأت کرتے تھے۔ لیکن جانگ میں (یعنی مٹی اور پھُونس کے اُس جھونپڑے میں جو ہر ایک گاؤں میں مسافروں کے ٹھہرنے اور صلاح و مشورہ کے واسطے لوگوں کے جمع ہونے کے لئے بنایا جاتا تھا)۔ اکثر آدمی مِل جاتے تھے۔ اِس موقعہ پر مُلّا آتے تھے اور اسلام کی حمایت میں ایسے دلائل پیش کرتے تھے۔ کہ بڑے شہروں سے اِس قدر دُور افتادہ مقامات میں اِس قسم کے لوگوں کو ملنے سے تعجّب ہوتا تھا"۔

فرنچ نے اِس ضلع میں تھوڑا عرصہ کام کیا۔ ماہ دسمبر میں اتفاقاً ڈاکٹر فیروڈر نے اُن کو ایک ریتیلے گاؤں میں جہاں وُہ منادی کرنے گئے تھے لُو لگنے کے سبب سے بیہوش پڑا پایا۔ اس کا انجام یہ ہُوا کہ ڈاکٹروں نے اُن کو انگلستان جانے کی ہدایت کی اور یہ بھی کہا کہ اِس بات کی اُمید نہ رکھیں کہ آپ آیندہ انجیل کی منادی کے واسطے کسی گرم مُلک میں بھیجے جاسکیں گے۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد آرچ ڈیکن پریٹ صاحب (Archdeacon Pratt) ڈیرہ اسمٰعیل خاں کو ملاحظہ کے واسطے گئے۔ اور اُنھوں نے کیفیت کی کتاب میں یہ ہدائت پادری بروس صاحب کے لئے تحریر کی کہ پادری فرنچ کے حال سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ جب فرنچ بحیثیت بشپ ہونے کے اس مقام پر دورہ پر آئے اور اُن کو یہ تحریر دکھائی گئی تو وُہ اِس کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ہندوستان میں انجیل کی خاطر ایک موت مرنا اس سے بدرجہا بہتر

ہے کہ انگلستان میں چھ زندگیاں بسر کرے ؎

(۴)

ماہ فروری میں وُہ پھر انگلستان پہنچ گئے۔ لیکن ماہ اپریل ۱۸۶۵ء ہی میں اُن کے دِل میں پھر ہندوستان میں کام کرنے کا جوش پَیدا ہونے لگا جس کو وُہ خُدا کی طرف سے سمجھے۔ ماہِ اگست ۱۸۶۶ء میں اُن کے خیالات نے ایک خاص صُورت پکڑلی اُنہوں نے ایک مضمون میں تحریر کیا کہ ہندوستان کے شمال مغربی اضلاع اور پنجاب کے واسطے مبشروں گلہ بانوں اور اُستادوں کی تربیّت کے لئے ایک کالج قائم ہونا چاہیئے یہ مضمون سٹر خادمانِ دین کے ایک جلسہ میں پڑھا گیا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ آخرکار لاہور میں سینٹ جانز ڈیونٹی کالج St. John's Divinity College (یعنی مدرسۂ علم اِلٰہی کی بُنیاد پڑی۔ ۱۸۶۸ء کے شروع میں چرچ مشنری سوسائٹی نے فرنچ کی تجویز منظور کرکے اُن سے یہ درخواست کی کہ آپ ہی اِس کالج کو قائم کریں۔ پادری نوٹ Knott (کو اُن کا مددگار مقرر کیا گیا ؎

فرنچ اور نوٹ بمبئی میں ۱۸۶۹ء کے شروع میں آئے۔ اور ایک ہفتہ کے بعد جہاز پر سوار ہوکر کراچی کو روانہ ہوگئے۔ اس بندرگاہ سے فرنچ بذریعہ ریل کوٹڑی کو گئے اور وہاں سے پھر جہاز پر دریائے سندھ اور چناب کی راہ طے کرکے سترہ دن کے بعد ملتان پہنچے۔ ۱۴ ماہ مارچ ۱۸۶۹ء کے روز آخرکار دونوں لاہور پہنچے ؎

وُہ لاہور میں ماہ جُون تک رہے۔ کالج کا کام یکایک شروع نہیں ہوسکتا تھا۔ پس اُنہوں نے اپنا وقت متلاشیانِ دین کے ساتھ بات

بچیت کرنے اور شہر کے دروازوں پر اور باغات اور قرب و جوار کے دیہات میں انجیل کی منادی کرنے میں صرف کیا۔ ماہِ جون میں فرنچ مشنری کوہ مری گئے تاکہ سخت گرمی کے دن وہاں بسر کریں۔ فرنچ کی طبیعت علیل ہو گئی تھی۔ تاہم وُہ کام کرنے سے باز نہ رہے۔ وُہ اکثر ان دیہات میں جو پہاڑوں میں واقع تھے جایا کرتے تھے۔ اور تمام رات وہیں رہا کرتے تھے۔ چنانچہ وُہ لکھتا ہے :۔

۲۳ و ۲۴ اگست کو بوقت شام دیہات میں گیا۔ تین گھنٹے بمشکل پیدل چلا اور ایک توشے یا توکھے میں سویا۔ چپاتی اور دُودھ کھانے کو ملا۔ دو چھوٹے بچے ایڈتھ اور ولفریڈ (Edith & Wilfrid) صنوبر کی لکڑی کے فلیتے لئے کھڑے رہے۔ ان فلیتوں کی روشنی میں مَیں کلام الٰہی پڑھتا اور بیان کرتا تھا۔ صبح کے پانچ بجے اُٹھ کر چلا اور کئی دفعہ رستہ بھول گیا۔ بہ دُشواری پہاڑ پر چڑھتا ہُوا اُس گاؤں میں پہنچا جو میرے مکان کے تلے واقع تھا اُس سے اُوپر چڑھتے ہُوئے مجھے بہت گرمی اور تھکن محسوس ہُوئی مَیں قریب گیارہ بجے کے لارنس اسائلیم Lawrence Asylum پہنچا اور یہاں سُنا کہ میری تلاش میں بہت شور و غُل مچا تھا۔ ۳۱ اگست کی رات اِس گاؤں میں جو تو چاپا پہاڑی کے نیچے واقع ہے گذاری۔ گاؤں کے لوگوں نے بہت ناخوشی ظاہر کی لیکن جب مَیں نے اپنا تھیلا اور چھاتا اُٹھایا اور کہا کہ مَیں جنگل میں جا رہُونگا۔ تو وُہ نرم ہو گئے اُن کا سب سے بڑا زمیندار آیا اور ایک گھنٹہ بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ یہ ایک نہایت متعصّب مسلمان تھا۔ مَیں نے دو کھ یعنی گائے خانہ میں یا یُوں کہو ایسے مکان میں رات کاٹی جس میں

گائے بھینس۔ کسان اور اُس کا سارا گھرانہ سب اکٹھے رہتے تھے۔
جب مشنری کوہ مری پر ٹھہرے ہوئے تھے تو فرنچ نے ایک گشتی خط شمالی ہند کے سب مشنوں کے نام بھیجا جس میں مدرسہ علم الٰہی کے پلان کا بیان تھا۔ اور یہ ارادہ ظاہر کیا کہ یکم جنوری کو مدرسے کا کام شروع کرینگے لیکن چونکہ ایسی مشکلات پیش آئیں جن کا پہلے خیال نہ تھا۔ اور اُن کے خط کے جواب بھی قدرے ناموافق تھے اس لئے مدرسے کے کھولنے میں تقریباً ایک سال کا اور توقف ہو گیا۔

۱۸۶۹ء کا پچھلا حصّہ یوسف زئیوں کے مُلک میں دورہ کرنے میں صرف ہُوا۔ پادری رڈلی اس سفر میں فرنچ کے ہمراہ تھے انہوں نے چند دلچسپ واقعات بیان کئے ہیں وہ کہتے ہیں "ایک موقعہ پر ایک معزز مسلمان نے دیر تک گفتگو کر کے یہ کہا "کہ میں خیال کرتا ہوں کہ بعض آدمی خدا کے پیارے ہوتے ہیں۔ اور پھر فرنچ صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میرے خیال میں یہ اُن میں سے ایک ہیں"۔ ایک اور گاؤں کی نسبت رڈلی لکھتا ہے "یہاں کا کام میرے حصے میں آیا چونکہ ضلع کے ایک معزز رئیس نے خاطرداری کی اور اُسے دین کی باتوں کو دریافت کرنے کا شوق بھی تھا۔ اس واسطے مجھے ٹھہرنا پڑا۔ اس اثنا میں اُس کے بہت دوست جمع ہو گئے۔ اُن میں چند جوان مُلّا بھی شامل تھے۔ اُن لوگوں نے کہا کہ وہاں کے بوڑھے مُلّا کو بھی بُلا کر بحث میں شریک کرنا چاہئے۔ مجھے اس بات کے سُننے سے تردد ہُوا کیونکہ میں اس عالم کی شہرت سُن چکا تھا۔ لیکن میں نے خداوند کو ڈھونڈا اور اُس نے میری سُنی"۔ جب یہ بزرگ عالم تشریف لائے تو سب

حاضرین تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ وُہ اِس غرض سے آئے تھے۔ کہ مجھے شکست دیں اور اُنہیں کامل یقین تھا۔ کہ وُہ کامیاب ہونگے۔ مولوی صاحب نے الفاظ کی بوچھاڑ شروع کر دی اور عربی آیات اور فارسی کتابوں کے بہت سے مقامات زبانی پڑھے تا کہ مجھے مرعوب کر دیں۔ مَیں حتّی الامکان دلیری اور دلجمعی کے ساتھ اُن کی تقریر سُنتا رہا۔ لیکن مجھے معلوم ہوتا تھا کہ وُہ اپنی باتوں سے اپنے دوستوں کی تعریف حاصل کرینگے اور مجھے شکست کھانی پڑیگی۔ لیکن دفعتاً میرا دِل بلبوں اُچھل پڑا جب مَیں نے فرنچ کی آواز سُنی۔ جب وُہ پہنچے مَیں نے تعظیماً کھڑے ہو کر کہا اَب میرے اُستاد آ گئے ہیں۔ اُن کے سامنے مجھے خاموش رہنا لازم ہے۔ فرنچ کو مَیں نے مختصراً بتایا کہ مَیں اِس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ نجات یسُوع مسیح ہی کے وسیلے حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کی نبیوں نے پیشین گوئیاں کیں۔ اور صاحبِ الہام رسُولوں نے جس کی نجات کی بشارت دی۔ فرنچ نے اس مضمون پر گفتگو شروع کی اور جیب میں سے گھڑی نکال کر یہ تجویز پیش کی کہ وُہ اور مُلّا صاحب باری باری پانچ پانچ منٹ کلام کریں۔ حاضرین نے اِس تجویز کے ساتھ اپنی رضامندی باآوازِ بلند ظاہر کی مگر مُلّا صاحب اِس سے خُوش نہ ہُوئے بحث آگے بڑھی اور سیّد صاحب نے وُہی وطیرہ فرنچ کے ساتھ اختیار کرنا چاہا۔ لیکن اُن کو اُنہوں نے اپنے مقابلے کا آدمی پایا۔ فرنچ نے بار بار کتابِ مقدّس کی آیات اصل عبرانی اور یُونانی زبان میں بغیر ترجمہ کئے پیش کیں۔ اور کہا کہ سیّد صاحب جیسے عالم شخص کو ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ جب ہمارے میزبان نے دیکھا کہ میدان ہاتھ سے جاتا ہے تو

نہایت عقلمندی سے اُس نے مُلّا کی مدد کی اور اُٹھ کر ہم سے کہا ۔ ’’صاحبان ۔ اِس محنت سے آپ ضرور تھک گئے ہوں گے ۔ بہتر ہے کہ آپ اُٹھ کر تھوڑا کھانا تناول فرمائیں ۔ اگرچہ وُہ آپ جیسے علمائے کے لائق نہیں‘‘ ؂

فرنچ ۱۸۷۰ء کے شروع میں مُلتان گئے ۔ اگرچہ یہاں ہمیشہ مسیحی کام کی سخت مخالفت ہوتی رہی تاہم ان کو کبھی کبھی ایسے آدمی بھی مِلتے تھے جن سے اُن کا حوصلہ بندھ جاتا تھا ۔ اُنہوں نے ماہ مارچ میں تحریر کیا ’’مُلتان کے مُلّا اور سیّد اور مخدوم سب کے سب ازحد کوشش کرتے ہیں کہ خُدا کی روشنی کو یہاں آنے نہ دیں تاہم اِس میں شُبہ نہیں ہوسکتا ۔ کہ بعض آدمیوں کے دِل نُور سے خائف ہو کر اُس کا اقرار کرتے ہیں ۔ اور اُس کی طرف مائل بھی ہیں ۔ مَیں ایک مُلّا کو جو حق کا بڑا مخالف تھا فراموش نہیں کرسکتا ۔ اُس نے کئی مُلاقاتوں کے بعد ایک مُلاقات کے آخر میں کہا کہ میرے واسطے دُعا مانگیں تاکہ مجھے راہِ حق مِل جائے ۔ آپ دِل وجان سے میرے واسطے دُعا مانگیں ۔ کیا آپ دُعا مانگنے کا وعدہ کرتے ہیں ؟ یہ مُلّا دو مشہور شخصوں یعنی مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خان کا جنہوں نے اسلام کے طرفدار ہو کر ڈاکٹر فینڈر صاحب سے مباحثہ کیا تھا دوست تھا‘‘ ؂

ماہ جولائی میں فرنچ پھر پہاڑ پر آب وہوا کی تبدیلی کے واسطے گئے ۔ جب وُہ کسولی پر تھے اُنہوں نے یہ غمناک خبر سُنی کہ اُن کا ہمخدمت نوبل انتقال کرگیا ہے ؂

اب فرنچ کالج کی عمارات کے لئے روپیہ جمع کرنے اور کُل کام

کا انتظام کرنے کے واسطے اکیلے رہ گئے۔ وُہ ایک قطعہ زمین کا دیکھ چُکے تھے۔ جو اُن کے مطالب کے موافق تھا۔ اور جب تک وُہ نہ مِلا۔ اُس کے حاصل کرنے کے واسطے برابر کوشش کرتے رہے۔ آخرکار بہت مشکلات کے بعد اُنھوں نے ۵ نومبر ۱۸۷۰ء کے روز اپنے روزنامچہ میں لکھا:-

"مہاں سنگھ کا باغ جس میں مدرسہ علم الٰہی تعمیر ہوگا۔ آج خرید لیا گیا ہے۔ خُدا اپنے فضل سے اُس کو اپنا لے اور اُس کی آنکھیں اور اُس کا دِل ہمیشہ اُس پر لگے رہیں۔ اس قلیل کوشش کا ثمرہ یہ ہو۔ کہ اُس کا جلال ظاہر ہو اور اُس کی صداقت اور اُس کی بادشاہت ترقی پائیں۔ خُدا اُس پر برکت دے اور یہ بخشے کہ جو نیا کام اب شروع کیا گیا ہے۔ اُس کے لئے خُدا کی خدمت کے واسطے لائق آدمی ہمیشہ ملتے رہیں"۔

(۵)

۲۱ ماہ نومبر ۱۸۷۰ء کے روز چار طالب علم امتحان کے بعد مدرسے میں داخل کئے گئے۔ دُوسرے دِن فرنچ نے اپنے روزنامچہ میں لکھا:-
"ڈِوِنٹی سکول آج شروع ہُوا ہے۔ اور میں نے درسوں کے چھ رسالے مقرر کئے ہیں۔ جبکہ خُداوند ہی گھر نہ بنائے تو اُن کی محنت جو اُس کو بناتے ہیں بے فائدہ ہے"۔ فرنچ اِس کام کے لئے تنہا نہ رہے کیونکہ پادری رابرٹ کلارک نے انگلستان سے تار بھیجا کہ مَیں آپ کی مدد کے لئے آتا ہُوں۔ بڑے دن کے بعد وُہ خود جلد آ پہنچے۔ کلارک نے ضروری مکانوں کی تعمیر کا اہتمام اپنے ذمہ لے لیا اور تھوڑے ہی عرصے میں وُہ ایک رہائش گاہ نظر آنے لگا۔ اس میں تین مربع شکل کے صحن تھے۔ پہلے صحن میں

پرنسپل کا مکان اور کتب خانہ اور چیپل۔ دوسرے میں تیرنے کا حوض اور کنوارے طلباء کے واسطے کمرے تھے۔ اور تیسرے میں بیاہے ہوؤں کے واسطے گھر تھے۔ لیکن عمارت کی شکل جیسی اب ہے۔ ویسی کئی سال تک نہ تھی۔ مدرسہ کی افتتاح کے بعد علاوہ اُن درسوں کے جو مقرّرہ وقتوں پر طالب علموں کو دیئے جاتے تھے دیگر کام بھی ہوتے تھے چنانچہ متلاشیانِ دین آتے تھے۔ اور بعض اوقات بپتسمہ پاکر مسیح کا اقرار کرتے تھے۔

۱۳ مارچ ۱۸۷۱ء میں فرنچ نے برہم سماج کے ایک معزّز ممبر کی نسبت جو پہلے مسیحی دین کا سخت دشمن تھا لکھا "اُس کا دل حال میں قدرے مسیح کی طرف مائل ہوا ہے۔ تین راتیں گذریں اُس نے ایک خواب دیکھا۔ جس میں اپنے آپ کو بڑی مصیبت میں مبتلا پایا۔ اُس کو ایک بڈھا آدمی نظر آیا جس نے اُس سے دو مرتبہ کہا۔ کہ رسولوں کے اعمال کا نواں (۹) باب پڑھ۔ پس اُس نے پلنگ سے اُٹھ کر اُس باب کو پڑھا اور اُس پر غور کرتا رہا لیکن وہ آیت جس نے اُس کے دل پر تاثیر کی یہ تھی اَے خُداوند تو کیا چاہتا ہے۔ کہ مَیں کروں"۔ جو اثر اُس کے دل پر ہُوا وہ اُس کو مٹا نہ سکا اور جمعہ کے دن مجھ سے ملنے آیا۔ لیکن مَیں امرت سر وعظ سُنانے کے واسطے چلا گیا تھا۔ آج وہ پھر آیا اور اُس نے مجھ سے التجا کی کہ مجھے بپتسمہ دیجئے۔ اُس کو تاریخ ۱۴ مارچ بپتسمہ دیا گیا"۔

ایک اور شخص کی کیفیت بھی دلچسپ ہے۔ ایک کشمیری پنڈت اپنے مُلک کے کسی مندر کا پُجاری تھا۔ اتفاقاً اُس کے ہاتھ سے بُت گر گیا۔ اُس نے اُس کے آگے جھک کر منّت کی اور اُس سے معافی

طلب کی۔ اُس کے لئے بستر بچھایا اور نرم تکیے لگائے غرض جو کچھ ہو سکا اُسے آرام پہنچانے کے لئے اُس نے کیا لیکن بُت نے اُس کی خدمتوں پر کچھ توجہ نہ کی۔ پس اُس نے سوچا کہ مَیں نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے جس کے سبب بُت اِس قدر ناراض ہے۔ پس وُہ کشمیر سے یاترا کی غرض سے بہت تیرتھوں کو گیا تاکہ اُس کو اطمینان حاصل ہو مگر اُس کا مقصد پُورا نہ ہُوا۔ اِس کے بعد اُس نے اسلام کو آزمایا لیکن اُس سے بھی اُس کی مطلب براری نہ ہُوئی۔ بعدازاں ٹانک میں جان ولیم سے اُس کی مُلاقات ہُوئی۔ اُن کے کہنے سُننے سے وُہ لاہور آیا اور انجام کار اُس کو اُس تیرنے کے حوض میں جِسے بدل کر بپتسمہ کا حوض بنا لیا گیا تھا۔ بپتسمہ دیا گیا۔

کالج چار طالب علموں سے شروع کیا گیا۔ اُن کا شمار جلدی سات ہو گیا تیسرے برس طالب علم بیس ہو گئے۔ جتنے طالب علم کالج میں داخل کئے گئے اُتنے ہی اور بھی آئے مگر وُہ داخل نہ کئے گئے۔ کیونکہ فرینچ صرف اعلیٰ ترین لائق شخصوں کو ہی دینی خدمت کے لئے تربیّت دینی چاہتے تھے۔ کالج میں عبرانی اور یونانی زبانیں۔ علم الٰہیات۔ اسلام اور ہندو مت کی تعلیم۔ مباحثہ اور مناظرہ کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔

کالج کے طلباء دُور دراز مقامات سے آتے تھے۔ اور مختلف اقوام سے تھے چنانچہ پٹھان۔ راجپوت۔ پنجابی اور کشمیری اُن میں شامل تھے۔ اُن میں سے بعض مسلمانوں میں سے مسیحی ہوئے تھے اور بعض ہندوؤں میں سے اور ایک سکھوں میں سے مسیحی ہُوا۔

فرینچ کا خیال تھا کہ نوجوان مسیحیوں کو انگریزی طور و طرز اختیار

کرنے کی اجازت ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔ اِس واسطے ایک شرط یہ مقرر کی گئی تھی۔ کہ کالج کے طلباء دیسی لباس پہنیں۔ ڈاکٹر عماد الدین صاحب لکھتے ہیں "ایک دن ایک کائی کسِٹ انگریزی لباس پہنے ہُوئے دہلی سے کالج میں پڑھنے کے واسطے آئے۔ فرنچ نے اُس کو ایک ہفتے کی مُہلت دی کہ وُہ دیسی لباس پہن لے لیکن اُس نے نہ پہنا۔ فرنچ نے اُن کو جماعت سے اُٹھا دیا اور فوراً دہلی واپس بھیج دیا" کالج کے اُستاد بھی یہ کوشش کرتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے وُہ سادہ طرزِ زندگی اختیار کریں۔ اور ہندوستانی خوراک کھائیں۔ جب وُہ باہر دَورہ پر جاتے تھے تو وُہ کبھی چھتوں پر سوتے اور کھاتے پیتے تھے۔ تاکہ جس شوق سے لوگ فقیروں اور درویشوں کے کلام کو سُنتے ہیں وُہ انجیل کے پیغام کو بھی سُنیں۔

لاہور کے رہنے والے سخت مخالفت کرتے تھے۔ چنانچہ فرنچ لکھتے ہیں "میں بعض اوقات دِل شکستہ اور پژمُردہ خاطر ہو کر مُنادی سے واپس آتا ہُوں"۔ تاہم بازاری منادی کے بعد مولوی اکثر اوقات اُن کے گھر بحث کرنے آیا کرتے تھے۔

جن صاحبان نے بہ حیثیت کالج کے اُستاد ہونے کے فرنچ کی مدد کی وُہ سب پنجاب میں نامی شخص تھے۔ اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ پادری کلارک۔ پادری بٹیمن (Bateman) پادری ویڈ (Wade) پادری گورڈن (Gordon) جو ملک ایران سے قحط کا کام کرنے کے بعد آئے تھے۔ پادری ہوپر (Hooper) اور پادری شرف جو بیس برس سے زیادہ لاہور میں مقیم رہے اور فرنچ ہی کے زیرِ اثر مشنری ہُوئے تھے۔

چنانچہ فرنچ نے لکھا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو تقریر میں نے پانچ برس ہوئے اکسفورڈ میں کی تھی اُس کے باعث اُن کے دِل میں مشن کے کام کی نسبت جوش پیدا ہوا۔ عجیب بات یہ ہے کہ میں کسی جگہ جانے سے کبھی اِس قدر ناخوش نہ تھا جیسا اُس موقعہ پر اکسفورڈ کو جانے سے ناخوش تھا۔ کون بیان سکتا ہے کہ خدا اُس سے کیا کام لینا چاہتا ہے"۔

۱۸۷۲ء کے شروع میں بیماری کے سبب سخت مُصیبت پڑی۔ فرنچ خان پور کو دورہ کے لئے گئے تھے۔ اور وہاں مرض اسہال میں مُبتلا ہو گئے۔ بیٹ مین اُن کے ہمراہ تھے۔ لیکن فرنچ نے اُن کے چلے جانے پر اصرار کیا۔ کیونکہ کالج کے درس اور دُوسرے کام ۱۵ جنوری کو شروع ہونے والے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ اس سے بدتر کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ طالب علموں کو یہ خیال ہو جائے کہ اُن کی پڑھائی سب باتوں پر مقدّم نہیں ہے۔ جب بیٹ مین نے بھی دیکھا کہ اُس کی موجُودگی سے فرنچ کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ اور اُس سے اُن کو اتنا نقصان پہنچتا ہے جتنا عدم موجُودگی سے نہ پہنچیگا۔ تو وُہ لاہور چلا گیا۔

لاہور کے بازاروں میں طالب علموں کے ساتھ باقاعدہ منادی کرنا شروع سے کالج کے کام کا ایک اہم جُزو قرار دیا گیا تھا۔ لاہوری دروازہ عموماً منادی کا ایک مقام تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہاں کے جلسہ میں بڑا شور و غل مچا۔ لوگ جو چیزیں اُن کے ہاتھ میں آئیں اِدھر اُدھر پھینکنے لگے۔ جب فرنچ نے دیکھا کہ منادی کرنا ناممکن ہو رہا ہے تو اُنہوں نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اب میں تمہارے واسطے دُعا مانگونگا۔

اِس پر لوگ اَور بھی چیخنے اور ناشائستہ کلمات مُنہ سے نکالنے لگے لیکن فرنچ نے گھٹنے ٹیک کر بڑے جوش سے دُعا مانگنی شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ سب چُپ ہوگئے اور اُن کی مسیحی وضع سے لوگوں پر بڑا اثر ہُوا۔ بٹیمن نے لکھا ۔ کہ فرنچ نے مکان کو واپس جاتے ہُوئے بڑی سادگی سے کہا کہ بھائی کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم سب چیزوں کی گرد کی مانند آج تک ہیں ۹ (کرنتھی ۴/۱۳) ایسے واقعات ضرور اپنا اثر پیدا کرتے ہیں ۞

۱۵ دسمبر ۱۸۷۲ء کا روز کالج کی تاریخ میں بڑی خوشی کا دن تھا۔ کیونکہ اُس روز بشپ ملمن (Bishop Milman) نے کالج کے دو طالب علموں کو پہلی دفعہ خادم دین بنایا۔ یہ جان ولیم اور امام شاہ تھے جو ٹانک اور پشاور کے خادمان دین مقرر ہُوئے ۞

بشپ صاحب اُمیدواروں کے امتحان اور کالج کے ملاحظہ سے بہت خُوش ہُوئے اُنہوں نے لکھا "فرنچ صاحب کے کالج سے کلیسیا کی ایک بڑی حاجت رفع ہوگئی ہے اور معلُوم ہوتا ہے ۔ کہ اُس سے کلیسیا کی خدمت اور تعلیم کے کام کے واسطے درحقیقت لائق اُمیدوار پیدا ہوں گے یعنی ایسے آدمی جو قابل دیندار سرگرم اور تربیّت پائے ہُوئے مُستعد خادم دین ہُوں گے ۔ اور رُوحانیّت کے بڑھانے میں نو مسیحیوں کو مدد دینگے ۔ اور بحث مباحثہ کا بھی ضروری کام سرانجام دے سکینگے ۔ مَیں صلاح دیتا ہُوں کہ وقتاً فوقتاً ہندوستانی خادمانِ دین ہر سال ایک دفعہ ایک مہینے کے لئے یہاں آکر ٹھہرا کریں تاکہ کالج کے اُستادوں کے اثر سے اُن کا علم تازہ ہو جائے اور وہ

دینداری میں بھی ترقی کریں۔ میرے خیال میں اُن میں سے ایسے مبشر بھی منتخب ہو سکینگے جو گلہ بانوں کے چھوٹے حلقوں کا اہتمام کرنے کے قابل ہوں گے۔ اور یوں وُہ خود بھی ترقی کرینگے اور گلہ بانوں کی ترقی میں بھی مدد کر سکینگے۔ اُن سے آئندہ ہندوستانی کلیسیا کے انتظام میں بھی مدد مل سکیگی"۔

کالج کا کام نہایت خوش اسلوبی سے چل رہا تھا لیکن فرینچ کی صحت خراب ہو گئی تھی۔ وُہ گاؤں گاؤں میں منادی کرتے تھے۔ جب وُہ بہت بیمار ہو گئے تو وُہ اسی حالت میں دھرم سالہ لائے گئے۔ ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق اُن کو انگلستان واپس بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد اُن کا چرچ مشنری سوسائٹی سے اور مہاں سنگھ باغ سے قطع تعلق ہو گیا۔ جب راقم السطور ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۰ء تک لاہور کے ٹرنٹی چرچ کا پاسٹر اور مہاں سنگھ باغ کے ہوسٹل کا وارڈن تھا تو مہاں سنگھ باغ کے دفتر میں ایک میز تھی جس کو فرینچ استعمال کیا کرتے تھے۔ اور جو اُن کی یاد کو روزانہ تازہ کر دیتی تھی۔

(۶)

ماہ مئی ۱۸۷۷ء میں فرینچ نے مشنری کی حیثیت میں ہندوستان پھر آنے کا ارادہ کیا۔ اُس کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ اَب وُہ اس سے بھی اعلیٰ خدمت کے واسطے طلب کیا جائیگا۔ وُہ موسم گرما کی تعطیل ویمتھ میں بسر کر رہے تھے۔ جب اُن کو آرچ بشپ کنٹربری کا خط ملا جن سے وزیر اعظم لارڈ سالسبری (Salisbury) نے یہ درخواست کی تھی۔ کہ کسی کا نام لاہور کے بشپ ہونے کے واسطے تجویز کریں تاکہ وُہ ملکہ وکٹوریہ

کے سامنے پیش کیا جائے تو آرچ بشپ نے اِس خط میں فرینچ کو لکھا ہم آپ کا نام پیش کرنا چاہتے ہیں۔ فرینچ نے اِس امر پر غور کرنے کے لئے چار دن کی مُہلت مانگی اور اپنے دوستوں سے صلاح لی۔ اور ۴ ستمبر کو بشپ ہونا شرطیہ طور پر منظور کیا۔ اُنہوں نے آرچ بشپ کو لکھا کہ اگر بشپ کے عُہدہ پر ممتاز ہونے سے مجھے مشنری کام سے روکا جائیگا تو مَیں مجبُور ہُوں کہ آپ سے بہ منّت عرض کرُوں کہ آپ مجُھ کو معذور فرمائیں ۲۹ ستمبر کو لارڈ سالسبری کا خط اُن کے پاس پہنچا۔ کہ آپ بشپ مقرّر کئے گئے ہیں۔ ۲۱ دسمبر کو تومار سُول کی عید کے دِن ولیسٹ منسٹر ایبی (West Minster Abbey) میں اُن کی تقدیس کی رسم اُن کے پُرانے ہیڈ ماسٹر آرچ بشپ ٹیٹ کے ہاتھوں عمل میں آئی جس سے اُن کو بڑی خُوشی ہُوئی ؞

بشپ فرینچ صاحب ۱۶ جنوری ۱۸۷۸ء انگلستان سے روانہ ہُوئے۔ لیکن اُن کی اہلیہ محترمہ وُہیں رہیں۔ ارادہ یہ تھا کہ وُہ بھی سال کے آخر تک ہندوستان میں اُن سے آملیں ؞

مارچ کے شرُوع میں اُنہوں نے لاہور سے لکھا "جب مَیں لاہور کے پاس پہنچا اور امرت سر سے آگے بڑھا تب مَیں نے عہد کیا کہ مَیں ایک لاچار نالائق نوکر کی طرح اپنے پیارے خُداوند اور آقا کی بُردباری اور فضل کی توفیق پر بھروسہ کرُونگا۔ جب مَیں لاہور پہنچا اُس وقت اندھیرا تھا۔ لیکن پھر بھی اتنی رَوشنی تھی۔ کہ جب ہٹو پر مجھے گاڑی کے اندر دیکھنے آیا۔ تو مَیں نے اُس کا چہرہ پہچان لیا۔ اور پھر اُس کے سب طالب علموں کو اُس کے پیچھے کھڑا دیکھا۔ مَیں لاہور میں اِس طرح داخل

ہونے سے خوش ہُوا۔ کیونکہ اگر میرا استقبال علانیہ طور پر کیا جاتا تو میری طبیعت بہت پریشان ہوتی ۔

اپنے علاقے میں پہنچتے ہی بشپ فرنچ یہ سوچنے لگے۔ کہ لاہور میں ایک ایسا گرجا تعمیر ہونا چاہیئے جو پنجاب میں مسیحی دین کی شان کے لائق ہو۔ اُن کے نزدیک یہ بڑی شرم کی بات تھی کہ لاہور میں صرف ایک ہی گرجا ہو۔ اور وُہ بھی ایک مسلمان عورت کی قبر ہو! چنانچہ اُنہوں نے لاہور پہنچ کر تھوڑے ہی عرصے کے بعد لکھا ''دس بارہ آدمی پبلک لائبریری میں گرجا کی تعمیر کے بارہ میں غور کرنے کو جمع ہُوئے۔ اور یہ تجویز قرار پائی۔ کہ دو لاکھ روپیہ چندہ کرنے کی کوشش کی جائے میَں بیس منٹ تک تقریر کرتا رہا کہ یہ کام اشد ضروری ہے۔ اور کہ ہم کو مستقبل کا خیال رکھ کر ایسی عمارت تعمیر کرنی چاہیئے جو اُن نامور لوگوں کی یادگار ہونے کے لائق ہو جو ہم سے پہلے پنجاب میں گذر چکے ہیں اور اس خیال کو دِل میں پھٹکنے بھی دینا نہ چاہیئے کہ کسی طرح اِس کام سے جلد فراغت پائیں۔ اور اس وقت ہم صرف اشد ضرورت کو ہی رفع کر دیں گویا ہم وُہ کرتے ہیں جس کو ہم دل سے پسند نہیں کرتے۔ بلکہ ہم کو دلیری۔ اُمید ثابت قدمی اور دانائی کے ساتھ ایثار کے کام میں لا کر فیاضی اور دریا دلی سے اِس کارِ خیر کے لئے چندہ دینا چاہیئے۔ اُنہوں نے تیس ہزار پونڈ فراہم کیئے۔ اس رقم کا خاصہ حصّہ اُنہوں نے اپنی گرہ سے دیا۔ وُہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ اِس گرجا میں کوئی ایسی کھڑکی یا کوتہ ہو جس میں تصاویر ہوں تاکہ اہلِ اسلام کو کسی قسم کی ٹھوکر نہ لگے ۔

اِس بڑے گرجا کی تقدیس ۱۸۸۷ء میں ہُوئی۔ جس کے لئے مومنین

کی ایک بڑی جماعت چاروں طرف سے فراہم ہوئی - پادری ہنری مارٹن کی رُوح آسمان سے یہ دیکھ کر کیسی خُوش ہوئی ہوگی کہ ایک مُسلمان نومرید (پادری عمادالدّین صاحب) نے ہندوستانی عبادت میں وعظ کیا۔

اِس بڑے گرجا کی تقدیس کی جوبلی نومبر ۱۹۳۷ء میں منائی گئی جس میں ہزاروں مسیحی پنجاب - دہلی - سندھ اور صوبہ سرحد کے گوشہ گوشہ سے حاضر تھے - ۳ نومبر کے روز پنجابی زبان میں عبادت ہُوئی جب گرجا پنجابی مسیحیوں سے کھچا کھچ بھرا تھا - اِس عبادت میں بھی ایک مُسلمان نومرید (راقم السّطور) کو یہ شرف بخشا گیا کہ وُہ پنجابی زبان میں وعظ کرے - عبادت کی نماز کی ترتیب کو بھی بشپ بارن کے حکم سے راقم نے ہی تیار کیا تھا۔

ماہ مارچ میں فرنچ صاحب نے اپنے اُسقفی علاقہ کے ملاحظہ کے واسطے دورہ شروع کیا اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے لکھا "زمانہ سابق کی طرح ایک دفعہ پھر یہاں کے بازاروں میں پشتو زبان میں منادی کرنا مجھے نہایت عجیب بلکہ مثل خواب معلوم ہوتا ہے - تاہم یہ بات نہایت مقدّس اور سنجیدہ ہے - کیونکہ چھٹے ہُوئے کام کو اتنی مدّت کے بعد پھر کرنا بہت کم آدمیوں کو دُنیا میں میّسر ہوتا ہے - اِس لئے مَیں اس کو خُدا کے فضل و کرم کا ایک بڑا بھید سمجھتا ہُوں"۔

وُہ پادری کلارک کے ساتھ شہر ٹانک تک گئے جہاں مشن کا کام پادری جان ولیم کے سپرد تھا حسن اتفاق سے انہی ایّام میں قریب ایک ہزار وزیری افغان اپنے پہاڑوں سے ۱۸ ماہ کے محاصرہ کے بعد شرائط صلح قبول کرنے آئے تھے اِس شہر سے سیدھ ٹکل م مشنول

کی تاثیر کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ جب افغانوں کے قبیلوں نے اُس پر حملہ کیا اور شہر کو جلا دیا تو اُس وقت بھی مشن کے ہسپتال اور دیگر عمارات کو کچھ نقصان نہ پہنچایا۔ کیونکہ اُن کے وسیلہ سے اُن لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا تھا۔

۳۱ مارچ کے روز بشپ صاحب نے ڈیرہ غازی خاں سے ایک خط میں لکھا۔ "مجھے اخباروں کے پڑھنے سے معلوم ہُوا کہ پنجاب کے سرحدی فوج کے اعلیٰ افسر جنرل رابرٹس آج اتوار کی صبح ڈیرہ غازیخاں سے کُوچ کرنے والے تھے۔ مَیں نے اُن کو لکھا کہ اگر آپ اپنی روانگی کو ملتوی کر دیں۔ تو مجھے جماعت کی عبادت میں بڑی مدد ملیگی۔ اُن کو مَیں نے یہ بھی لکھا۔ کہ اِس امر کی درخواست مَیں اس واسطے نہیں کرتا ہُوں کہ اُس سے مجھے کچھ ذاتی فائدہ حاصل ہوگا۔ بلکہ اِس لئے کہ آپ اس طرح خُدا کے کلام اور اُس کی عبادت اور اُس کے پاک اِن کے مقدس ہونے کی شہادت دینگے۔ اس پر جنرل رابرٹس نے اپنا کوچ شام تک ملتوی کر دیا۔ اور بڑے اخلاق سے پیش آئے۔ چنانچہ کل صبح کے وقت وُہ ملاقات کے واسطے بھی آئے۔ اور تھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ اُنہوں نے یہ وعدہ بھی کیا۔ کہ مَیں حتّے الامکان سرحدی کام میں ہر طرح آپ کی امداد کرُونگا۔ مجھے نحمیاہ نبی کا ہمزبان ہوکر یہ کہنا چاہئے۔ اَے میرے خُدا کا ہاتھ تھا جو نیکی کے لئے مجھ پر بڑھایا گیا تھا........ بشپ صاحب لاہور کو عید القیامت سے پہلے واپس آگئے۔ ماہ اپریل کے آخر میں اُنہوں نے پادری ایچ۔ جے۔ میتھو (H-J-Matthew) کو جو اس وقت کوہ شملہ پر چیپلن تھے آرچ ڈیکن کا عہدہ پیش کیا۔

جب بشپ صاحب نے میتھیو صاحب کو آرچ ڈیکن کا عہدہ پیش کیا تو اُسی وقت برضامندی لفٹنٹ گورنر پنجاب نے یہ بھی چاہا کہ پادری کلارک ہندوستانی کلیسیا کے لئے آرچ ڈیکن مقرر ہو جائے۔ لیکن برطانوی سرکار نے اس بات کو منظور نہ کیا کیونکہ شاہی فرمان کے بموجب صرف ایسے چیپلین جنہوں نے کم سے کم دو برس سرکاری خدمت کی ہو آرچ ڈیکن کے عہدے پر مامور کئے جاسکتے تھے بشپ صاحب سرکار سے اس بات کی بھی اجازت حاصل نہ کرسکے کہ پادری کلارک کو ایک آنریری چیپلین مقرر کر دیں تاکہ وُہ آرچ ڈیکن ہو سکے ؞

(۷)

۲۰ ماہ دسمبر ۱۸۸۲ء کے دن جو بشپ صاحب کی تقدّس کا عرفہ یعنی روز ما قبل تھا۔ ایک تحریری سند لندن کے بشپ کی طرف سے بشپ فرنچ کے پاس پہنچی۔ یہ چرچ مشنری سوسائٹی کی درخواست کے بموجب اِس غرض سے بھیجی گئی تھی کہ بشپ فرنچ مُلک ایران میں جا کر اُن کی طرف سے سوسائٹی مذکور کے مشنوں کا ملاحظہ فرمائیں۔ ایران کے مسیحیوں کو حوصلہ اور دلاسا دیں اور جو مشنری باوجود سخت مشکلات کے مسیح کی بادشاہت کی اشاعت کی وہاں کوشش کر رہے ہیں۔ اُن کے دِلوں کو بڑھائیں۔ بشپ صاحب نے یہ تحریر کیا "اب مَیں مجبور ہوں۔ جانے سے انکار نہیں کرسکتا۔ اس کو مَیں ایک بڑی نعمت سمجھتا ہوں۔ لیکن اُس کے سبب مجھے شائد اُن سے زیادہ سخت تکلیفیں اور مُصیبتیں اُٹھانی پڑینگی جو مَیں نے اب تک اُٹھائی ہیں" ؞

چرچ مشنری سوسائٹی کا مِشن مُلک ایران میں تب قائم ہُوا

تھا جب پادری ہنری مارٹن (Henry Martyn) نے ۱۲-۱۸۱۱ء میں دس مہینے شیراز میں گذارے تھے لیکن اُس وقت سے جب تک پادری بروس (Bruce) ایران میں ۱۸۶۹ء میں نہ گئے کچھ کام نہیں کیا گیا تھا۔ بروس پہلے چرچ مشنری سوسائٹی کی طرف سے ڈیرہ جات میں مشنری تھے۔ جب اُن کی رُخصت انگلستان میں تمام ہوئی تو اُنہوں نے ہندوستان آنے سے پہلے مُلک ایران کو جانے کا ارادہ کیا تاکہ فارسی زبان سے کامل واقفیت حاصل کریں۔ اُن کا ارادہ تھا کہ کچھ عرصہ وہاں ٹھہر کر پھر ہندوستان اپنے مشن کو واپس چلے جائیں گے۔ لیکن قحط اور دیگر وجُوہ کے سبب مستقل کام کی صُورت نظر نہ آئی۔ انجام کار سوسائٹی نے جلفہ میں ایک مشن کا قائم ہونا منظور کیا۔ اس کام کو اب جاری ہُوئے تیرہ برس کا عرصہ گذر چکا تھا۔ امریکن مشنریوں نے بھی بروس کے آنے کے ایک برس بعد کام شروع کیا تھا اگرچہ یہ کام مسلمانوں میں ہوتا تھا تاہم کچھ دقتیں پیش آئی تھیں کیونکہ وہاں پہلے سے آرمینی کلیسیا کے مسیحی موجُود تھے۔ اور ایک چھوٹا رومن کیتھولک مشن بھی تھا۔ بشپ فرینچ صاحب کراچی سے جہاز پر سوار ہوکر ۲ مارچ ۱۸۸۲ء کے روز مسقط پہنچے۔ اِسی شہر مسقط میں آٹھ سال کے بعد فرینچ نے انتقال کیا تھا)۔

بشپ صاحب کے عنقریب سب خطوں سے اُن کی فروتنی ظاہر ہوتی ہے یہ اُن کی خصلت میں ایک خاص خُوبی تھی۔ جو لوگ اُن سے بخُوبی واقف تھے وُہ اُن کی فروتنی دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ لیکن جب وُہ مُلک ایران میں سفر کر رہے تھے۔ اُس وقت اُن کے مزاج میں

اَور بھی زیادہ حلیمی اور فروتنی دکھائی دیتی تھی۔ کیونکہ اس موقعہ پر وُہ اُس سرزمین کا سفر کر رہے تھے جہاں پادری ہنری مارٹن جیسی مقدس ہستی نے سفر کیا تھا۔ مسقط سے جو خط اُنہوں نے اپنے ایک بیٹے کو لکھا۔ اُس میں اپنے قوت گویائی کی کمی پر افسوس کیا۔ حالانکہ یہ عیب شائد انہی کو اپنے میں نظر آتا تھا۔ وُہ لکھتے ہیں "کہ مسقط کے مُلّا میرے کلام کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اگر مجھے فقط مارٹن کی سی کامل محبت اور پاکیزگی حاصل ہوتی۔ تو بلاشبہ میرے کلمات اور خیالات اپنے لئے ظاہر ہونے کا کوئی نہ کوئی راستہ پیدا کر لیتے۔ مَیں دُعا کرتا ہُوں کہ مَیں اس شہر کے طالبانِ حق کے سامنے اپنے خداوند کی خوشخبری سُنانے کے موقعہ کو برباد نہ کرُوں۔ ناواقف لوگوں پر پہلی دفعہ اثر ڈالنا آسان کام نہیں ہے۔ لیکن اکثر اوقات مجھے یہ توفیق ملی ہے کہ اس کی بجائے کہ مَیں خود زیادہ کام کرُوں مَیں نے دُوسروں کو کام کرنا بنایا ہے۔ اور اپنے سے بہتر شخصوں کو کام کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ اور یُوں اپنی کمی کو مَیں نے پُورا کیا ہے۔ دُوسروں کی کامیابی پر شادمان ہونا آسمانی خوشیوں میں سے ہے"۔

۶ ماہ اپریل کے روز بشپ فرنچ شیراز پہنچے اور وہاں ۱۸ اپریل تک رہے۔ وُہ لکھتے ہیں "عزیز ہنری مارٹن کے بعد یہاں تھوڑا کام کرنا بھی فی الحقیقت بڑی عزت کی بات ہے۔ مَیں بہت چاہتا ہُوں کہ یہ معلوم کرُوں۔ کہ وہ حجرہ کونسا تھا جس میں وُہ رہتے تھے اور کہاں مُلّاؤں نے کتاب مقدس کو پاؤں تلے روندا تھا اور اُنہوں نے اُسے اُٹھا لیا تھا"۔ شیراز میں بشپ صاحب نے دانیل کی کتاب کا اصل کلدی زبان میں مطالعہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیراز میں بہت لوگوں کو دین کی باتیں دریافت

کرنے کا شوق تھا اور بشپ صاحب کو اُن کی ملاقات سے بہت تقویت حاصل ہُوئی۔

بغداد کے مشنری پادری بیم ہرج کی ملاقات سے بھی جو اُن سے ملنے کے لئے آئے تھے۔ اُن کی طبیعت شگفتہ ہُوئی۔ ۳ ماہ مئی روز صعود کو ڈاکٹر بروس بمقام کمشاہ اُن سے آملے۔ اور دونوں اِس جگہ سے ساتھ ہی اصفہان کو گئے۔ فرنچ صاحب لکھتے ہیں "جب ہم شام کے وقت اس پہاڑی کے قریب پہنچے جس کی پرلی طرف جلفہ واقع ہے۔ تو بعض جماعتیں اُن لوگوں کی ملیں جو ہمارے استقبال کے لئے آئے تھے۔ مرد عورتیں اور لڑکے اور برطانوی ایجنٹ اور ارمنی کلیسیا کے قسیس جنہیں اُن کے بشپ نے بھیجا تھا۔ اور چند سوار پیدل سپاہی اور ایک ذی رُتبہ شخص جو شہنشاہ کی طرف سے (جنہیں حضرت والا کہتے تھے) خیر مقدم کی خاطر بھیجا گیا تھا ہمارے استقبال کے لئے آئے۔

جلفہ میں بشپ صاحب نے ۶۷ اشخاص کو مستحکم کیا۔ ڈاکٹر بروس کے کام کی نسبت بشپ صاحب لکھتے ہیں "اُن کا کام نہایت مُشکل اور نازک ہے۔ شہزادہ صاحب اس وقت دینی آزادی کی حمایت میں دلیری اور فراخدلی سے کام لینا چاہتے ہیں۔ لیکن شیخ الاسلام جو اس مُلک میں اسلام کے بڑے صاحبِ اختیار مجتہد ہیں۔ پوشیدہ اور حتی الامکان علانیہ اُن کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر بروس اور میں آج دوپہر کے بعد مسجد کو جو تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سوار ہو کر گئے۔ اور اُن کے پاس ایک گھنٹے تک بیٹھے رہے۔ اُنہوں نے مصمم ارادہ ظاہر کیا۔ کہ اصفہان میں کُتبِ مقدسہ کے نسخوں کی فروخت بند کر دینگے۔ کُتبِ مقدسہ کی فروخت

کی وُہ شکایت کرتے رہے ۔ اور بحث میں گرم اور تیز ہو گئے ۔ ہم نے اُن سے بہتیرا کہا کہ کتاب اللہ کے پھیلانے میں آزادی ہونی چاہئے لیکن وُہ پرلے درجے کے سخت دِل اور بدمزاج واقع ہُوئے تھے ۔ بہت سے مُلّا اُن کے گِرد بیٹھے تھے ۔ اور خوشامد کر کے اُن کی ہر بات پر آمنّا وصدّقنا کہتے اور اُن کو اُبھارتے تھے ۔ ہمارے واسطے تسلّی کی بات صرف یہ ہے کہ خُدا کا کلام مقیّد نہیں ہے ۔ اور نہ ہو سکتا ہے ۔ کل اُنہوں نے کالپورٹر (کُتب فروش) کو گرفتار کروایا لیکن آخرکار یہ حُکم دیا کہ ”نہ یسُوع کے نام کی منادی کرنا اور نہ اُس کی نسبت بات کرنا“ اور پھر اُسے چھوڑ دیا ۔ ڈاکٹر بروس کو بہت لوگوں نے کہا کہ آپ شیخ کے گھر جانے کی جُرأت نہ کریں ۔ کیونکہ اُن کا ارادہ کافی دینے کا ہے ۔ یعنی زہر کا پیالہ مگر اُن کو یقین تھا کہ شیخ ایسا عقلمند ہے ۔ کہ وُہ اپنی بہتری کے خیال سے اس ارادے کو ہرگز عمل میں نہ لائیگا پس ہم نے بے تکلّف کافی پی اور قلیان (حُقّہ) بھی پیا ۔

۲۰ مئی کے دِن جب مینسن خادم دین بنایا گیا تو بشپ صاحب کا کام تکمیل کو پہنچا ۔ گرجا بھرا ہُوا تھا مُسلمان اور مسیحی بھی موجُود تھے ۔ بشپ صاحب نے قریب ایک گھنٹہ فارسی زبان میں اس آیت پر وعظ کیا کہ ہم آپ کو ہر ایک بات میں خُدا کے خادم کی طرح ظاہر کرتے ہیں ۔ پاک رُوح سے ۔ بے ریا محبّت سے ۔ کلامِ حق سے خُدا کی قدرت سے ۔ (۲ کرنتھی ۶: ۴، ۶، ۷) ۔ یہ درحقیقت جلفہ میں بشپ صاحب کا سب سے آخری کام تھا ۔ ۲۳ مئی کے روز اُنہوں نے افسوس کے ساتھ دوستوں سے رُخصت ہو کر اپنا واپسی سفر پھر شروع کیا ۔

(۸)

۱۸۷۴ء میں ایک گرجا کی بُنیاد لاہور میں ڈالی گئی تھی اور چالیس ہزار روپیہ کے قریب فقط اُس کی بُنیاد پر خرچ ہو گئے تھے ۔ پس ایک جلسہ کیا گیا جس میں آخر کار یہ فیصلہ قرار پایا کہ جو بُنیاد پہلے ڈالی گئی تھی وُہ اس بڑے گرجا کے لائق نہیں ہے ۔ جس کے بنانے کی اب تجویز ہے ۔ لہٰذا وُہ بُنیاد چھوڑ دی گئی ۔ بشپ صاحب کا اِس موقعہ پر یہ فرمانا بہت درست تھا " مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جس حال میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مذہبی عالی شان عمارتیں موجود ہیں ۔ ایک حقیر اور بدصورت عمارت کا بنانا ہمارے واسطے بڑی بے عزتی کا باعث ہوگا ۔ اور اُس سے خُدا کی کلیسیا پر بدنما دھبہ لگیگا اور مَیں پسند نہیں کر سکتا ۔ کہ میرے بشپ ہونے کی حالت میں ایسی بات ہو " رفتہ رفتہ سب مشکلات رفع ہو گئیں ۔ آخر کار کیتھڈرل یعنی اُسقفی گرجا بھی ۲۵ جنوری ۱۸۸۷ء کے روز جو مقدس پولُس کے ایمان لانے کا دِن تھا ۔ تقدیس کی رسم کے واسطے کھولا گیا ۔ بشپ صاحب نے ایّامِ اُسقفی میں اور بھی کام کیئے لیکن اُن کو کسی کام سے اس قدر خوشی حاصل نہیں ہُوئی جس قدر کیتھڈرل کی تعمیر سے ہُوئی ۔

کلکتہ کے بشپ صاحب کے ارشاد کے بموجب بشپ فرنچ نے دُعائے عام کی کتاب کے اُردو ترجمہ کی نظرثانی کرنے کا ذمہ لے لیا ۔ ایک چھوٹی کمیٹی بھی اُن کی مدد کے لیئے مقرر کی گئی اور ایس ۔ پی ۔ سی ۔ کے سوسائٹی نے بیس ہزار روپے اُس پر خرچ کیئے ۔ ۱۸۸۱ء کے موسم گرما میں بشپ صاحب نے کوہ مری پر ایک کوٹھی کرایہ پر لی اور کمیٹی

کے ممبران کے ساتھ روزانہ چھ گھنٹے یہ کام کرتے رہے۔ یہ نئی دُعائی کتاب بلاشُبہ ایک عالمانہ کتاب تھی۔ مگر مشنریوں نے اُسے پسند نہ کیا۔ بشپ مائتھیو لکھتے ہیں کہ "بشپ فرنچ کو پچھلے برسوں میں سب سے بڑی مایُوسی اسی وجہ سے ہُوئی۔ کہ شمال مغربی اضلاع اور پنجاب کے مشنری صاحبان نے فرنچ کے ترجمہ کو پسند نہیں کیا۔ جب مَیں نے اُن کے مستعفی ہو جانے کے تھوڑے عرصے کے بعد اُنہیں بہ منّت لکھا کہ آپ اپنا پُرانا علاقہ دیکھنے کے لئے تشریف لائیں تو اُنہوں نے جواب دیا کہ جو سلُوک میرے ساتھ کتاب الصّلوٰۃ کے ترجمہ کے باعث کیا گیا ہے میرا آنا ناممکن ہے"۔ نماز کی کتاب کا یہ ترجمہ بشپ فرنچ کے علم و فضل کا جیتا جاگتا زندہ ثبُوت ہے۔ اب یہ ترجمہ نایاب ہے لیکن جب راقم السطور پشاور کے مشن کالج میں فلسفہ کا پروفیسر تھا (از ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) تب مرحُوم پادری امام شاہ صاحب کے وقت وہاں کے گرجا میں یہی ترجمہ مروّج تھا۔ ۱۹۴۲ء میں راقم نے نماز کی کتاب کا پنجابی زبان میں ترجمہ کرتے وقت اس کو بڑے کام کا پایا۔

۱۸۸۵ء میں بشپ فرنچ نے پشاور کے مشنری جوکس اور میر کے ساتھ کُتب عہدِ عتیق اور مقدّس لُوقا کی انجیل کے پشتو ترجمہ کی نظرِ ثانی کی۔

ماہ جولائی ۱۸۸۶ء میں بشپ صاحب نے اپنے اُسقفی عہدہ سے مستعفی ہونے کا ارادہ کیا۔ اُنہوں نے کنٹربری کے آرچ بشپ اور وزیرِ ہند کو لکھا۔ کہ صحت کی خرابی اور دیگر وجُوہ کے باعث مَیں استعفیٰ دینا چاہتا ہُوں۔ اور میری خواہش یہ ہے۔ کہ آرچ ڈیکن میتھیو میری

جگہ بشپ مقرر ہوں مگر بعض مشکلات آرچ ڈیکن کو اس عہدہ کے قبول کرنے سے باز رکھتی تھیں۔ ۱۷ ستمبر ۱۸۸۷ء کو بشپ صاحب نے ایک خط میں پادری ہٹمین کو لکھا کہ "آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ آرچ ڈیکن صاحب نے بہت عرصہ تک تامل کرنے کے بعد اُس اسقفی عہدہ قبول کر لیا ہے۔ میں نے ابھی اپنے مستقبل کا فیصلہ نہیں کیا۔ پس اس کے متعلق میں نہ جانتا ہوں اور نہ لکھ سکتا ہوں۔ میں اپنے دوستوں سے منت کرتا ہوں۔ کہ وُہ حتّے المقدور اپنے خطوں میں میرے مستعفی ہونے کا ذکر نہ کریں۔ بلکہ خدا سے دُعا مانگیں کہ جو شخص جاتا ہے۔ خُدا اپنے فضل سے اُسے معافی بخشے اور جو یہ بوجھ اُٹھا رہا ہے۔ اُسے اُس کے اُٹھانے کے لئے زور اور طاقت بخشے"۔ بشپ صاحب ۲۲ دسمبر کو اُسقفی عہدہ سے دست بردار ہو گئے اور پُورے دس سال اس عہدہ پر مقرر رہے۔ ۶ جنوری ۱۸۸۸ء کے روز صاحب ممدوح کراچی سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ اور ہندوستان سے اُن کا تعلق منقطع ہو گیا ؎

(۹)

جب فرنچ صاحب انگلستان میں تھے تو اُن کو اشاعتِ انجیل کا کام کرنے کی ایک اور صُورت نظر آئی۔ لیکن یہ کام چرچ مشنری سوسائٹی سے متعلق نہ تھا۔ ۱۸۹۰ء کے موسم خزاں میں اُنہوں نے لکھا "میرا یہ ارادہ ہے۔ کہ چند ہفتوں کے لئے یا زیادہ عرصے کے واسطے (جس طرح خُدا کو منظور ہو) میں قیصر کو ٹیونس کی راہ جاؤں تاکہ عربی زبان میں زیادہ مہارت حاصل کروں اور معلوم

کروں۔ کہ اِن اطراف میں اہلِ اسلام کے درمیان مسیحی دین کے پھیلانے کے واسطے کیا کوشش ہو رہی ہے۔ پس ۳ ماہ نومبر ۱۸۹۰ء کو وُہ آخری بار بیوی اور وطن سے رخصت ہُوئے۔ ۷ نومبر کو اُنہوں نے ٹیونس سے خط لکھا۔ وہاں وُہ کچھ عرصے تک ٹھہرے اور منادی کرنے میں مشغول رہے۔ لیکن وُہ مسقط پہنچنا چاہتے تھے چنانچہ اُنہوں نے چرچ مشنری سوسائٹی کے ارباب بست و کشاد سے درخواست کی کہ جن نئے مشنوں کے قائم کرنے کا وُہ ارادہ کر رہے ہیں اُن میں وُہ مسقط کا مشن بھی شامل کریں۔ بشپ صاحب کا منشا تھا کہ وُہ خود وہاں جائیں۔ اور وہاں کے حالات سے چرچ مشنری سوسائٹی کو مطلع کریں۔ ۸ ماہ فروری وُہ کراچی سے ہُوتے ہُوئے مسقط پہنچے۔ کراچی میں بشپ صاحب نے اپنے قدیم رفیق رابرٹ کلارک سے مُلاقات کی۔ زمین پر ان دونوں مقدسوں کی یہ آخری ملاقات تھی۔

مسقط پہنچ کر بشپ صاحب اپنے ٹھہرنے کے لئے کوئی قیام گاہ ڈھونڈتے رہے۔ وہاں کا ریذیڈنٹ اُن کا پُرانا دوست تھا لیکن وُہ نہیں چاہتے تھے کہ وُہ ریذیڈنٹ کے مہمان بنیں یا اپنے ٹھہرنے کا انتظام کرنے سے پہلے اُن کی ملاقات کے لئے جائیں۔ آخر کار گوا کے ایک باشندے نے اُن کو اُتارا اور وُہ ایک میلے کمرے میں رہے جس میں ایک چارپائی ایک ٹوٹی کوچ اور چند کُرسیاں تھیں میٹ لینڈ صاحب نے بشپ فرنچ کی بیٹی کو لکھا "ہم نے ایک کیتلی میں پانی جوش کرایا اور کچھ کافی پی اور کچھ بسکٹ کھائے۔ بعد ازاں ہم نے بازار سے چپاتیاں اور دُودھ بہم پہنچایا۔ شام کو پولٹیکل ایجنٹ کے

دفتر کا ہیڈ کلارک آیا۔ گو آپ کے والد اُس سے ملنا نہیں چاہتے تھے لیکن میں نے باتوں باتوں میں اس سے معلوم کر لیا کہ جس مقام میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ وُہ عرب کے لوگوں کے واسطے پُرتگیزوں کی شراب کی دُکان تھی۔ عرب کے لوگوں میں دینِ حق پھیلانے کا یہ ایک نرالا طریقہ تھا!!

چونکہ مسقط میں گزارہ کے لائق مکان ملنا دُشوار تھا اس واسطے بشپ فرینچ نے متر امیں جو مسقط سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے ایک مکان لے لیا۔ اس کے بعد دونوں صاحبان ریذیڈنٹ کے پاس مُلاقات کے واسطے گئے۔ لیکن چُونکہ وُہ اس سے ملنے کے لئے پہلے نہ گئے تھے اُنہوں نے اس کو قدرے رُوکھا پایا۔ میٹ لینڈ نے مذکورہ بالا خط میں کام کا حال مختصر طور پر یُوں تحریر کیا ہے "آپ کے والد علی الصباح اُٹھا کرتے تھے۔ اور میں دن نکلے۔ مچھر اور مکھیاں رات کو بہت ستاتی تھیں۔ ہمارے پاس شروع میں نہ تو کافی بستر تھے۔ اور نہ مسہریاں۔ گو بعد میں کچھ چیزیں دستیاب ہو گئیں۔ وُہ اُٹھنے کے بعد دُعا کرتے تھے اور خدا کی کتاب پڑھتے تھے۔ میں آگ جلاتا تھا۔ اور باورچی خانہ میں برتن دھوتا تھا۔ اور پھر بازار جا کر روٹی اور دُودھ اور انڈے لا کر صبح کا کھانا تیار کرتا تھا۔ اس کے بعد ہم کھانا کھاتے تھے۔ بعد ازاں وُہ عربی زبان کے مطالعہ میں ڈیڑھ بجے تک مشغول رہتے تھے۔ میں قریب ایک بجے بازار جا کر کھانے کے واسطے چیزیں لاتا تھا یعنی تھوڑا گوشت یا بھُنی مچھلی اور بازار کے پکے ہُوئے چاول اور روٹی اور کھجُور۔ کھانے کے بعد ہم مل کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اور پھر قریب چار بجے آپ کے والد کبھی تو تنہا منادی کرنے یا لوگوں کو کتاب پڑھ کر

سُنانے کے لئے باہر چلے جاتے تھے۔ یا کبھی وُہ ہوا خوری کی غرض سے میرے ساتھ قصبہ مترا کے پیچھے کُشادہ میدان میں جاتے تھے۔ یا کسی قریب کے گاؤں میں لوگوں سے باتیں کرنے لگتے تھے اور اگر موقعہ مِلتا تھا تو اُن کو کتاب مقدّس سُناتے تھے۔ جب شام ہونے لگتی تھی تو ہم مکان پر واپس آجاتے تھے۔ چائے پینے کے بعد ہم دونوں شام کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اُس کے بعد ہم پر نیند کا غلبہ ہو جاتا تھا۔

بشپ صاحب کی ہمیشہ یہی آرزُو رہی کہ وُہ عرب میں مشنری ہو کر جائیں اور اہلِ عرب کو انجیل کا جانفزا پیغام دیں۔ اب جو وُہ عرب میں آگئے تو بڑھاپا اور جسم کی کمزوری اُن کے ارادے میں سدِّراہ ہو گئے لیکن اُنھوں نے یہ مصمّم ارادہ کر لیا تھا کہ وُہ اپنی جان دے دینگے پر جیتے جی عرب نہ چھوڑینگے۔ وُہ ۷ مئی کو ۱۱ بجے دن کے کشتی میں بیٹھ کر انجیل کا پیغام دینے کے لئے روانہ ہُوئے۔ اور اُسی دن آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے سیب میں پہنچے۔ روانہ ہونے سے چند روز پہلے وُہ بُخار میں مبتلا ہونے کے سبب بہت کمزور ہو گئے تھے۔ کشتی سے اُترنے کے وقت بھی گرمی سخت تھی۔ اس واسطے وُہ درختوں کے سایہ میں آرام کرنے کے بعد اُس مکان کو گئے جو کنارے سے پَون میل کے فاصلے پر اُن کو سکونت کے واسطے مِل گیا تھا۔ دُوسرے روز صبح کے وقت ۸ مئی عیدِ صعُود کے روز تھوڑا سا دُودھ پی کر تین میل کے فاصلہ پر وہاں کے حاکم سے مِلنے کے لئے گئے۔ جب وُہ واپس آئے تو گرمی بہت تھی۔ گھر پہنچنے تک اُن کی طبیعّت علیل ہو گئی۔ ۸ تاریخ کو صبح کے وقت وُہ چند کتابیں لے کر باہر گئے۔ دس بجے کے قریب

چند آدمیوں نے اُن کے نوکر کو خبر دی کہ تمہارے آقا کھجور کے درختوں میں پڑے سو رہے ہیں جب نوکر اُن کے پاس آیا تو اُنہوں نے اُسے واپس گھر بھیج دیا۔ جب وُہ خود گھر پہنچے۔ تو نیچے گری ہُوئی بلیوں کے درمیان لیٹ گئے۔ نوکر نے اُن کو پکارتے اور تالی بجاتے سُنا پس وُہ دَوڑ کر اُن کے پاس گیا۔ لیکن اُنہیں بیہوش پایا۔ اُس نے اُن کے سر پر پانی ڈالا اور پندرہ منٹ کے بعد بشپ صاحب کو ہوش آیا۔ بعد میں اُنہوں نے کھانا پکوایا لیکن کھا نہ سکے۔ دُوسرے دن یعنی نویں تاریخ ہفتہ کے روز مسقط کو واپس آنے کا ارادہ کیا۔ لیکن جب کشتی تیار ہُوئی۔ تو وُہ جا نہ سکے۔ دس تاریخ کو بوقت شام وُہ روانہ ہُوئے مسقط میں ۱۱ مئی کو دن نکلے پہنچے اور اُس کمرے کو گئے جو اُنہوں نے ریذیڈنسی کے پاس کرایہ پر لیا تھا۔ اُنہوں نے نوکر کو حکم دیا۔ کہ کسی سے ہمارے واپس آنے کا حال نہ کہنا مگر نوکر نے حکم کی تعمیل نہ کی۔ ۱۳ مئی کو ڈاکٹر صبح ساڑھے سات بجے اُن کے دیکھنے کو آئے۔ اُنہوں نے بشپ صاحب کو بیہوش پایا۔ تھوڑی چاء کے پینے سے اُن کی طبعیّت کسی قدر بحال ہو گئی ؞

ریذیڈنٹ نے سمجھا بجھا کر اُن کو تھوڑا شوربا پلایا۔ ڈاکٹر رات کے نو بجے آیا اور تین بجے تک اُن کے پاس رہا۔ بشپ صاحب کے بدن کی حرارت اُس وقت ۱۰۴ درجہ پر تھی۔ وُہ آہستہ آہستہ اَے خُداوند۔ اَے خُداوند" کہتے رہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور لفظ مُنہ سے نہ نکالا۔ ۱۴ مئی کو دوپہر کے بعد ساڑھے بارہ بجے وُہ بغیر کسی قسم کی تکلیف پائے اپنے نجات دہندہ کے پاس چلے گئے ؞

لاہور کے اُسقفی گرجا میں ایک پیتل کی تختی پر یہ عبارت کندہ ہے:-
"ٹامس والپی فرینچ ڈی۔ڈی۔ آپ یونیورسٹی کالج اکسفورڈ کے سابق فیلو اور اُسقفی گرجا کے بانی تھے۔ ۱۸۵۱ء سے جب وُہ ہندوستان میں آئے تو خدا کی کلیسیا کی دینی خدمت کرتے رہے۔ اوّل صبر د کوشش کے ساتھ شمال مغربی صُوبوں اور پنجاب میں بحیثیت مشنری ہونے کے اور اس کے بعد دس برس بحیثیت اس علاقہ کے پہلے بشپ ہونے کے ۱۸۷۷ء سے ۱۸۸۷ء تک رہے۔ بشپ صاحب ممدوح الصّدر نے مسقط واقع مُلک عرب میں مسیح کی بادشاہت کا ایک تنہا شاہد بن کر بتاریخ ۱۴ مئی ۱۸۹۱ء انتقال کیا" ؎

(۱۰)

بشپ فرنچ آسمانی مقاموں میں ہیں جہاں مقدسین کی فوج خُدا کی حمد کرتی ہے۔ لیکن جو کام وُہ پنجاب۔یُو۔پی اور صُوبہ سرحد میں کر گئے وُہ کلیسیا کے لئے ایک غیر فانی میراث ہے۔ آگرہ کا مشن کالج ہزاروں کے لئے شمعِ ہدایت بنا رہا ہے اور بنا رہے گا۔ ڈیرہ جات کے مشن کے ذریعہ انجیل کا پیغام ہزاروں کٹر مسلمانوں کے کانوں میں سُنایا گیا ہے اور ان پر اتمام حجت ہو گئی ہے۔ ڈیونٹی کالج لاہور سے ایسے ہادیانِ دین نکلے ہیں جو کلیسیا کی اشاعت اور استقامت کا باعث ہُوئے ہیں۔ لاہور کا عالی شان گرجا اُن کی جاودانی یادگار رہیگا اور اُن کا عرب میں جانا اور مسقط میں فوت ہونا ہندوستان اور ایران کے مبلّغین کے لئے تازیانہ کا کام دیتا رہیگا ؎

بشپ صاحب سے پہلے عرب کی سرزمین میں ہنری مارٹن کی قبر موجود تھی۔ خداوند مسیح کے یہ دونوں غیور سپاہی ہندوستانی کلیسیا کے لئے نمونہ بنے رہینگے۔ دونوں عالم اور فاضل تھے۔ ایک نے اوکسفورڈ کا علم اور دوسرے نے کیمبرج کا علم اپنے منجی کی صلیب پر نچھاور کر دیا۔ دونوں نے اہل اسلام میں انجیل جلیل کی تبلیغ کی خاطر اپنی زندگیوں کو وقف کر دیا تھا۔ بالآخر دونوں نے ہندوستان میں تبلیغی کام کرنے کے بعد عرب کے مسلمانوں میں نجات کا جانفزا پیغام سنا کر وہیں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ خداوہ وقت جلد لائے جب پنجاب کے مسیحی ان مقدسوں کی زندگیوں سے سبق حاصل کر کے اپنے ملک کے باہر افغانستان۔ ایران اور عرب میں انجیل جلیل کا نجات بخش پیغام سنائیں ؞

پادری چارلس ولیم فورمن ڈی۔ڈی

CHARLES WILLIAM FORMAN D.D.

چارلس ولیم فورمن، صوبہ کن ٹکی (Kentucky) کے شہر واشنگٹن (Washington) سے آدھ میل باہر ۳ مارچ ۱۸۲۱ء کے روز پیدا ہوا۔ اس کے آباؤ اجداد ۱۶۴۵ء میں بشپ لاڈ (Laud) کے مظالم سے تنگ آ کر انگلستان سے امریکہ نقل مکانی کر گئے تھے۔ یہاں کے ڈچ حکام نے اُن کی خوش آمدید کی۔ اور

لونگ آئی لینڈ (Long Island) میں اُن کو جاگیر بھی عطا کی۔
پس چارلس ولیم کے آباؤ اجداد ابتدا ہی سے آزادی کی فضا میں رہتے تھے۔ امریکہ کی جنگ آزادی میں اِس خاندان کے تیرہ شرکاء شریک تھے۔ یہ خاندان آزادی سے محبت رکھنے کے لئے مشہور تھا اور گرد و نواح کے لوگ اُن کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اگرچہ وُہ مذہبی امُور اور دین داری کی پروا نہیں کرتے تھے۔
ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جب چارلس ولیم پندرہ سال کا ہُوا اُس کا بڑا بھائی اپنے ساتھ پادری مکابوئے (Mc Aboy) کو گھر لایا۔ پادری مکابوئے واشنگٹن کی پرسبٹیرین کلیسیا کا پاسبان تھا۔ اثنائے گفتگو میں اُس کے ایک اور بھائی نے حقارت آمیز لہجہ میں خُداوند یسُوع مسیح کا ذکر کیا۔ چارلس ولیم کو یہ بات بڑی ناگوار معلوم ہُوئی کہ ایک مہمان کے جذبات کو ٹھیس لگائی جائے۔ جب اُس نے اپنے مہمان کے چہرے کی طرف نظر کی تو وہاں غصہ کے آثار پانے کی بجائے رنج اور دُکھ لکھا دیکھا۔ اُس نے دِل میں خیال کیا کہ یہ شخص ضرور مسیح سے پیار کرتا ہے۔ اِس واقعہ نے اُس کے دِل کو بڑا متاثر کیا اور پانچ سال کے بعد اُس نے اسی گاؤں کے گرجا میں بپتسمہ پایا۔ وُہ لکھتا ہے "میں یہ محسُوس کرتا تھا کہ بپتسمہ محض ایمان کا اقرار ہی نہیں بلکہ اِس امر کا نشان ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو خُداوند مسیح کی مرضی کے تابع کر دیا ہے تاکہ ہم مسیح کے لئے اپنی زندگی کاٹیں"۔
اَب اِس کے دِل میں مسیح کی خدمت کرنے کا خیال آیا۔ اُن دِنوں غُلاموں کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور فورمین کا خاندان بھی غُلام

رکھتا تھا۔ پس اُس نے اگلے اتوار یہ اشتہار دیا کہ جو غلام اپنے مالک کی اجازت سے پڑھنا چاہے اُس کو مَیں گرجا گھر میں پڑھاؤں گا۔ جب وُہ وقت مقرّرہ پر گرجے گیا تو وہاں غلاموں کی بھیڑ کھڑی پائی۔ فورمن رفتہ رفتہ اِس نتیجہ پر پہنچا کہ وُہ انجیل جلیل کا خادم بنے۔ پس سات سال تک وُہ سنٹرل کالج۔ کن ٹکی میں اور پرنسٹن تھیولوجیکل کالج میں پڑھتا رہا۔ جس زمانہ میں وُہ علم الٰہیات کا مطالعہ کر رہا تھا اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ وُہ غیر ممالک میں جا کر انجیل کا واعظ بنے گا۔ مسیح کی آخری وصیّت اُس کو بار بار یاد آتی تھی لیکن وُہ یہ بھی دیکھتا تھا کہ اِس حُکم کے مطابق کوئی شخص غیر مسیحی اقوام کے پاس نہیں جاتا۔ پس اُس کے دِل میں سوال پیدا ہُوا کہ آیا مسیح کے حُکم پر عمل کیا جائے یا نہیں۔ امریکہ میں بیسیوں اشخاص مسیح کا کام کرنے والے موجُود تھے۔ لیکن امریکہ ہندوستان نہ تھا۔ پس اُس نے خیال کیا کہ اگر وُہ خود ہندوستان نہ گیا تو وہاں کوئی مسیح کا کام نہیں کریگا۔ اُن دِنوں میں ہندوستان کا سفر آسان نہیں تھا لیکن اُس نے مصمّم ارادہ کر لیا کہ وُہ ہندوستان آئے۔ اور خاندان کے شرکاء کے رونے اور واویلا کرنے کے باوجُود وُہ ۱۱ر اگست ۱۸۴۷ء کے روز جہاز میں سوار ہو کر کلکتہ پہنچ گیا۔

جنوری ۱۸۴۸ء میں کلکتہ میں آکر فورمن ڈاکٹر ڈف کا مہمان ہُوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس نے یہ ٹھان لی کہ وُہ پنجاب میں پہنچ کر مشن سکول جاری کریگا جس میں تعلیم انگریزی زبان میں ہو۔ وُہ کلکتہ سے پنجاب سفر کرتا ہُوا آیا۔ اُن دِنوں اِس سفر میں چار پانچ

ماؤ لگتے تھے۔ انگریزوں کی تسخیر پنجاب سے چند ماہ پہلے ۱۸۴۵ء میں وُہ لدھیانہ پہنچ گیا جہاں پادری نیوٹن (John Newton) اور اُس کی بیوی ۱۸۳۵ء میں امریکن پرسبٹیرین مشن کے مشنری ہو کر پہلے پہل آئے تھے۔ اِس شہر میں ایک سال پہلے پادری جان لوری (John C. Lowrie) آیا تھا۔ اُس زمانہ میں لدھیانہ سرحدی شہر تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت کے درمیان دریائے ستلج حائل تھا۔

اِن مشنری صاحبان کی یہ خواہش تھی کہ خدا پنجاب کا دروازہ کھولے تو وُہ اپنے منجی کا فرحت افزا پیغام پنجاب کے باشندوں کو سُنائیں پس اُنہوں نے لدھیانہ میں رہائش اختیار کر لی تاکہ جب موقع ملے تو وُہ لاہور میں جو مہاراجہ کا دارالسلطنت تھا جا سکیں۔

ایک دفعہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دِل میں خیال آیا کہ لاہور میں ایک سکول کھولا جائے جہاں پنجابی نوجوان انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کر سکیں۔ تاکہ وُہ انگریزی اخبارات اور رسائل پڑھ کر اُس کو انگریز ہمسایوں کی جنگی تدابیر اور سیاسی اُمور کی نسبت اطلاع دیتے رہیں۔ اِس غرض کے واسطے اُس نے پادری لوری کو بُلا بھیجا۔ لوری نے مہاراجہ کی دعوت قبول کی اور مہاراجہ نے ایک ہاتھی اور رسالہ کے سوار بھیجے تاکہ لوری کو پھلور سے لاہور لے آئیں۔ لوری نے مہاراجہ سے کئی بار ملاقات کا شرف حاصل کیا لیکن چونکہ لوری چاہتا تھا کہ اِس سکول میں کتابِ مقدّس کی تعلیم دی جائے اور مہاراجہ اس بات کو منظور نہیں کرتا تھا اور دونوں اپنے ارادے کے پکّے تھے لہٰذا یہ تجویز عمل میں نہ آ سکی۔ مہاراجہ

نے لوری کو ایک گھوڑا اور خلعتِ فاخرہ اور دو ہزار ایک سو روپیہ دے کر رخصت کیا۔

پادری نیوٹن کے چھ بچے تھے۔ سب سے بڑی لڑکی کا بیاہ پادری سی۔ ڈبلیو فورمن سے ہُوا۔ اس سے چھوٹا بیٹا ڈاکٹر جان نیوٹن تھا جس نے سباتو کے کوڑھی بنانے کی بنا ڈالی۔ اس سے چھوٹی ایک لڑکی ایملی (Emily) تھی جس کی شادی سیالکوٹ کے سکاچ مشن کے پادری فرگیوسن سے ہُوئی۔ چوتھا لڑکا سی۔ بی نیوٹن تھا جو امریکن مشن کا مشنری ہُوا۔

سکھوں کی پہلی لڑائی کے بعد ۱۸۴۶ء کے آغاز میں جونہی ایسٹ انڈیا کمپنی نے جالندھر دوآب پر قبضہ کیا تو امریکن مشن نے لدھیانہ سے جالندھر شہر میں اپنے مناد اور واعظ بھیجے مسٹر پورٹر (Porter) اور مسٹر گولک ناتھ وہاں گئے۔ پورٹر نے وہاں مشن کمپونڈ کے لئے زمین خریدی جو شہر کے نزدیک تھی اور سرکار نے ہمیشہ کے لئے زمین کا معاملہ معاف کر دیا۔ پادری گولک ناتھ جالندھر میں متعین کر دیا گیا۔

جب انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا تو مہاراجہ دلیپ سنگھ فتح گڑھ بھیجا گیا۔ یہاں ڈاکٹر لوگن (Login) اس کا محافظ تھا اور والٹر گائس (Walter Guise) اس کا اُستاد تھا۔ مہاراجہ یہاں مسیحی ہو گیا اور بعد میں انگلستان چلا گیا جہاں اُس نے مستقل طور پر رہائش اختیار کر لی۔

جیسا ذکر ہو چکا ہے۔ نومبر ۱۸۴۸ء میں پادری فورمن لُدھیانہ پہنچا اور پادری جان نیوٹن کے ساتھ کام کرنے لگا۔ اس وقت سے آخر

تک دونوں ایک دُوسرے کے ساتھی رہے - یہ گویا مقدّس برنباس اور مقدّس پولُوس کا سا ساتھ تھا ؎

۱۸۴۹ء میں جُونہی پنجاب انگریزوں کے قبضے میں آیا پادری فورمن اور نیوٹن لاہور روانہ کئے گئے تاکہ کالب اور یشُوع کی طرح اِس سرزمین کا پتہ لگائیں - اُنھوں نے اپنی رپورٹ سالانہ اجلاس میں پیش کی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ یہ دونوں مشنری لاہور بھیجے گئے - وُہ ۱۲ نومبر کو لاہور آئے - یہ سفر اُنھوں نے دس دن میں طے کیا جو آج کل چند گھنٹوں میں طے ہوتا ہے - ان کے پاس روپیہ کم تھا لیں اُنھوں نے لاہور کے انگریز مسیحیوں کے نام ایک گشتی چِٹھی لکھی جس کے جواب میں ۴۲۳۸/ روپے جمع ہو گئے اور سکول اسی سال شروع کر دیا گیا - یہ سکول پہلے پہل بیرُون بھاٹی دروازہ شروع کیا گیا - پادری نیوٹن مہاراجہ کے وزیر راجہ سچیت سنگھ کی حویلی میں رہتے تھے جو ہیرا منڈی میں تھی - اس گھر میں وُہ ایک سال کے قریب رہے لیکن یہ گھر صحت کے لحاظ سے ان کو پسند نہ آیا - پس ایک اور گھر کرایہ پر لیا گیا جو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے فرانسیسی اور اطالوی جرنیلوں کے لئے بنوایا تھا - اس کے احاطہ کے اندر ایک پُرانی قبر تھی جس پر ایک بڑا گنبد تھا - اس قبر کے چوگرد آٹھ محراب دار کمرے تھے - یہ محرابیں بند کی گئیں اور ان میں خشت اور کھڑکیاں وغیرہ لگا دی گئیں - اِن کمروں میں پادری فورمن نے رہائش اختیار کی ؎

Henry Lawrence ان دنوں ہنری لارنس اور جان لارنس +
Robert Moutgomery رابرٹ منٹگمری) John
Lawrence

ڈانلڈ میکلوڈ (Donald Mcleod)، ہربرٹ ایڈورڈز (Herbert Edwards)، رینیل ٹیلر (Renyell Taylor)، جان نکلسن (John Nicholson) جیسے دیندار خدا پرست اور خدا خوف حکّام پنجاب میں رہتے تھے۔ اُنہوں نے نیوٹن اور فورمن کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ وُہ جانتے تھے کہ پنجاب کے باشندوں کو مذہبی تعلیم اور بائبل کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ لاہور کے انگریزوں نے بڑی فراخدلی سے مشن کے کام کے لئے چندہ دیا۔ پانچ سال کے اندر اندر زمین خریدی گئی اور سکول اور گھر وغیرہ تعمیر کر لئے گئے ؞

جنوری ۱۸۵۰ء میں سکول کی ابتدا ہُوئی اور اس میں تین طلباء داخل ہُوئے۔ دس روز کے بعد طلبا کی تعداد سات تک پہنچ گئی۔ اِن سات لڑکوں کو پادری فورمن ۴½ گھنٹے اور پادری نیوٹن ۲½ گھنٹے پڑھاتے تھے۔ یہ وُہ زمانہ تھا جب لاہور کے لڑکے سکول میں پڑھنا نہیں چاہتے تھے۔ والدین کا یہ خیال تھا کہ وُہ لڑکوں کو سکول بھیج کر فورمن پر احسان کر رہے ہیں۔ اُس نے طلباء کو وظائف دیئے تاکہ وُہ سکول میں پڑھیں۔ غرض اس کے سامنے بیسیوں مُشکلیں حائل تھیں لیکن اس مردِ خُدا نے ہمّت نہ ہاری۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس نے شہر کے مختلف حِصّوں میں رفتہ رفتہ ایک درجن سے زیادہ برانچ سکول کھول دیئے تاکہ بچّے اُن میں تعلیم حاصل کریں۔ اس نے مزدوروں کے لئے ایک نائٹ سکول کھولا تاکہ وُہ لوگ جو دِن کے وقت مزدوری کرنے کی وجہ سے نہیں پڑھ سکتے رات کو پڑھا کریں ؞

۱۸۵۰ء میں ایسی شدت کی گرمی پڑی کہ الامان۔ لاہور کے

گورے سپاہیوں کا دسواں حصّہ گرمی کی وجہ سے لقمۂ اجل ہو گیا۔ پادری نیوٹن اور اُن کے بیوی بچّے اور پادری فورمن کئی دفعہ بیمار ہو گئے۔ لاہور کا سول سرجن پادری فورمن کو اپنے گھر لے گیا اور سر ہنری لارنس نے پادری نیوٹن اور اُس کے بیوی بچّوں کو اپنے گھر رکھّا ؎

چونکہ پادری نیوٹن اور اُس کی بیوی سخت بیمار ہو گئے تھے لہٰذا وُہ سولہ سال کے بعد ۱۸۵۰ء میں امریکہ رُخصت پر چلے گئے اَب پادری فورمن اکیلے رہ گئے۔ وُہ پانچ گھنٹے سکُول پڑھاتے اور سکُول سے پہلے اور اُس کے بعد گھنٹوں لوگوں سے بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ سکُول کے طلبا کی تعداد تین ماہ میں ۵۷ ہو گئی تھی۔ مسٹر گورو داس منترا جو ایک لائق بنگالی عیسائی تھے اِس سکُول کے ہیڈ ماسٹر مقرّر ہُوئے۔ ۱۸۵۲ء میں رنگ محل خریدا گیا اور مشن سکول وہاں مُنتقل کر دیا گیا۔ ۱۸۵۶ء میں اس سکُول کے طلبا کی تعداد ساڑھے سات سَو تھی۔ فورمن کہتا تھا کہ مشن سکُول اور کالج انجیل کی اشاعت کے وسیلے ہیں کیونکہ ان اداروں کے طلبا اور طالبات گھروں میں جا کر اپنے والدین اور بھائیوں بہنوں کو انجیل کے پیغام کی خبر سُناتے ہیں ؎

جب پنجاب کے حُکّام نے دیکھا کہ فورمن کو سکُول چلانے میں کامیابی حاصل ہو رہی ہے تو گجرات اور گوجرانوالہ کے ڈپٹی کمشنروں نے درخواست کی کہ وُہ اُن جگہوں کے مدرسوں کی بھی نگرانی کرے۔ فورمن نے اس تجویز کو خُوشی سے منظور کیا۔ ایک دفعہ جب وُہ منادی کرتا ہُوا راولپنڈی نکل گیا تو وہاں کے ڈپٹی کمشنر نے اُس شہر کے تین سکُول بھی اُس کی زیرِ نگرانی کر دیئے۔ گویا وُہ پنجاب کے تعلیمی محکمہ کا پہلا

ڈائرکٹر تھا ؛

فورمن نے لاہور میں ۵۴ سال تک تعلیمی کام کیا لیکن اِس کی خُوشی انجیل کی اشاعت میں تھی۔ وُہ روزانہ انجیل کی منادی کیا کرتا تھا اور لوہاری دروازہ۔ دہلی دروازہ۔ چوک جھنڈا۔ رنگ محل۔ ہیرامنڈی میں اور شارع عام پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نجات کا پیغام روزمرّہ بلاناغہ سُناتا تھا۔ جب وُہ تھک کر چُور ہو جاتا تو انجیل کا پیغام سُنانے میں اُس کو تازگی ملتی تھی۔ چنانچہ جب دِن بھر کا کام کر کے وُہ تھک جاتا تو شام کو شہر کی کسی طرف نِکل جاتا اور منادی کر کے تازہ دم ہو کر خوش و خرّم واپس آتا۔ مابعد کے ایّام میں جب اُس کے طلبا بڑے عُہدوں پر مامُور ہُوئے تو وُہ منادی کے بعد باہر سے بنچ اُٹھا کر اندر رکھنے میں فورمن کی مدد کرنا فخر سمجھتے تھے ؛

سکُول اور منادی کے کام کے علاوہ وُہ شہر کے گلی کُوچوں میں ٹریکٹ۔ ہینڈبل اور کتابیں تقسیم کیا کرتا تھا۔ وُہ دکانداروں کی دُکانوں پر بیٹھ جاتا اور اُن سے مذہبی اور دینی مسائل پر بات چیت شروع کر دیتا تھا۔ شہر کے اندر اُس نے دہلی دروازے کے نزدیک ایک شفاخانہ بھی اِسی غرض کے لئے کھولا۔ اُس نے عورتوں کے لئے بھی ایک شفاخانہ کھول دیا ؛

فورمن کو منادی کرنے کا اس قدر شوق بلکہ جنُون تھا کہ بعض اوقات وُہ ہردوار تک اور راولپنڈی تک منادی کرتا ہُوا نکل جاتا تھا۔ لاہور کے ضلع کے مختلف گاؤں اور شہروں میں اُس نے کئی بار

دَورہ کِیا تاکہ انجیل کا پیغام لوگوں کو سُنائے۔ فورمن فصیح البیان شخص نہیں تھا لیکن اُن کی باتوں میں تاثیر تھی کیونکہ اُس کے الفاظ اُس کے دِلی جذبات کے ترجمان ہوتے تھے ❖

لوگ عموماً خاموشی اور سکون سے اُس کی منادی کو سُنتے تھے کیونکہ وُہ "بابا فورمن" کی عزّت کرتے تھے۔ لیکن بعض اوقات غُنڈے شور مچاتے۔ اُس کو بے عزّت کہتے اور گالیاں دے کر اُس کا مضحکہ اُڑاتے تھے۔ ایسے موقعوں پر فورمن نہایت حلیمی اور انکساری سے اُن سے پیش آتا جس سے عوام النّاس کے دِلوں پر بڑا اثر ہوتا تھا ❖

اکبری دروازہ کے پاس کشمیری مسجد میں ایک مولوی مسلمان نوجوانوں کو قرآن پڑھاتا تھا اور اُن کو اُکسایا کرتا تھا کہ پادری فورمن پر اعتراضوں کی بوچھاڑ کریں۔ جہاں فورمن جاتا یہ جوان وہاں ضرور پہنچتے شور مچاتے اور فورمن کو خواہ مخواہ دِق کِیا کرتے تھے۔ بعض اوقات مولوی خود اُن کے ہمراہ جاتا لیکن فورمن نہایت خندہ پیشانی سے اُن کی گالیاں سہتا اور اُن کے اعتراضوں کے جواب دیتا تھا۔ وُہ بعض اوقات مذاق کر کے بات ٹال دیتا اور اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہتا "دیکھو۔ جوان۔ جب تمہاری ٹھوڑی پر میری طرح بال ہونگے تب آکر مجھ سے بحث کرنا"۔ ایک مسلمان فقیر کا دستور تھا کہ ڈاکٹر فورمن کو بازاری منادی کے وقت ہمیشہ تنگ کرتا تھا۔ یہ فقیر مابعد کے زمانہ میں اُس کے دفن ہونے کے وقت قبر پر سر جھکائے نہایت ادب سے کھڑا دیکھا گیا ❖

جب کبھی فورمن منادی کرنے شہر کو جاتا تو لڑکے اُس کے پیچھے

ہو لیتے اور "بابا فورمن"۔ "بابا فورمن" چلا چلا کر اُس کے پیچھے دَوڑتے۔ بعض اُس کے کوٹ کو پکڑ لیتے اور ٹریکٹ مانگتے اور خاص کر رنگین تصویروں کے لئے ضِد کیا کرتے تھے ؛

اگرچہ پادری فورمن نے خود بہت کم ٹریکٹ لکھے تاہم بہت کم مشنری ایسے ہوں گے جنھوں نے ایسی کثرت سے ٹریکٹ تیار کیئے ہونگے۔ اُس کا یہ معمول تھا کہ دینی کُتب اور رسائل کو پڑھ کر اُن مقامات پر نشان لگا دیتا جو اُس کے خیال میں ٹریکٹ کے قابل ہوتے اور نوجوان مسیحیوں کو کہتا کہ کِسی مُنشی کی مدد سے اُن کا اُردو میں ترجمہ کر دیں۔ جب ترجمہ تیار ہو جاتا تو اُس کو وُہ خود دیکھتا اور ہزاروں کی تعداد میں چھپوانے کے لئے دے دیتا۔ بائبل سوسائٹی اور ٹریکٹ سوسائٹی اُس کی ہمیشہ تک مرہُونِ منّت رہیں گی ؛

۱۸۵۵ء میں امریکن مشن کا سالانہ اجلاس ہُوا مختلف مقامات سے مشنری آئے۔ سالانہ اجلاس کے بعد سب شام کو بازاری منادی کے لئے گئے۔ ان دِنوں میں جب مشنری سالانہ جلسوں کے لئے جاتے تو راہ میں مختلف گاؤں میں منادی کرتے۔ انجیل کا پیغام دیتے اور کتابیں تقسیم کئے جایا کرتے تھے ؛

۱۸۵۶ء کی ابتدا میں پادری نیوٹن لُدھیانہ کے ضلع کے مختلف گاؤں میں انجیل کا جانفزا پیغام دیتا گیا۔ پھر وُہ لاہور گیا اور اپنے خاندان کو مسز فورمن کے پاس چھوڑ کر اور پادری بارنس (Barnes) اور پادری لونٹال (Lowenthall) کو ساتھ لے کر ارد گرد کے گاؤں میں چلا گیا تاکہ اُن نوجوان مشنریوں کو تبلیغی کام کرنے کا سبق دے

پادری فورمن اِن دِنوں ایک پُرانی مسجد میں رہتے تھے۔ اِس زمانہ میں لاہور شہر کے مشرق کی جانب کھنڈرات پڑے تھے جن میں سے چند پادری فورمن نے خرید لئے تھے۔ یہ مسجد اُن کھنڈرات میں سے ایک تھی۔ جب ریلوے نے یہ زمین مشن سے مبلغ سترہ ہزار روپیہ کے عوض خرید لی۔ تو مشن نے موجودہ مشن احاطہ خرید لیا۔

اِس سال پادری نیوٹن سباتو سے جوالا مُکھی کے میلہ پر گیا۔ اِن دِنوں مشنری میلوں میں جا کر انجیل جلیل کی منادی کیا کرتے تھے۔ پادری فورمن بھی لاہور سے اِس میلہ میں گیا۔

۱۸۵۷ء میں فساد برپا ہوا۔ لُدھیانہ کا گرجا آگ کی نذر کر دیا گیا۔ عیسائیوں کے گھر اور چھاپہ خانہ لُوٹ لئے گئے لیکن خُدا نے یہ فضل کیا کہ کسی جان کا نقصان نہ ہُوا۔

فورمن کہتا تھا کہ جس طرح ایّامِ فساد میں دہلی کی فصیل پر مُفسدوں کا جھنڈا اُتارنے کے لئے اور فساد فرو کرنے کے لئے ہزاروں جانیں تلف ہُوئیں اور لاکھوں روپیہ ضائع ہُوئے اسی طرح ہندوستان میں شیطان کا جھنڈا اُتارنے کے لئے اور مسیح کا جھنڈا گاڑنے کے لئے بھی ہزاروں جانوں اور لاکھوں روپوں کا کام آنا ضروری ہے۔

جولائی ۱۸۵۵ء میں فورمن نے پادری جان نیوٹن کی سب سے بڑی لڑکی مارگریٹ کے ساتھ بیاہ کیا۔ ان کا گھر مہمان نوازی کے لئے مشہور تھا۔ اس وقت فورمن ۲۵ برس کا اور اس کی بیوی بیس برس کی عُمر کی تھی۔

۱۸۶۲ء میں کالج قائم ہُوا اور فورمن نے نہایت سرگرمی

اور جوش سے اس کو شروع کیا۔

لاہور کے انگریز مسیحی امریکن مشن کو فراخدلی سے چندہ دیتے تھے۔ اُن کا سالانہ چندہ چار اور پانچ ہزار روپیہ ہوتا تھا۔ مسٹر برینڈرتھ (Brandreth) کئی سال تک رنگ محل سکول کے لئے یک صد روپیہ سالانہ دیتا رہا اور جب کالج کھُلا تو یک صد روپیہ ماہوار اُس کے لئے بھی دیتا رہا۔ یہ شخص چیف کورٹ کا جج تھا۔

۱۸۶۴ء میں پادری فورمن کے پاس ایک بڑا سکول ۲۰ برانچ سکول اور ایک نائٹ سکول تھے جن میں ۱۸۰۰ طلبا پڑھتے تھے۔ اسی سال گورنمنٹ کالج قائم ہوا اور اسی سال مشن کالج کھولا گیا۔ ڈاکٹر کے سی چیٹرجی۔ پادری ڈبلیو۔ جے موریسن (W. J. Morrison) پادری جان نیوٹن اور پادری سی۔ بی۔ نیوٹن کالج کے ابتدائی سالوں میں کالج کے پروفیسر تھے۔ ان دنوں میں لاہور کی آب و ہوا صحت کے لئے بڑی مضر تھی اور طلبا اکثر بیماری کی وجہ سے غیر حاضر رہتے تھے۔

۱۸۶۶ء میں مشن سکول کے تین لڑکے مسیحی ہو گئے۔ لاہور کے باشندوں میں سے یہ پہلے پھل تھے۔ پادری پی۔ سی اُپل ان میں سے ایک تھا۔ اس پر لاہور شہر میں بڑا شور اور غوغا ہوا۔ کالج کے طلبا نے پڑھنا چھوڑ دیا اور کالج میں صرف سات طلبا رہ گئے۔ ہندو۔ مسلمان ہزاروں کی تعداد میں مشن احاطہ میں جمع ہو گئے۔ لیکن اس جوش و خروش کے باوجود پادری فورمن ذرا نہ گھبرایا بلکہ نہایت اطمینان قلب سے یہ لمبا چوڑا جوان پادری اِدھر اُدھر ہجوم کے درمیان آتا جاتا رہا۔

اور ہر طرف مُسکراتا ہُوا نکل جاتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جوش و خروش نہایت آسانی سے فرد ہو گیا ؞

فورمن کی صحت گو بہت اچھّی تھی لیکن وُہ اس قدر کام کی تاب نہ لا سکی۔ وُہ ۱۸۶۷ء میں اُنیس سال کے بعد پہلی دفعہ امریکہ رُخصت پر گیا۔ ۱۸۶۹ء میں خبر آئی کہ مسٹر ہنری (Henry) جو فورمن کی جگہ کالج کا پرنسپل ہُوا تھا بعارضۂ ہیضہ راہیٔ مُلکِ عدم ہو گیا ہے۔ پس فورمن نے واپس آنے کی تیاری کی۔ اُس کے اس وقت سات بچّے تھے جن میں سے چار کو وُہ امریکہ چھوڑ آیا۔ اُس کی بیوی نے ان چار بچّوں میں سے تین کو پھر کبھی نہ دیکھا۔ کیونکہ وُہ ۱۸۷۸ء میں اپنے مُنجی کے پاس چلی گئی۔ دو سال کے بعد فورمن نو ماہ کے لئے دُوسری دفعہ رُخصت پر گیا اور واپس آکر ۱۸۸۲ء میں اُس نے دُوسری شادی کر لی ؞

جب فورمن ۷۳ سال کا ہُوا تو وُہ ۱۸۹۴ء میں موسم گرما کاٹنے کے لئے کسولی گیا۔ وہاں وُہ بیمار ہو گیا۔ لیکن ان آخری ایّام میں بھی پادری فورمن منادی کے کام میں منہمک تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ چُونکہ وُہ کمزوری کی وجہ سے بہت نہ چل سکیگا۔ وُہ کسولی سے لاہور جاتے ہی ایک رکشا بنوائیگا تاکہ اُس میں بیٹھ کر شہر جائے اور ہینڈ بل اور ٹریکٹ تقسیم کیا کرے۔ اسی آخری بیماری کے ایّام میں جب وُہ تھوڑا بہت چلنے کے قابل ہُوا تو اُس نے اپنی کتاب تیغ و سپر عیسوی کی نظر ثانی شروع کی ؞

اُس کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ اُس کے بیٹوں اور

بیٹیوں کو بذریعہ تار بُلایا گیا۔ اور وُہ اُس کی وفات سے پہلے پہنچ گئے ❖

پادری فورمن سوموار کے روز ۲۷ اگست کے دن اپنے مُنجی کے پاس چلا گیا۔..... فورمن کو لاہور سے بڑی محبّت تھی۔ وُہ کہا کرتا تھا کہ مجھے لاہور کی خاک سے بھی محبّت ہے۔ کاش کہ میرا بدن اِسی خاک کے سُپرد ہو پس اُس کی لاش کسولی سے جمعرات کے روز ۳ بجے بعد از دوپہر لاہور لائی گئی۔ لاہور کے اسٹیشن پر ہزاروں کا اجتماع تھا وہاں سے اُس کو کندھوں پر اُٹھا کر مِشن احاطہ میں لے آئے۔ گرجا گھر میں جنازہ کی نماز پڑھی گئی اور مرحُوم کی یادگاری میں چند تقریریں ہُوئیں ہزاروں ہندوُ مُسلمان، بُوڑھے اور جوان حاضر تھے جن کی آنکھوں سے آنسوُ ٹپک رہے تھے۔ ہندوؤں اور مُسلمانوں نے اُس کی لاش کو کندھوں پر اُٹھا کر قبرستان پہنچایا۔ لاہور کے غیر مسیحیوں نے بڑے زور سے درخواست کی کہ لاش شہر کے بازاروں میں سے ہو کر قبرستان جائے۔ ہزاروں کی ہجُوم اس بات کی گواہ تھی کہ چارلس ولیم فورمن زندگی بھر اپنے مُنجی کا وفادار خادم رہا ہے ❖

پینتالیس سال پہلے جب فورمن لاہور آیا تھا تو وُہ اجنبیوں کے درمیان ایک اجنبی تھا جس کی زبان، طرزِ رہائش اور مذہب سے لوگ ناواقف تھے۔ نہ کوئی مسیحی کلیسیا تھی نہ کوئی مِشن سکول تھا لیکن اُس کی وفات کے وقت ایک زبردست کلیسیا قائم تھی۔ مِشن سکوُل، کالج اور شفاخانے تھے اور اُس کے ہزاروں طلبا پنجاب بھر میں تھے ❖

فورمن کالج کی طفیل ہزاروں اشخاص تعلیم پا گئے۔ پنجاب کے مختلف محکمہ جات کے سر برآوردہ اصحاب پادری فورمن کے شاگرد تھے جو اُس کی بے ریا زندگی سے متاثر ہُوئے۔ ہزاروں نے انجیل جلیل کا جانفزا پیغام سُنا۔ مُشکل سے کوئی سفید پوش تعلیم یافتہ شخص ایسا ہوگا جس سے فورمن واقف نہ تھا۔ راہ میں جب وُہ کسی سے مِلتا تو ملاقات کے لئے ہمیشہ ٹھہر جاتا اور ہر ایک سے اُس کے کام کاج خاندان وغیرہ کی نسبت سوال کرتا۔ اس زمانہ میں وُہی ایک شخص تھا جس نے سب سے زیادہ پنجاب کو سدھارا تھا۔ جو شخص فورمن کو ایک دفعہ دیکھ لیتا اُس کا یہی جی کرتا کہ اُس کو دوبارہ مِلے۔ وُہ قد میں چھ فٹ سے زیادہ لمبا اور چوڑا تھا۔ اُس کی سفید داڑھی چھاتی سے نیچے لٹکتی تھی۔ اُس کی نیلی آنکھیں اور کشادہ پیشانی نہایت خوش نما تھی۔ اُس کی یادگار میں لاہوری دروازہ کے نزدیک جہاں وُہ انجیل جلیل کی منادی کیا کرتا تھا فورمن چیپل بنوایا گیا +

پادری رابرٹ کلارک

REV. ROBERT CLARK.

(۱)

پادری رابرٹ کلارک پادری ہنری کلارک (Henry Clark) کا بیٹا تھا۔ اس کی ماں انگلستان کے ایک قدیم اور معزز خاندان

کی لڑکی تھی۔ وُہ ۲۵ جولائی ۱۸۲۵ء کے روز ہارمسٹن (HARMSTON) میں پیدا ہُوا۔ اُس کے چار بھائی اور تین بہنیں تھیں ÷

رابرٹ لڑکپن ہی سے تمام خاندان میں ہوشیار اور ذہین خیال کیا جاتا تھا۔ اُس کی صحت بہت اچھی تھی اور اُس کو کھیلوں کا بڑا شوق تھا۔ لڑکپن ہی سے وُہ خُدا کے خوف میں بڑھتا گیا۔ لیکن اُس کو مِشنری بننے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب وُہ لڑکا ہی تھا وُہ اپنے والدین کے ساتھ سی۔ ایم۔ ایس کے ایک جلسہ سے واپس آ رہا تھا۔ راہ میں اُس کے باپ نے اپنی بیوی کو کہا کہ اگر میرے بیٹے مِشنری خدمت کرنا چاہیں تو مَیں خوشی سے سب کو اجازت دے دُونگا۔ رابرٹ نے یہ سُن کر جواب دیا کہ مَیں اُن بیٹوں میں سے نہیں ہُوں گا کیونکہ نہ تو مَیں قسیس بننا چاہتا ہُوں اور نہ مِشنری ÷

جب رابرٹ جوان ہُوا تو اُس کو تجارت کرنے کا شوق ہُوا۔ اُس کے والدین نے اُس کو جرمنی بھیجا تاکہ تجارت کی تعلیم حاصل کرے۔ ۱۸۴۲ء میں وُہ واپس انگلستان آیا تو لِورپول (Liverpool) ایک بڑے تاجر کے ہاں ملازم ہو گیا۔ اور نہایت کامیابی سے کام چلاتا رہا۔ انہی دِنوں میں اُس کو خُدا کی نزدیکی زیادہ حاصل ہوتی گئی اور خُدا کی رضا اُس کی نصب العین ہو گئی۔ اس قُربت و رفاقت کی وجہ سے اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ وُہ تجارت کو چھوڑ کر خُدا کا کام کریگا۔ پس اُس کے والدین نے اُس کو کیمبرج یونیورسٹی میں تحصیل علم کے لئے بھیجا۔ وُہ ۱۸۴۷ء میں ٹرنٹی کالج کیمبرج میں داخل ہو گیا

۱۸۵۰ء میں اُس نے بی۔اے پاس کیا اور فہرست میں وُہ اٹھائیسواں "رینگلر" (Wrangler) تھا۔

اپریل ۱۸۵۰ء میں اُس نے اپنے والدین کو لکھا کہ مَیں مشنری بننا چاہتا ہُوں۔ جب اُنہوں نے اجازت دے دی تو اُس نے سی۔ایم۔ایس کے ساتھ خط وکتابت شروع کر دی۔ ان دِنوں انگریزوں نے پنجاب پر نیا نیا قبضہ جمایا تھا اور مسیح کی انجیل کے سپاہیوں کی یہاں سخت ضرورت تھی پس چرچ مشنری سوسائٹی نے رابرٹ کلارک اور پادری ٹامس ہنری فِٹز پیٹرک (Thomas Henry Fitzpatrick) اور اُس کی بیوی کو پنجاب کے پہلے مشنری مقرر کیا۔ روانہ ہونے سے پہلے الوداعی جلسے پر ڈاکٹر فینڈر نے اُن کو ہدایات دیں۔ وُہ ۲۹ اگست ۱۸۵۱ء کو ہندوستان کے لئے براہ راسِ اُمّید روانہ ہُوا اور ۱۰ جنوری ۱۸۵۲ء کو کلکتہ پہنچا۔ اور دو ہزار میل کے قریب کشتیوں، ڈولیوں، بَیل گاڑیوں میں سفر کرتا ہُوا اپریل میں امرتسر پہنچ گیا۔

(۲)

سکھوں کے عہدِ حکومت میں برطانوی مقبوضات کی سرحد لودھیانہ تھی۔ ۱۸۳۶ء سے اس شہر میں امریکن پرسبٹیرین مشن کے مشنری رہائش پذیر تھے۔ جب ۱۸۴۹ء میں پنجاب فتح ہُوا تو پادری نیوٹن اور پادری نورمن (Newton & Forman) پادری گولک ناتھ کے ساتھ پنجاب میں داخل ہُوئے اور اُنہوں نے پنجاب میں مشنری کام شروع کر دیا۔

پنجاب کے بعض انگریز حاکم چاہتے تھے کہ چرچ مشنری سوسائٹی پنجاب میں انجیل جلیل کا پیغام سُنانے کے لئے مشنری روانہ کرے۔ لیکن بعض حکّام ایسے بھی تھے جو کہتے تھے کہ ایسا کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے اور سلطنت کے قیام کے لئے یہی بہتر ہے کہ اس مُلک میں کسی مشنری کا قدم نہ آئے۔ لیکن دیندار اور دُوربین حُکام کی رائے غالب آئی اور اُنہوں نے سی۔ ایم۔ ایس سے درخواست کی کہ کسی مشنری کو بھیجا جائے۔ پریسبیٹیرین مشنریوں نے بھی دعوت دی۔ کہ سی۔ ایم۔ ایس کے مشنری پنجاب میں اُن کے ہمخدمت ہوں ایک صاحب نے دریا دِلی سے اِس شرط پر روپیہ دیا کہ مشنری یکم مارچ ۱۸۵۲ء تک پنجاب میں پہنچ جائیں۔ پادری نیوٹن نے بڑی فیاض دِلی سے اِس شرط کی اطلاع سی۔ ایم۔ ایس کو دی اور لکھا کہ پنجاب میں مشنری روانہ کرنے میں دیر نہ کریں ❖

جب رابرٹ کلارک امرتسر پہنچا تو پادری فٹزپیٹرک اور اُس کی بیوی نے (جو امرتسر میں پہلے مقیم تھے) اور ہنری لارنس اور جان لارنس (Henry Lawrence + J. Lawrence) نے (جو پنجاب کے حُکامِ اعلیٰ تھے) اس کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا ❖

ان دِنوں میں امرتسر میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جس میں یورپین رہ سکے۔ رام باغ میں ایک چھوٹا گھر تھا جو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بنوایا تھا اس میں رابرٹ کلارک نے سکونت اختیار کی۔ پنجاب کی مذہبی تاریخ میں یہ گھر ایک دائمی یادگار رہیگا کیونکہ اسی گھر میں رابرٹ کلارک نے پنجاب مشن کے متعلق تجاویز سوچیں۔ اس کے

اردگرد وُہ لوگ بستے تھے جن کی زبان، طریقِ معاشرت سے اور جن کے مذاہب سے وُہ ناآشنا تھا۔ دَورِ حاضرہ میں پردیسیوں کے لئے زبان کی تحصیل کے لئے قواعد اور لغات وغیرہ ہیں لیکن اُس زمانہ میں یہ چیزیں موجُود نہ تھیں ؂

پنجاب کے مسیحیوں نے مِشنریوں کی بڑی مدد کی۔ انگریز مسیحیوں نے فراخدلی سے چندہ دیا اور عمارتیں کھڑی کر دیں۔ ہندوستانی مسیحی مِشنریوں کے تبلیغی کام میں ہمخدمت ہو گئے۔ اُن میں سے ایک پادری عماد الدین تھے اور دُوسرے داؤد سنگھ تھے۔ داؤد سنگھ پہلا سِکھ تھا جس نے مسیحی دین اختیار کیا۔ وُہ ایک فقیر تھا جو پھرتا پھرتا کانپور چلا گیا تھا اور وہاں اُس نے ایس۔پی۔جی کے مشنریوں سے انجیل جلیل کا پیغام سُن کر مسٹر پرکنس کے ہاتھوں بپتسمہ پایا تھا۔ کانپور والوں نے خُوشی سے اُس کو رابرٹ کلارک کو دے دیا تاکہ وُہ اپنے ہموطنوں کو انجیل کا جانفزا پیغام سُنائے۔ ایک اَور داؤد سنگھ تھا جو ہندوستان کا رہنے والا تھا۔ یہ شخص انگریزوں کے خلاف مہاراجہ کی فوج میں لڑتا رہا۔ اِس نے بنارس میں ستمبر ۱۸۵۰ء میں بپتسمہ پایا۔ یہ تینوں ہندوستانی کلارک کے مددگار تھے ؂

اپریل ۱۸۵۲ء میں رابرٹ کلارک نے امرتسر شہر میں ایک سکُول کھولا جس میں پہلے دن پچاس طالب عِلم داخل ہو گئے۔ ان طلبا میں پنجابی، افغان، ہندوستانی۔ کشمیری، ہندُو، سِکھ اَور مُسلمان تھے۔ طلبا کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ سکُول شروع ہونے سے پہلے روزانہ کتابِ مقدّس کی تعلیم دی

جاتی تھی ۔ ان طلبا کے ذریعہ انجیل جلیل کا پیغام امرتسر کے باشندوں میں پھیلنے لگا ۔

۲۰ اکتوبر ۱۸۵۲ء کے روز امرت سر کے بازار میں پہلی دفعہ انجیل کا نجات بخش پیغام رابرٹ کلارک نے پنجابی زبان میں سنایا ۔ ۱۸۵۲ء میں شہر کی فصیل کے باہر ایک بڑا قطعہ بنجر زمین کا نہایت کم قیمت پر خریدا گیا جہاں روز روشن میں لوگ ڈاکوؤں کے خوف کے مارے نہیں جاتے تھے ۔ وہاں گھر بنائے گئے اور باغ لگائے گئے اور ۱۸۵۳ء کے شروع میں اس قطعہ زمین میں رابرٹ کلارک نے بڑ کا مشہور درخت لگایا جو آج تک امرت سر کے آرچ ڈیکن کے احاطہ میں کھڑا ہے ۔

امرت سر کو مرکزی مقام بنا کر مشنری اصحاب ارد گرد کے شہروں قصبوں اور گاؤں میں جو دریائے ستلج اور پشاور کے درمیان واقع ہیں ، دورہ کر کے انجیل جلیل کا پیغام لوگوں کو سنانے لگے ۔ وہ اناجیل کو تقسیم کرتے اور دیگر مذہبی کتب کو فروخت کرتے تھے ۔

پہلا شخص جو امرتسر میں مسیحی ہوا ایک سکھ گیانی تھا جس کا نام کیسر سنگھ تھا ۔ ۳ جولائی ۱۸۵۳ء کے روز اس نے بپتسمہ پایا ۔ اس کا نام شمعون رکھا گیا ۔ وہ امرتسر کے نزدیک ایک گوردوارہ کا گیانی تھا ۔ اس نے اپنے گھر بار ، کام وغیرہ کو مسیح کی خاطر چھوڑ دیا ۔ ان دنوں میں نہ کوئی عیسائیوں کا گرجا تھا اور نہ عیسائی جماعت تھی ۔ وہ تمام پنجاب میں اکیلا ہندوستانی عیسائی تھا ۔ اس کے بعد سکول کے طلباء عیسائی ہونے شروع ہوئے ۔ ایک ماہ کے بعد ایک برہمن طالب علم عیسائی ہو گیا ۔ ایک اور ماہ کے بعد ایک سکھ اور ایک ہندو طالب علم

مسیحی کلیسیا میں شریک ہو گئے۔ سال کے ختم ہونے پر مولوی عزیز اللہ بیگ عیسائی ہو گیا۔ یہ شخص مُغل تھا اور شاہانِ دہلی کے اتالیق کا بیٹا تھا۔ پندرہ برس کی عُمر میں وُہ حافظِ قرآن تھا اور اس وقت وُہ صرف تیس سال کا تھا لیکن اسلامی الٰہیات کا عالم تھا۔ وُہ پادری فرٹز پیٹرک کو زبان سکھانے کے لئے امرت سر آیا تھا۔ اور اعتراضات کرنے کی خاطر کتاب مقدس کا مطالعہ کرنے لگا لیکن مسیحی تعلیم نے اُس کے دِل میں گھر کر لیا۔ تثلیث فی التوحید کا مسئلہ نہ سمجھنے کی وجہ سے وُہ دیر تک مُسلمان رہا لیکن آخر خُدا کی مرضی کو مقدّم جان کر وُہ مسیحی کلیسیا میں داخل ہو گیا۔ اس پر امرت سر شہر میں بڑا شور اور غوغا مچا لوگ اعتراض کرنے کی خاطر انجیل شریف کا مطالعہ کرنے لگے اور مولوی صاحب کا گھر ہر وقت معترضین کے ہجُوم سے بھرا رہتا۔ مولوی صاحب مرحوم بازاری منادی بھی کرتے اور اعتراضات کی بھرمار سے اپنے مخالفین کا ناک میں دم کر دیتے۔ شہر میں سخت مخالفت شروع ہو گئی۔ طلبا کو لوگ لعن طعن کرتے تھے تاکہ وُہ کسی طرح سکول چھوڑ دیں۔ مشنریوں کو اور مسیحی واعظین کو غلیظ گالیاں دی جاتیں۔ ایک دفعہ کشمیری مُسلمانوں نے ایک واعظ کو خُوب پیٹا جو فرطِ جوش میں کسی جگہ اکیلا وعظ کر رہا تھا۔ لیکن کلیسیا ان رُکاوٹوں کے باوجُود دِن دُگنی اور رات چوگنی ترقّی کرتی گئی۔ پنجاب کے مختلف شہروں میں انجیل کی منادی ہوتی گئی۔ سیالکوٹ سے جو پنجاب کا تیسرا شہر ہے درخواست آئی اور وہاں کے یورپین اصحاب نے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار دینے کا وعدہ کیا۔ راولپنڈی سے خبر آئی کہ وہاں کے پچّاس سِکھ اور ہندو ایک ٹریکٹ پڑھ کر اپنے مذہب کی بطالت دیکھ کر اپنے مذاہب سے بیزار

ہو گئے ہیں۔ پنجاب کے شہروں میں خدا کے کلام کا بیج سکھوں، ہندؤں اور مسلمانوں میں سے سو گنا۔ ساٹھ گنا اور تیس گنا پھل لانے لگا۔

(۳)

سکھ مذہب کے حصین قلعہ یعنی امرت سر میں جب صلیب کا علم لہرانے لگا تو اسلام کے حصین قلعہ یعنی پشاور سے دعوت آئی کہ صلیب کے علمبردار وہاں جائیں۔

جب ۱۸۳۹ء کی خوفناک لڑائی کے بعد انگریز کابل میں داخل ہوئے تو اس سال کپتان رچرڈ ربین (Richard Raban) اور دیگر فوجی افسروں نے یہ تحریک شروع کی کہ چرچ مشنری سوسائٹی کابل اور قندھار میں انجیل جلیل کی خدمت کا کام شروع کرے لیکن برطانوی حکومت نے اس بات کی سخت مخالفت کی یہاں تک کہ انجیلیں جو اس غرض سے افغانستان روانہ کی گئی تھیں واپس ہندوستان بھیجی گئیں۔ لیکن خدا کی قدرت کا عجیب کرشمہ دیکھو کہ جو قافلہ انجیلوں کو واپس لا رہا تھا وہ لوٹا گیا اور انجیلیں افغانستان ہی محفوظ رہیں۔

جب ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا تو پشاور میں انگریزی افواج سکونت گزیں ہو گئیں۔ ان افواج کے افسر دیندار اور خدا پرست لوگ تھے اور بہت چاہتے تھے کہ انجیل کا نجات بخش پیغام افغانوں کو سنایا جائے۔ لیکن ان دنوں میں کرنیل میکی سن (Col. Mackeson) سرحد کا چیف کمشنر تھا۔ اس نے یہ ٹھان لی کہ کسی مشنری کو دریائے سندھ کے پار نہ آنے دے۔ ایک دفعہ جب اس نے امرت سر مشن کے لئے چندہ دیا تو ساتھ ہی لکھ بھیجا کہ وہ اس

موقعہ پر مَیں آپ کو سرکاری طور پر یہ اطلاع دیتا ہُوں کہ سیاسی وجُوہ کے سبب مَیں اِس بات کا مخالف رہُونگا کہ کوئی مِشنری دریائے سِندھ کو پار کرے"۔ اس کے چند ہفتے بعد کرنیل میکی سَن اپنے گھر کے برآمدے میں بیٹھا ہُوا تھا کہ ایک پٹھان نے باریابی کی درخواست کی اور عرضی پیش کرتے وقت اُس کے پیٹ میں چھُرا بھونک دیا۔

اِس مقام پر انگریزی گورنمنٹ اور مِشنوں کے باہمی تعلّقات کا ذکر خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ اس گورنمنٹ کی پالیسی بالعموم مِشنوں کے قیام اور مسیحیّت کی اشاعت کے خلاف تھی۔ اس کا مقصد زر اور غلبۂ طاقت کا حصُول تھا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر اس کے ملازمین اور افسر ہر قسم کے جائز اور ناجائز وسائل بیدریغ استعمال کرتے تھے اور چُونکہ یہ ناجائز طریقے مسیحی اصُول کے خلاف تھے بعض دلیر جوشیلے مشنری گورنمنٹ کے خلاف بولنے سے نہ ہٹ سکتے تھے۔ مثلاً پنجاب مشن نیوز کا ایڈیٹر (ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک) ایک موقعہ پر لکھتا ہے "اس مُلک میں ایک نام نہاد مسیحی گورنمنٹ کا وطیرہ جو اُس نے مِشنوں کے ساتھ روا رکھا ہُوا ہے ہر سچّے مسیحی کے لئے نہایت رنج دِہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جس طرح مخزن مسیحی کہتا ہے اس مخالفت کی جڑ گورنمنٹ کا غیر مسیحی رویّہ ہے۔ چنانچہ الہ آباد مشنری کانفرنس میں ایک تقریر کے دَوران میں پادری ہیبٹ نے گورنمنٹ کی مذمّت کی کہ اس نے ہندوستان میں آبکاری کا محکمہ۔ افیون کی تجارت۔ ہندوستان کے غربا کو غیر ممالک میں مزدور بھرتی کراکے اُن کو غلامی کی زنجیروں میں مقیّد کرنا وغیرہ وغیرہ روا رکھا ہے۔ دیگر مشنریوں نے بھی اِس جلسہ میں

گورنمنٹ کی مذمت کی بلکہ ایک نے تو اس کو اسلامی گورنمنٹ کہہ دیا"
(۱۵ ستمبر ۱۸۸۸ء)۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گورنمنٹ در پردہ مسیحیت کی حامی ہے لیکن آگے چل کر ہم بتلائینگے کہ یہ محض خام خیالی ہے۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک ایک اور جگہ لکھتا ہے:۔ "جو طلبا گورنمنٹ کے تعلیمی اداروں میں پڑھتے ہیں اُن کے لئے کتاب مقدس ایک سربمہر کتاب ہے۔ اُن کو سائنس۔ فلسفہ۔ ریاضی وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن جو کتاب اُن کے اور قوم کے اخلاق کو سدھارنے والی ہے اُن سے ان کو محروم رکھا جاتا ہے حالانکہ جاپان کی گورنمنٹ نے انجیل کو پڑھانا تمام سکولوں میں جبریہ کر دیا ہُوا ہے۔ اگر مذہبی نکتۂ نظر کو بالائے طاق رکھا جائے تو بھی کتابِ مقدس کی زبان اعلےٰ ترین قسم کی ٹکسالی زبان ہے اور مُلک کے اخلاق کو بھی بلند کرنے والی ہے (۱۵ نومبر ۱۸۸۸ء)۔

حق تو یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے فسادات کی ذمہ دار برطانوی گورنمنٹ کی وُہ غاصبانہ پالیسی تھی جس کی وجہ سے انگریز مختلف ہندوستانی آزاد خودمختار ریاستوں کو یکے بعد دیگرے ہڑپ کرتے چلے جا رہے تھے۔ جس برطانوی گورنمنٹ کے سفیر شہنشاہ اکبر کے دربار میں ڈیڑھ سو سال پہلے بیم و رجا کی حالت میں دست بستہ کھڑے رہتے تھے اب اُسی گورنمنٹ کے افسر مغل شہنشاہ کو کٹھ پُتلی بنا کر رکھتے تھے۔ جو شئے بھی اُن کے اقتدار کی راہ میں حائل ہوتی تھی اُس کو بے دریغ پاؤں تلے پامال کر دیتے تھے۔

جب کرنیل میکی سن مارا گیا تو اُس کے بعد سر ہربرٹ ایڈورڈز

(Sir Herbert Edwards) سرحد کا چیف کمشنر مقرر ہوا
جب خدا ترس انگریز افسر اُس کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ
مشنریوں کو سندھ پار سرحد میں تبلیغ کرنے کی اجازت دی جائے تو
اُس نے جواب دیا " سرحد میں مشن قائم کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں
ہوگی۔ جب ہم ہندوؤں اور مسلمانوں کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ بغیر کسی
روک ٹوک کے اپنے مذاہب کی رسوم ادا کریں تو سرکار مسیحیوں کو نہیں
روک سکتی کیونکہ ہر مسیحی کا فرض ہے کہ مسیح کی انجیل کی منادی کرے"۔ تمام
ہندوستان میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک ذمہ دار انگریز افسر نے ایسا اعلان
کیا۔ درخواست کنندگان انگریز افسر خدا کا شکر بجا لائے اور انہوں
نے رابرٹ کلارک سے درخواست کی کہ وہ پشاور آ کر افغانوں میں مسیحی
کام کو شروع کرنے کے سوال پر تقریر کرے۔ اس درخواست کے جواب میں
انجیل کا علم بردار رابرٹ کلارک پہلا شخص تھا جس نے دریائے سندھ
کو پار کیا۔ وہ ۲۰ نومبر ۱۸۵۲ء کو امرتسر سے روانہ ہو کر اوائل ماہ دسمبر
میں پشاور پہنچا جہاں اُس نے اپنی آنکھوں سے کرنیل میکی سن کے خون
کے نشان اُس کے گھر کے برآمدے میں دیکھے۔ ۱۶ دسمبر کو اُس نے انگریزی
گرجا میں وعظ کیا۔ چندہ جو اٹھارہ سو روپیہ کے قریب تھا افغان مشن
کے لئے دے دیا گیا۔

تین دن کے بعد ایک پبلک جلسہ کیا گیا جس میں ہربرٹ ایڈورڈز
نے کہا " وہ شخص نہایت تنگ خیال ہے جو یہ سوچتا ہے کہ خدا نے ہم
کو ہندوستان جیسا بڑا ملک اس غرض کے لئے دیا ہے کہ انگریز اس
سے صرف اقتصادی اور مالی فائدہ حاصل کریں اور اپنے خاندانوں کو

یہاں سے روپیہ بھیجیں اور اپنے غریب رشتہ داروں کو اس ملک میں نوکریاں دیں۔ اگر خدا اس جہان کا مالک نہ ہوتا تو یہ بات درست اور صحیح ہوتی کیونکہ اگر انگلستان بھی دیگر ممالک کی طرح اپنی طاقت اور خود غرضی پر چھوڑ دیا جاتا تو جو اس کو ملتا وہ لے لیتا۔ لیکن فتح اور شکست اس جہان کے خالق کے ہاتھوں میں ہے اور سلطنتیں اس کی مرضی کو پورا کرنے کے لئے پیدا ہوتی ہیں اگرچہ ہم اپنے اندھے پن کی وجہ سے یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہماری خواہشات پوری کرنے کے لئے قائم ہوتی ہیں۔ کیا خدا کی صرف یہی مرضی ہے کہ ہم صرف درنکلر تعلیم دیں ٹیکس وصول کریں۔ پل بنائیں نہریں کھودیں۔ تجارت کریں اور ریل اور تار ہندوستان میں قائم کریں؟ کیا خدا کی طرف سے اس سے بہتر کوئی نصب العین ہمارے سامنے نہیں؟ خدا کے ارادے ازلی ہیں اور خدا نے اپنے ازلی ارادہ کے مطابق ممالکِ مشرق کو ہمارے سپرد انسانوں کی روحوں کی خاطر کیا ہے۔ اور صرف ان کے بدنوں کی خاطر نہیں کیا ہے۔ اب یہ مقصد کس طرح پورا ہو سکتا ہے؟ فوج اور ایذا رسانی کی مدد سے؟ محمود غزنوی کی طرح مندر ڈھانے سے یا رنجیت سنگھ کی طرح مسجدوں میں مسلمانوں کے خون کی نالیاں بہانے سے؟ یہ ظاہر ہے کہ ہم ایسے وحشیانہ ذرائع استعمال نہیں کر سکتے۔ گورنمنٹ مذہبی معاملات میں غیر جانبدار ہے پس عیسائیوں کا فرض ہے کہ وہ ہندوستان میں بشارت دینے کے کام کو انجام دیں۔ ہر مسیحی کا یہ ذمہ ہے کہ وہ اس کام کو سرانجام دے۔ یہ ملک اسلامی تعصب سے معمور ہے اور اس جذبہ کی وجہ سے ہماری آنکھوں کے سامنے خون کئے گئے ہیں لہذا انسانی عقل کہتی ہے کہ دوسرے شہروں کی نسبت اس جگہ بڑی مخالفت

کا سامنا کرنا پڑیگا لیکن میرے خیال میں یہ بات نہیں ہوگی۔ انجیل کا صُلح بخش پیغام اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہیگا۔ پس مَیں صاف کہتا ہُوں کہ اس جگہ عیسائی مِشن کے قائم ہونے سے نقضِ امن کا کوئی اندیشہ نہیں۔ اس میں کُچھ شک نہیں کہ ہم کو دانش مندی سے کام لینا ہوگا اور صرف بیدار مغز مِشنری ہی اِس جگہ کام کرسکینگے۔ جہاں مندروں میں سنکھ اور گھنٹیوں کی آواز سُنائی دیتی ہے اور مسجدوں میں اذان سُنائی دیتی ہے اور گورنمنٹ ان کی حفاظت کرتی ہے وہاں وُہ عیسائی مِشنری کی بھی جو انجیل کی منادی کریگا حفاظت کی ذمہ دار ہوگی۔ ہم کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ہم اپنے فرض کو انجام دینگے اور خُدا کی مرضی کو پُورا کرینگے تو وُہ خود ہماری حفاظت کریگا اور ہم کو برکت دیگا"۔

اِس جلسہ کا نتیجہ یہ ہُوا کہ تیس ہزار روپیہ جمع ہوگئے۔ گو اِس مجمع میں بعض ایسے بھی تھے جو کہتے تھے کہ بغیر فوج کی مدد کے مِشن کا قائم ہونا محال ہے۔ ایک شخص نے ایک روپیہ چندہ دیا اور مذاقیہ طور پر لکھا "مَیں ایک روپیہ چندہ اس غرض کے لئے دیتا ہُوں کہ مِشنری کی حفاظت کے لئے ایک ریوالور خرید جائے"۔ خُدا کی قُدرت دیکھئے۔ ۱۸۵۷ء کے فساد کے ایّام سے پہلے وُہ پشاور جیسے پُرآشوب مقام سے میرٹھ جیسی پُرامن جگہ میں تبدیل کیا گیا۔ اور وہاں وُہ پہلا شخص تھا جو اپنی سپاہ کے ہاتھوں قتل ہُوا۔ لیکن پشاور کے مِشنریوں کا بال بھی بیکا نہ ہُوا۔

(۴)

اِس اثنا میں امرت سر کی کلیسیا بڑھتی گئی اور اُس سال پادری

جے (W. Jay) نے مہاراجہ دلیپ سنگھ کو بپتسمہ دیا۔ اب تک ۲۳ لوگوں نے بپتسمہ پایا تھا۔ اب کلیسیا کی پاسبانی کا سوال پیدا ہُوا۔ رابرٹ کلارک نہایت بیدار مغز اور دُور اندیش شخص واقع ہُوا تھا۔ اُس نے یہ بھانپ لیا کہ اگر مسیحیت نے اس مُلک میں پھیلنا ہے اور جڑ پکڑنی ہے تو لازم ہے کہ مغربی طریقوں کو ترک کیا جائے اور کلیسیا ہندوستانی طریقے اختیار کرے۔ آج کل یہ بات ہر ایک کے وردِ زبان ہے لیکن ۱۸۵۴ء میں کسی اور شخص کو یہ خیال نہ آیا اور نہ کوئی اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار تھا کیونکہ یورپین مشنری جو تجربہ کار تھے موجود تھے اور کلیسیا ابھی ابتدائی منزل پر تھی لیکن رابرٹ کلارک کا خیال یہ تھا کہ مشنری ہمیشہ کے لئے اس مُلک میں نہیں رہ سکتا۔ ہندوستانیوں کو انجیل جلیل کا پیغام سُنانا ہندوستانی مسیحیوں کا کام ہے۔ پس اُس نے پہلے سِکھ نو مرید داؤد سنگھ کو پاسٹر مقرر کیا جو انگریزی عبرانی۔ یونانی وغیرہ سے ناواقف تھا اور مغربی نکتۂ نظر سے بہت لکھا پڑھا شخص نہیں تھا۔ وہ لمبا چوڑا شکیل سِکھ جوان تھا جو اپنے کام میں بڑا ہوشیار تجربہ کار تھا اور سکھ مذہب سے بخوبی واقف تھا۔ یہ پہلا نو مرید سکھ پہلا پنجابی خادم الدین تھا جس کا تقرر کلکتہ کے بشپ نے ۲۹ اکتوبر ۱۸۵۴ء کے روز الہ آباد میں کیا۔

(۵)

۱۸۵۴ء کے موسم گرما میں امرت سر کے مشنری دُعا میں مشغول ہوئے تاکہ معلوم کریں کہ آیا خُدا کی مرضی ہے کہ کشمیر میں صلیب کا

پیغام پہنچایا جائے۔ اِس دُعا کے جواب میں ۲۰ اپریل کے روز رابرٹ کلارک
کشمیر۔ لداخ۔ اسکاردو۔ مغربی تبت اور تبت خورد کا علاقہ دیکھنے
کے لئے روانہ ہو گیا تاکہ ان ممالک میں انجیل جلیل کا پیغام سُنایا جائے اور
معلوم کرے کہ کن ذرائع سے ان ممالک میں کامیابی کے ساتھ تبلیغ کا کام
کیا جا سکیگا۔ اس سفر میں رابرٹ کلارک کے ساتھ تین ہندوستانی
مسیحی بھی تھے یعنی سلیمان۔ شمعون اور یعقوب۔ سلیمان ایک مسیحی
کارندہ تھا جو کانپور سے آیا تھا۔ شمعون کے ساتھ ہم ناظرین کا تعارف
کرا چکے ہیں۔ یعقوب ایک نومرید تھا جو پہلے ذات کا برہمن تھا۔ کرنیل
مارٹن جس نے اس سفر کی تجویز پیش کی تھی کلارک کے ساتھ تھا۔ یہ شخص
پشاور میں ایک فوجی افسر تھا اور اب استعفیٰ دے کر صلیب کا بہادر
سپاہی بن گیا تھا۔ کلارک سیالکوٹ کی طرف سے ہوتا ہوا راجوری
اور پونچھ کے راستہ سے انجیل کی منادی کرتا ۲۰ مئی کو کشمیر پہنچا۔ اُن
دِنوں مہاراجہ گلاب سنگھ حکمران تھا۔ اُس نے بڑے تپاک سے
کلارک کا خیر مقدم کیا۔ کلارک کا یہ اصُول تھا کہ انجیل کے جانفزا پیغام
کو وُہ پہلے حکام اور معزز لوگوں میں پہنچاتا۔ گو وُہ ادنےٰ لوگوں کو بھی
اس پیغام سے کبھی محرُوم نہیں رکھتا تھا۔ پس اُس نے مہاراجہ کو
پیغام سُنایا۔ جب لوگوں نے کلارک کی مخالفت میں مہاراجہ کے
کان بھرنے شروع کئے تو اس نے جواب دیا "جانے بھی دو۔ میری رعایا
ایسی بُری ہے کہ کوئی شخص ان کو زیادہ بُرا نہیں بنا سکتا"۔ کشمیر سے
تبت تک کلارک منادی کرتا انجیلیں فروخت کرتا اور ٹریکٹ اور
کتب تقسیم کرتا گیا۔ وُہ لوگوں کے گھروں کے اندر۔ باہر درختوں کے

نیچے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں اور آبشاروں کے پاس بیٹھ کر لوگوں سے مذہبی گفتگو کرتا اور ہندوؤں مسلمانوں اور بدھ مت کے پیرؤں میں انجیل کا بیج بوتا گیا۔ اُس کا واحد مقصد یہ تھا کہ انجیل کے پیغام کا چرچا ہر طبقہ۔ ذات۔ ملت۔ قوم اور قبیلہ کے افراد تک دُور دُور پہنچ جائے۔ حتیّٰ المقدور وُہ دیگر مذاہب کے عقائد پر حملہ کرنے سے پرہیز کرتا اور بحث مباحثہ میں نہ اُلجھتا تھا۔ وُہ انجیل کا نجات بخش پیغام سُناتا اور نتیجہ خُدا کے ہاتھ میں چھوڑ دیتا تھا۔ لداخ پہنچ کر اُس نے کاشغر اور یارقند کی نسبت استفسار کیا تاکہ معلوم کر سکے کہ وہاں انجیل کا پیغام کِس طرح پہنچ سکتا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ سوائے یورپین لوگوں کے سب کو ان شہروں میں جانے کی اجازت ہے کیونکہ وہاں کے بادشاہ کو خوف ہے کہ اگر وُہ اِس کے مُلک میں آ گھُسے تو مُلک پر قبضہ کئے بغیر نہ جائینگے۔ کلارک نے ایک تاجر کے ہاتھ وہاں کے مُلّا کے لئے ایک فارسی عہدِ جدید کی جلد اور میزان الحق کی جلد بھیجی ؞

ان ممالک کی نسبت کلارک نے چرچ مشنری سوسائٹی کو لکھا کہ "مغربی تبت اور وسطِ تبت میں انجیل کی اشاعت کی راہ میں کوئی رُکاوٹ حائل نہیں۔ ہاں لاسہ میں ضرور مُشکلات درپیش ہونگی پس ان حِصّوں میں فوراً مشن کو قائم کرنا چاہیئے۔ ایک مشنری خاص تبت کے لئے ہونا چاہیئے جو وہاں ہمیشہ سکونت پذیر ہو جب تک کہ وہاں کی حکومت اُس کو باہر نہ نکالے۔ مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ انگریزی مشن صرف وہاں قائم ہوں جہاں انگریزی راج ہی ہو۔ ہم کو حکم ہے

کہ ہم ہر جگہ انجیل کی منادی کریں"۔ ؎

اس سفر کا یہ نتیجہ ہوا کہ کلارک نے یہ تجویز کی کہ انجیل جلیل کا پیغام پنجاب سے لے کر چین تک سُنایا جائے اور پنجاب سے لے کر وسط ایشیا کی راہ چین تک مختلف مرکزوں میں مشنری ہالٹش اختیار کریں۔ کلارک کی تمام زندگی بھر یہ نصب العین ہمیشہ اُس کی نظر کے سامنے رہا۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے اُس نے کوشش کی کہ گورمکھی۔ پشتو۔ کشمیری اور تبتی زبانوں میں کتاب مقدس کے ترجمے ہو جائیں۔

اس سفر کا دُوسرا نتیجہ یہ ہُوا کہ کرنل مارٹن کی فیاضی سے موراوین برادرین (Moravian Brethren) نے ہمالیہ کی وادی لاہول میں مغربی تبت مشن قائم کر دیا۔

(۶)

۱۸۵۴ء کے آخر میں چرچ مشنری سوسائٹی نے پشاور کے انگریزی افسروں کو جو وہاں کے لئے ایک مشنری کی درخواست کرتے تھے جواب دیا کہ ہم آگرہ سے فینڈر کو اور امرتسر سے کلارک کو پشاور تبدیل کر کے بھیج رہے ہیں۔ کرنل مارٹن بھی چرچ مشنری سوسائٹی میں شامل ہو گیا۔

کلارک ۱۸۵۵ء کے اوائل میں پشاور پہنچ گیا۔ وہ کہتا ہے "میں اس کو عزت اور فخر کی بات سمجھتا ہوں کیونکہ اب مجھے وہی رُتبہ حاصل ہُوا ہے جو رسُولوں کو حاصل تھا یعنی مسیح کے نام کی منادی اُن مقاموں میں کروں جہاں کوئی اور مبلغ نہیں پہنچا"۔

پشاور مشن قائم ہوتے ہی یہ خیال پیدا ہوا کہ کتاب مقدس کا ترجمہ پشتو میں کرنا چاہیئے۔ خدا کی قدرت دیکھئے مشنوں کے ابتدائی زمانہ میں جب مشنری برطانوی حکومت کے ہاتھوں نالاں رہتے تھے ولیم کیری (William Carey) کی دوربین قوتِ متخیلہ نے اُس کی آنکھوں کے سامنے وہ سماں باندھا جب ہندوستان میں کوہ ہمالیہ کی چوٹی سے راس کماری اور خلیج بنگال سے بحیرہ عرب تک انجیل جلیل کی اشاعت ہوگی۔ اُس مستقبل زمانہ کو پیشِ نظر رکھ کر اُس نے اور سرامپور کے مشنریوں نے شمالی ہند کی زبانوں میں کتبِ مقدسہ کا ترجمہ کر دیا یوں ۱۸۱۸ء میں توریت شریف کا ترجمہ پشتو زبان میں کر دیا گیا تھا۔ لیکن اِس نادر ترجمہ کو طبع ہوئے تقریباً نصف صدی گزر چکی تھی اور کوئی پشتو کا نسخہ دستیاب نہیں ہوتا تھا۔ تب ہربرٹ ایڈورڈز کو یاد آیا کہ اُس نے ۱۸۴۸ء میں افغانوں کے قبیلے سن کے ایک سردار محمود علی خاں کے پاس ڈیرہ جات میں پشتو میں توریت شریف کی ایک جلد دیکھی تھی جو بہت سال پہلے کسی مشنری نے ہر دوار میں اُس کو دی تھی بس اُس نے فوراً ایک قاصد کو فارسی کتابِ مقدس کی ایک جلد دے کر کولاچی روانہ کیا تاکہ سردار محمود علی خاں سے پشتو کی جلد اُس کے عوض لے آئے۔ قاصد کے پہنچنے سے ایک دن پہلے محمود علی خاں وفات پا گیا۔ خدا نے اُس کو اُسی دن کے لئے زندہ رکھا تھا تاکہ افغانوں کے لئے توریت شریف کو محفوظ رکھے

اللہ اکبر۔

پشاور آتے ہی مشنریوں نے چاروں طرف نگاہ کر کے یہ طرز

عمل اختیار کیا کہ "یہ مشن محض مدافعت کے لئے ہی نہیں بلکہ حملہ کے لئے بھی ہوگا۔ سرحدی مشن کا یہ کام ہوگا کہ مسیحیت کا علَم مخالفین کے مُلک میں گاڑا جائے اور انجیل جلیل کا پیغام ایران اور مرکزی ایشیا میں پہنچایا جائے۔ اِس وقت ہم کو تنگ نظر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ہم کو خُدا سے بڑے نتائج کی اُمید رکھنی چاہیئے"۔

پشاور علمائے اسلام کا مرکزی مقام تھا جہاں کابل تک سے لوگ فتوے مانگنے آتے تھے۔ پس کلارک نے ۱۴ مئی ۱۸۵۵ء کے روز عین شہر کے درمیان ایک ہائی سکول کھول دیا۔ تاکہ مسیح کا جھنڈا گنجان آبادی کے درمیان لہرائے۔ ابھی سکول قائم ہوئے دو ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ اُس میں نوّے طلبا داخل ہو گئے۔ اُن میں سے ایک مُلک حار تجبا کے باشندوں کی اولاد تھا۔ بعض طلبا تاتاری تھے بعض ایرانی اور کابلی تھے اور بعض یاغستان کے پہاڑوں سے آئے تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو پشاوری علماءِ اسلام کے قدموں میں اسلامی علوم سیکھنے کی خاطر آئے تھے۔ بعض اہلِ ہنود تھے اور بعض طلبا شہر کے اعلیٰ ترین خاندانوں میں سے تھے۔

ابتدا ہی سے پشاور چھاؤنی کے بازار میں مسیحیت کی منادی شروع ہو گئی اور چند ماہ بعد ڈاکٹر فینڈر اور کلارک نے شہر کے بازاروں میں انجیل کی منادی شروع کر دی۔ منادی کے وقت لوگ جوق در جوق جمع ہو جاتے تھے۔ بعض اوقات بڑا شور و غوغا ہوتا۔ لیکن بالعموم لوگ تحمّل اور صبر کے ساتھ انجیل کا پیغام سُنتے تھے۔ ڈاکٹر فینڈر لکھتا ہے "۔ ہمارے احباب کہتے تھے کہ شہر میں منادی کرنا نہایت

خطرناک امر ہے اور ہماری نسبت اُن کو بڑی تشویش تھی لیکن خدا کا فضل ہمارے شامل حال رہا ہے۔ اَب تک نہ کوئی بلوا ہُوا ہے اَور نہ کوئی فتنہ مچا ہے بلکہ انجیل کا نجات بخش پیغام نہ صرف شہر کے لوگوں میں بلکہ دیہات میں اور ارد گرد کے قصبہ جات میں اِس طریقہ سے پہنچ گیا ہے"۔

بعض احباب یہ مشورہ دیتے تھے کہ اُلوہیتِ مسیح اور تثلیث کا ذکر کرنا قرینِ مصلحت نہیں کیونکہ افغان قوم کٹّر موحد ہے لیکن مشنریوں کا یہ طریقِ عمل نہ تھا۔ اُنہوں نے ابتدا ہی سے مسیح کی اُلوہیّت ابنیّت اور کفّارہ پر زور دیا۔ مشنری چاہتے تھے کہ وُہ انجیل کی منادی کریں اور اسلام پر حملے کرنے سے پرہیز کریں۔ جب لوگ ایسے سوال کرتے تھے جن سے اُن کے مذہب اور قرآن پر حملے ہونے ناگزیر ہوتے تو وُہ اُن سے کہتے کہ یا تُم ہمارے ساتھ چلو یا ہم تُمہارے ساتھ چلتے ہیں تاکہ اِن باتوں پر اطمینان سے دیر تک بحث کر سکیں۔ مشنری اس غرض کے واسطے لوگوں کے گھروں میں آیا جایا کرتے تھے اور لوگ ان کے گھروں میں آیا جایا کرتے تھے۔ کُتبِ مقدّسہ اور دیگر کتابیں عوام میں تقسیم کی گئیں اور ان کے علاوہ ڈاکٹر فینڈر کی کُتب عُلمائے اسلام کو بھیجی گئیں۔ کلارک پہلا مشنری تھا جس نے پشتو زبان میں مسیحی کُتب تصنیف کیں۔

ایک سال کے اندر اندر تین شخص عیسائی ہو گئے۔ پہلا شخص مرکزی ایشیا کا ایک سیّد تھا جو تاجر تھا اور نہایت وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ جب وُہ حج کرنے کو مکّہ گیا تو خواب میں اُس کو

کسی نے کہا کہ مسیح کی پیروی کر۔ پس اُس نے ڈاکٹر پینل(ٹر) سے پشاور میں تعلیم پائی اور حاجی سید محمد یحییٰ باقر عیسائی ہو گیا۔ چند روز بعد ایک شخص نے اُس پر قاتلانہ حملہ کیا اور مُردہ سمجھ کر بھاگ گیا۔ لیکن خُدا نے اُس کی جان بچا لی اور صرف دو اُنگلیاں کٹ گئیں۔ جب وُہ اپنے وطن واپس گیا تو وہاں اور کابل میں مسیح کا زندہ گواہ بنا رہا اور حملوں اور مخالفتوں کے باوجود سِن رسیدہ ہو کر جب وُہ شکار پور (سندھ) میں تجارت کے لئے آیا تو جان بحق تسلیم ہُوا۔

اِس شخص کے بعد دلاور خاں عیسائی ہو گیا۔ یہ شخص پہلے ایک مشہور ڈاکو تھا لیکن بعد میں اُس نے فوج میں ملازمت اختیار کر لی۔ ترقی کرتے کرتے وُہ صُوبہ دار ہو گیا۔ جب وُہ عیسائی ہُوا تو افغانوں کے ایک گروہ نے اُس کو قتل کرنے کی قسم کھائی۔ جب اُس کو مشنریوں نے اِس امر کی اطلاع دی تو اُس نے جواب دیا "پادری صاحب۔ آپ میرے ایمان کی ترقی کے لئے دُعا مانگیں۔ میرا ہاتھ میرے سر کی حفاظت خود بخود کر لیگا"۔ جب کوئی شخص اُس کو مِلتا تو وُہ کہتا "اگر دوست ہو تو وہیں کھڑے رہو۔ اگر دُشمن ہو تو آگے آ جاؤ"۔ ایسے نڈر شخص کو کون قتل کر سکتا تھا؟ وُہ مثل سابق لوگوں میں آتا جاتا تھا لیکن کسی شخص کو یہ جُرأت نہ تھی کہ اُس پر حملہ کرے۔ ایک دفعہ جب وُہ کابل جا رہا تھا تو مہتر چترال نے دغا بازی سے اُس کو راہ سے گمراہ کر دیا۔ اور وُہ راہ میں ہی مر گیا۔ وفات پاتے وقت اُس نے کہا "اب خُدا کا ہاتھ مجھ پر ہے۔ مَیں خُوش ہُوں کہ مَیں یسُوع مسیح کا سپاہی ہو کر مر رہا ہُوں"۔

رابرٹ کلارک پشاور کے گرد و نواح کے دیہات میں بھی انجیل جلیل کی منادی کیا کرتا تھا۔ شہر میں منادی کے لئے اُس نے ایک جگہ خریدی اور وہاں مارٹن چیپل قائم کیا تاکہ اُس جگہ منادی کی جائے۔ یہ جگہ قصّہ خوانی بازار کے آگے بائیں طرف کے موڑ پر واقع تھی جہاں بازاری منادی باقاعدہ کی جاتی تھی۔ جب راقم السطور پشاور مشن کالج میں فلسفہ کا پروفیسر تھا تو اُس زمانہ میں (از ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) وہاں باقاعدہ منادی کرنے جایا کرتا تھا ؁

یہ جگہ "مشن انجمن" بھی کہلاتی تھی اور اس کو ریڈنگ روم کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا جس میں ادبی اور دینی اخبار اور رسائل رکھے جاتے تھے۔ تعلیم یافتہ مسلمان یہاں آکر ان اخباروں اور رسالوں کو پڑھتے اور مذہبی گفتگو کیا کرتے تھے ؁

ایک دفعہ جب رابرٹ کلارک سکول میں پڑھا رہا تھا تو ایک افغان ایک عرضی لے کر پاس آیا۔ ایک لڑکے نے اُس کی کمر میں ایک خنجر چھپا دیکھ لیا۔ اور اُس نے فوراً آنکھ سے اشارہ کیا۔ کلارک ایک طرف کو ہٹ گیا۔ خنجر اُس کے پاس سے نکل گیا۔ اُس کے کپڑوں میں چھید ہو گیا لیکن وُہ خود بچ گیا۔ حملہ آور بھاگ گیا۔ لیکن اس واقعہ کے باوجود اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ اُس کو شہر میں ہی سکونت اختیار کرنی چاہیئے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ وُہ کہاں سکونت کرے؟

قدیم زمانہ میں پشاور بُدھ مت کے راجہ کنشک کا دارالسلطنت تھا۔ یہ شہر تمام دُنیا میں مشہور تھا کیونکہ اس میں وُہ پیالہ دفن تھا جس میں بُدھ بھیک مانگا کرتا تھا۔ بابر کے زمانہ میں اس جگہ کو گورکھتری

یعنی کھتری کی قبر کہتے تھے کیونکہ بُدھ کھشتری ذات کا تھا۔ لارنس کلارک نے یہ جگہ حاصل کی تاکہ مسیحیّت کا حصین قلعہ ہو۔ کیونکہ یہ جگہ تمام گرد و نواح میں صدیوں سے مشہور تھی۔ اُس نے اس کے مکانات کو تبدیل کر کے موجُودہ حالات کے مطابق کر دیا اور وہاں باغ اور درخت لگائے ؞

۲۴ر فروری ۱۸۵۷ء کو کلارک چھُٹی پر انگلستان چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد ہندوستان میں ہر جگہ فساد برپا ہو گیا۔ لیکن ہربرٹ ایڈورڈز کی دُور اندیشی نے پشاور کو ایّامِ فساد کے مصائب سے محفوظ رکھّا ؞

ان دِنوں میں کلارک نے ڈاکٹر رابرٹ براؤن (Robert Browne) کی سب سے بڑی لڑکی الزبتھ میری (Elizabeth Mary) سے شادی کر لی۔ ڈاکٹر براؤن نے کلکتّہ میں بینتالیس سال کام کر کے انگلستان رہائش اختیار کر لی تھی۔ اُس کی بڑی لڑکی لاطینی۔ یونانی۔ فرانسیسی۔ جرمن اور اطالوی زبانوں سے اپنی مادری زبان انگریزی کی طرح واقف تھی۔ وُہ سنسکرت اور اُرُدو سے بھی بخُوبی واقف تھی۔ دونوں کی شادی ۱۴ مئی ۱۸۵۸ء کے روز ہو گئی اور ۱۵ر جُون کو وُہ انگلستان سے روانہ ہو کر ۸ر فروری ۱۸۵۹ء کو پشاور پہنچے۔ چُونکہ ڈاکٹر فینڈر بھی یورپ گیا ہوا تھا وُہ پشاور میں سینیئر مشنری مقرّر ہو گیا ؞

مِسز کلارک نے آتے ہی زنانہ کام شروع کر دیا۔ وُہ شرفاء اور تعلیم یافتہ غیر مسیحیوں کے گھر آتی جاتی تھی کیونکہ وُہ عِلم طب سے واقف تھی۔ اُن کے گھروں میں وُہ انجیل پڑھ کر سُنایا کرتی تھی اور جب کلارک

دَورہ پر باہر جاتا تو بعض اوقات وُہ مُسلمانوں کے گھروں میں پندرہ بیس روز تک دیسی لباس پہن کر رہائش رکھتی تھی ÷

۱۸۵۹ء کے آخر میں رابرٹ کلارک نے امریکن پرسبٹیرین مِشن کے پادری آئیسوڈور لوئنتھال (Isodore Loewenthal) کے ساتھ صُوبۂ سرحد کا پشاور سے مُلتان تک دَورہ کیا تاکہ تبلیغی کام کے لئے مناسب مقامات معلُوم کر سکے۔ وُہ مانخود۔ کالا باغ۔ کوہاٹ۔ بنّوں۔ ڈیرہ جات وغیرہ میں سے گُذرا۔ وُہ جہاں جاتا انجیل کی نجات کی منادی کرتا تھا اور کُتب کو تقسیم کرتا اور فروخت کرتا تھا۔ اِس دَورے میں انگریزی افسروں اور انگریزی فوج کے سپاہیوں نے افغان مِشن کے لئے فراخدلی سے روپیہ عطا کیا۔ اِس دَورے کا یہ نتیجہ ہُوا کہ کلارک نے یہ تجویز کی کہ اِس مُلک میں تبلیغی مقامات کی دو زنجیریں پیدا کی جائیں جو صُوبۂ سرحد۔ مرکزی پنجاب اور سِندھ کو ایک دُوسرے کے ساتھ متعلق کر دیں۔ پہلی زنجیر پنڈ دادن خان سے کالا باغ تک اور دُوسری زنجیر پشاور سے مُلتان تک ہو جس کا مرکز ڈیرہ اسمٰعیل خان ہو۔ اُس وقت سے کلارک کی یہ خواہش ہُوئی کہ اِس تجویز کو عملی جامہ پہنایا جائے ÷

پشاور مِشن میں دو اور مِشنری بھیجے گئے یعنی پادری ٹیوٹنگ (Tuling) جو اکسفورڈ کا گریجویٹ تھا اور رابرٹ کلارک کا بھائی روجر ایڈمنڈ کلارک (Roger Edmund) جو کیمبرج کا گریجویٹ تھا۔ اوّل الذکر کے سپُرد شہر پشاور اور گرد و نواح کے دیہات میں منادی کا کام کیا گیا اور روجر کلارک سکُول کا ہیڈ ماسٹر

مقرّر ہُوا ❖

اِس اثنا میں ۲۴ پنجابی پلٹن جو پنجاب کے علاقہ ماجھے کے مذہبی سِکھوں پر مشتمل تھی پشاور تبدیل ہو کر آ گئی۔ یہ پلٹن بعد میں ۳۲ پنجابی پلٹن کے نام سے مشہور ہُوئی۔ اِس پلٹن نے دہلی کو فتح کرنے میں بڑی مدد دی تھی۔ ان دِنوں میں اس کے سپاہیوں کے ہاتھوں میں چند مسیحی کُتب آئی تھیں جنہوں نے اُن میں مذہبی جُستجو کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ چند انگریزی افسروں نے ان سپاہیوں کو تعلیم دی تھی اور پشاور میں آ کر اِس پلٹن کے ۴۹ اشخاص نے بپتسمہ پا لیا۔ جہاں کہیں یہ پلٹن جاتی کلارک اُس کے ساتھ جاتا۔ اور اِس شہر اور گرد و نواح کے گاؤں میں منادی کرتا۔ اٹک میں اُس نے گرجا بنوایا اور لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے سکُول کھول دیئے۔ جب یہ پلٹن ایبٹ آباد تبدیل ہو کر گئی تو کلارک کو یہ فخر حاصل ہُوا کہ ہزارہ کے لوگوں میں انجیل کا پہلا مبشّر ہو ❖

اِس پلٹن کے فوجی افسر اِس بات کے سخت مخالف تھے کہ اِس پلٹن میں مسیحی کام ہو۔ درحقیقت سرکارِ ہند اس بات کے خلاف تھی اور کلکتّہ سے احکام صادر ہُوئے کہ کوئی افسر پلٹن میں مسیحیّت کی اشاعت میں کسی قسم کا حِصّہ نہ لے۔ جب لوگوں کو یہ معلوم ہُوا کہ گورنر جنرل نے ایسے احکام صادر کئے ہیں تو سپاہیوں نے بپتسمہ پانا تو درکنار تعلیم حاصل کرنی بھی چھوڑ دی۔ سکُول کے طلباء غیر حاضر ہونے لگ گئے۔ فوجی افسروں نے دیسی عیسائیوں کے ساتھ مِلنا جُلنا تو درکنار عبادت کرنی بھی چھوڑ دی۔ یہ احکام ایسے مُبہم الفاظ میں تھے کہ یہ

معلوم کرنا مشکل ہوگیا کہ آیا مشنری کو تیس (۳۰) سے زیادہ عیسائی سپاہیوں سے پاسٹر کی حیثیت میں ملنے کی بھی اجازت ہے۔ کلارک لکھتا ہے "یقیناً ہماری سرکار عالیہ اپنے ان احکام کے نتائج سے بے خبر ہے۔ ہم نے کبھی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی تھی اور کوئی ایسی بات واقع نہیں ہوئی جس کی وجہ سے ایسے احکام صادر ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جونہی گورنمنٹ کو معلوم ہوا کہ چند سپاہیوں نے بپتسمہ لیا ہے وہ فوراً حائل راہ ہوگئی گویا دس سپاہیوں کا بپتسمہ پانا برطانوی سلطنت کے قیام کے لئے نہایت خطرناک امر ہے یا بپتسمہ خود قانون کے خلاف شئے ہے۔ سرکار نے نہ صرف اس پلٹن کو بلکہ پنجاب کی ہر پلٹن کے ہر افسر کو متنبہ کر دیا ہے کہ ایسی باتوں سے احتراز کریں۔ حق تو یہ ہے کہ اگر گورنمنٹ کے خلاف کوئی سازش ہوتی تو وہ اس سے زیادہ سخت احکام صادر نہیں کر سکتی تھی"۔

۱۸۵۹ء میں ایک افغان فضل حق مسیحی ہوگیا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ کافرستان کے باشندوں کو انجیل سنائے۔ ایک اور مسیحی افغان نور اللہ بھی یہ چاہتا تھا ------ کہ انجیل کا پیغام ہندوکش کے باشندوں تک پہنچائے۔ یہ دونوں جوان وہاں گئے ان کی مشکلات اور مصائب کا ہم اندازہ کر سکتے ہیں۔ کئی دفعہ وہ بال بال بچ گئے۔

جب سید شاہ خان عیسائی ہوا تو وہ پشاور میں ہی رہا اور بعد میں پشاور مشن کا مبلغ بن گیا۔ اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ کافرستان کے باشندوں میں انجیل جلیل کا پیغام سنائے اور اس ملک میں قیام کرے۔ اس نے معلوم کیا کہ تبلیغ کس طرح کامیاب ہو

سکتی ہے۔ جب وُہ پشاور واپس آنے لگا تو لوگوں نے اصرار کے ساتھ کہا کہ یہاں رہائش اختیار کرو۔ اُس نے اُن سے پھر کبھی آنے کا وعدہ کیا اور واپس پشاور آگیا۔ چار پانچ سال کے بعد اکتوبر ۱۸۸۷ء میں کافرستان کے لوگ پشاور آئے اور اُنہوں نے اُس کو وعدہ کی یاد دہانی کی اور شکائت کی کہ آپ وعدہ فراموش کر گئے۔ پس ۱۸۸۹ء میں کلارک کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد وُہ ۹۔ اگست کے روز دُوسری دفعہ کافرستان کو براہ کشمیر چلا گیا۔ اور بڑی کامیابی سے انجیل کا پیغام سُناتا رہا۔ لیکن جب سرحدی کمیشن نے یہ علاقہ امیر کابل کے زیر اثر کر دیا تو امیر نے ان تبلیغی مساعی کا خاتمہ کر دیا۔

پشاور میں بعض اوقات منادی کے وقت مُسلمان بہت برافروختہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب پادری ٹیٹنگ منادی ختم کر چکا تو ایک افغان نے اُس پر قاتلانہ حملہ کیا اور اگر سامعین میں سے ایک چھُرے کو نہ پکڑ لیتا تو پادری صاحب شہید ہو جاتے۔ مسز کلارک صاحبہ پر بھی گولی چلائی گئی۔ لیکن وُہ بچ گئی۔ پادری لونتھال کا نہایت حسرتناک انجام ہُوا۔ اُس کو زبان دان ہونے کی وجہ سے پرسبٹیرین مشن نے سی۔ ایم۔ ایس کو چند ماہ کے لئے دے دیا تھا تاکہ عہدِ جدید کا پشتو زبان میں ترجمہ کرے۔ وُہ راتوں اِس کام میں گزار دیتا تھا۔ ایک رات دماغی کوفت سے تھک کر وُہ باہر اپنے باغ میں نِکلا۔ وُہ اپنے خیالات میں مُستغرق تھا۔ اُس کے سِکھ چوکیدار نے اُس سے پُوچھا کہ کون ہو۔ جب جواب نہ مِلا تو اُس نے پادری صاحب کو گولی مار کر زخمی کر دیا۔ یُوں انجیل کا یہ وفادار خادم چند لمحوں کے اندر

اپنے مُنجی کے پاس چلا گیا ؛

جنوری ۱۸۶۳ء میں لاہور میں پنجاب کی پہلی جنرل مشنری کانفرنس کا اجلاس منعقد ہُوا۔ کلارک کی یہ ہمیشہ خواہش تھی کہ مختلف مشنوں کے مشنری یگانگت کے ساتھ کام کریں۔ یہ کانفرنس پنجاب کرسچن کانفرنس کی گویا پیش خیمہ تھی۔ اس کانفرنس کی روئداد (جو ۴۰۰ صفحوں پر مشتمل ہے) ۱۸۶۳ء میں چھپی جس کی ایک کاپی راقم السطور کے پاس ہے۔ اس کانفرنس میں چرچ آف انگلینڈ۔ امریکن پریسبٹیرین چرچ امریکن ریفارمڈ پریسبٹیرین چرچ۔ امریکن یونائٹڈ پریسبٹیرین چرچ۔ چرچ آف سکاٹ لینڈ۔ اور امریکن میتھوڈسٹ ایپسکوپل چرچ کے تقرر یافتہ پردیسی مشنری اور دیسی پادری اور غیر تقرر یافتہ پردیسی اور دیسی مسیحی شامل ہُوئے۔ ان میں پادری فرنچ جان نیوٹن۔ پادری بروس۔ پادری کلارک۔ پادری فورمن۔ پادری گولک ناتھ۔ پادری سوِفٹ۔ پادری سکاٹ۔ پادری پیٹرسن۔ پادری ٹیبا جیسی بزرگ ہستیاں شامل تھیں اور ہربنیڈ رتھفر میکلوڈ۔ پرکنس جیسے سول حکام اور ہربرٹ ایڈورڈز میکلیگن لیک جیسے فوجی حکام اور سردار بکرم سنگھ۔ جے۔سی۔بوس۔ ڈاکٹر بوس۔ جے۔این۔چٹرجی۔ مترا۔ جے۔سی۔مکرجی۔ جے۔پی۔راؤ۔ راجہ کپور تھلہ جیسے بزرگ موجود تھے۔ کانفرنس کے مضامین یہ تھے:۔غیر مسیحیوں میں انجیل کی منادی (۲) ہندو مت اور اسلام کے پیرؤوں سے مباحثہ (۳) تعلیمی ادارے۔ عورتوں میں تبلیغی کام (۴) دیہات میں دَورے (۵) کلیسیا کے لے بین کی امداد (۶) میڈیکل مشن۔(۷) دیسی کلیسیا (۸) پردیسی مشنری اور ہندوستانی مسیحی (۹) متلاشیانِ حق (۱۰) کثرت ازدواجی اور طلاق۔

(۱۱) پہاڑی قبائل (۱۲) سکھ مذہب (۱۳) مسیحی لٹریچر (۱۴) مشنوں کے باہمی تعلّقات (۱۵) اور ہندوستان کی کلیسیائے جامع ÷ ۲۸ دسمبر ۱۸۶۲ء کا روز اتوار کا دن تھا اور سب کلیسیاؤں اور مشنوں کے شرکا عشائے ربّانی کی رسم ــــــ میں شامل ہوئے ÷

اگر کلارک جیسے بیدار مغز اور عاقبت اندیش مشنری مختلف مشنوں میں آتے رہتے جو ہندوستانی کلیسیا کے حقیقی بہی خواہ ہوتے تو موجودہ کلیسیائی اختلافات کب کے ختم ہو گئے ہوتے اور مختلف کلیسیائیں ایک ہو کر غیر مسیحی دُنیا کے سامنے متحدہ محاذ پیش کر کے خُداوند مسیح کا جرّار لشکر ہوتیں۔ اور ہندوستانی کلیسیا ایک واحد رسُولی اور جامع کلیسیا ہو کر قوم اور مُلک کو شاہراہِ زندگی پر گامزن ہونے میں مدد دیتی ÷

مسز کلارک کی طبیعت پشاور میں آب و ہوا کی ناموافقت کی وجہ سے ہمیشہ علیل رہتی تھی۔ فروری ۱۸۶۲ء میں اُس کو علالت کی وجہ سے انگلستان جانا پڑا۔ اور اسی موسمِ گرما میں کلارک کا والد پادری ہنری کلارک فوت ہو گیا۔ ۲۷ اکتوبر کو پادری ٹیوٹنگ ابدی آرام میں داخل ہو گیا اور ۱۴ جنوری ۱۸۶۳ء میں کلارک کا بھائی روجر کلارک خُداوند میں سو گیا۔ اُس کے جنازے کے ساتھ متعدد غیر مسیحی رُوسائے شہر قبرستان گئے۔ خُدا نے کلارک کو ان تمام مصائب کے برداشت کرنے کی طاقت عطا کی اور وُہ اکیلا مشن کے تمام کاروبار سرانجام دیتا رہا۔ پادری ٹامس رسل ویڈ (Thomas Russell Wade) پشاور بھیجا گیا اور مسز کلارک کا بھائی جیمس براؤن (James Browne) سرکاری ملازمت کے

سلسلہ میں پشاور آگیا اور کلارک کی تسلی کا باعث ہُوا - یکم جنوری ۱۸۶۴ء کے روز مسز کلارک بھی پشاور واپس آگئی ؞

(۷)

مُوسمِ بہار ۱۸۶۴ء میں رابرٹ کلارک کشمیر بھیجا گیا تاکہ وہاں مِشن قائم کرے - ۲۵ مئی کے روز کلارک نے مہاراجہ گلاب سنگھ سے ملاقات کی جس کے دَوران میں مسیحی عقائد پر گفتگو چھڑ گئی - کلارک نے نہایت خُوش اسلُوبی کے ساتھ اُس کے تمام سوالات کا جواب دِیا - اگلے روز اُس نے مہاراجہ سے عیسائیوں کی ملاقات کرائی جن میں سے ایک شمعُون بھی تھا - مہاراجہ نے اُن سے تبدیل مذہب کا سبب دریافت کیا تو اُنہوں نے نجات کا جانفزا پیغام سُنایا - مہاراجہ نے ان سے دریافت کیا کہ تم کو عیسائی ہو کر کیا دُنیاوی فائدہ ہُوا ہے ؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم کو دُنیاوی دَولت نہیں بلکہ ابدی دَولت ملی ہے اور ہماری بے چین رُوحوں کو تشفی حاصل ہُوئی ہے - مہاراجہ اُن کے جوابوں سے بہت خُوش ہُوا - اگلے روز پھر مہاراجہ اور میاں صاحب راجکمار کے ساتھ مذہبی اُمور پر بات چیت ہُوئی - گو مہاراجہ ان کی گفتگو سے بہت محظوظ ہُوا لیکن وُہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ کشمیر میں مِشن مستقل طَور پر قائم ہو - اُس کا خیال تھا کہ اگر یہاں مِشن قائم ہو گیا تو جس طرح انگریزوں نے پنجاب لے لیا ہے میرے مُلک پر بھی قابض ..... ہو جائینگے - مہاراجہ چاہتا تھا کہ کلارک دیگر یورپین لوگوں کی طرح شہر کے باہر رہائش اختیار کرے اور موسم گرما کے بعد پنجاب چلا جایا کرے - لیکن کلارک شہر کے اندر کشمیریوں کے درمیان بارہ مہینے

رہنا چاہتا تھا۔ کلارک لکھتا ہے" اگر میں نے یورپین لوگوں کے ساتھ رہائش اختیار کی تو کشمیری یہ نہیں سمجھینگے کہ ہم اُن کو گناہوں سے نجات پانے کا پیغام دینے کی خاطر آئے ہیں۔ یہاں جوان انگریز افسر رہتے ہیں جو بدمعاش ہیں جن کے پاس شہر کی عورتیں رات کو آتی ہیں جو شراب میں بدمست ہو کر گندے گیت گاتے ہیں۔ ایسے اشخاص کے درمیان رہ کر ہماری تبلیغی مساعی کس طرح کامیاب ہوسکتی ہے؟ یہاں کوئی مہاراجہ کا افسر نہیں آنے پاتا کیونکہ مہاراجہ کا حکم بڑا سخت ہے۔ پس یہاں کوئی کشمیری آنے نہ پائیگا۔ لیکن شہر میں کشمیری ہمارے پاس آجا سکینگے"۔

امرت سر میں کشمیری رہتے تھے۔ وہاں کے ایک کشمیری نے کلارک کو اپنا سری نگر کا گھر کرایہ پر دے دیا جو شہر کے درمیان گنجان آبادی میں تھا۔ لیکن جب کلارک نے سری نگر میں رہائش اختیار کرنی چاہی تو مہاراجہ کے زیر اثر ایک ہجوم جمع ہو گیا تاکہ کلارک کو گھر میں گھسنے نہ دے۔ شاہ منیر خاں جو افغان قبیلہ یوسف زئی کے گاؤں زیدہ کا ملک یا سردار تھا اور مسیحی ہو گیا تھا اس وقت کلارک کے ساتھ تھا۔ اُس کی مدد سے کلارک سری نگر میں اپنے گھر میں داخل ہو گیا لیکن وہاں ایک اژدحام جمع ہو گیا اور ہزار پندرہ سو آدمیوں نے گھر کو گھیر لیا۔ ہر گھڑی ہجوم بڑھتا جاتا تھا لیکن کوئی پولیس کا آدمی نظر نہیں آتا تھا۔ مہاراجہ خود جموں میں تھا اور ریذیڈنٹ سرینگر میں نہیں تھا۔ کلارک وزیر کے پاس گیا لیکن جواب ملا کہ وُہ خوابگاہ میں ہے جہاں کوئی پیغام نہیں جا سکتا۔ پس کلارک وہیں زمین پر بیٹھا رہا

اور جب وزیر نکلا تو اُس نے شکایت کی۔ اِس پر وزیر نے کہا کہ آپ یورپین لوگوں کے ساتھ رہائش اختیار کر لیں۔ کلارک نے جواب دیا کہ میرا کام شہر کے درمیان لوگوں میں ہے۔ مَیں باہر نہیں رہ سکتا۔ اس پر وزیر نے کہا کہ مَیں دو دِن تک آپ کی حفاظت کے لئے گارد بھیج سکتا ہُوں۔ زیادہ دِنوں کے لئے مَیں ذمّہ دار نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد وزیر خود تو سری نگر سے باہر چلا گیا اور نائب وزیر نے کلارک کو کہلوا بھیجا کہ آپ نے وعدہ کِیا تھا کہ دو دِن کے بعد گھر خالی کر دینگے اب آپ اپنا وعدہ پُورا کریں۔ کلارک ایک رومن کیتھولک فرانسیسی تاجر کی مدد سے اپنے گھر میں جما رہا۔ اس پر مہاراجہ نے انگریز ریذیڈنٹ کی معرفت کہلوا بھیجا کہ آپ شہر کے گھر کو خالی کر دیں۔ کلارک لکھتا ہے "ایسے نازک موقعہ پر ہم کِس طرف جائیں؟ انگریزی گورنمنٹ پر جو برائے نام عیسائی ہے بھروسہ نہیں کر سکتے۔ شاہزادوں کی نسبت خُدا پر تکیہ کرنا بہتر ہے"۔ جب کلارک نے ریذیڈنٹ کو خط لکھ کر تمام باتیں سمجھائیں تو اُس نے کہا کہ بہتر ہے کہ تُم ابھی گھر خالی نہ کرو۔ اُس نے وزیر کو کہا کہ آپ نے بہت اچھا انتظام کِیا کہ اتنے دِنوں تک پادری صاحب کے گھر سے ہٹا دیا۔ اُمید ہے کہ آپ کی زیرِ حفاظت وُہ کشمیر کی خِدمت اچھی طرح کرینگے۔ یُوں اِس مخالفت کا خاتمہ ہو گیا۔

پر اِس مخالفت کا یہ نتیجہ ہُوا کہ تمام شہر اور گردونواح میں مشن کے کام کا چرچا پھیل گیا اور انجیل کا پیغام دُور دُور پھیل گیا۔ ۲ مئی کو مسز کلارک نے ایک ہسپتال کھولا جس میں مریض جوق در جوق آنے شروع ہو گئے۔

جب مہاراجہ نے دیکھا کہ اُس کو شکست ہوئی ہے تو وہ ایک اور چال چلا۔ اُس نے ریذیڈنٹ کی معرفت کہلوا بھیجا کہ اگر کلارک جموں میں مشن قائم کرے تو مہاراجہ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مہاراجہ کا خیال تھا کہ کلارک انکار کردیگا لیکن کلارک نے شکریہ کے ساتھ اس دعوت کو قبول کرلیا۔ اِس پر مہاراجہ نے بغیر کسی سبب کے اپنی دعوت کو واپس لے لیا اور وزیر کی معرفت کہلوا بھیجا کہ خبردار اگر تم جموں میں داخل ہوئے۔ مہاراجہ نے اپنی مخالفت مختلف طریقوں سے دکھادی۔ جو شخص مسیحی تعلیم کے لئے آتا اُس کو سزادی جاتی اور قید کردیا جاتا اور حکومتِ کشمیر کے حکم سے سکول کے طلباء سکول میں نہیں آتے تھے ؛

۲۰ جولائی کو حسن شاہ نے جو پہلا کشمیری مسیحی تھا۔ بپتسمہ پایا۔ اُس کا نام یُوسف رکھا گیا۔ اُس کو قید کیا گیا۔ زدوکوب کیا گیا۔ وزیر نے خود اُس کو لالچ دیا کہ وُہ مسیحیت کو چھوڑ دے۔ دیوان خود ریذیڈنٹ کے پاس گیا اور شکائت کی کہ مسٹر کلارک نے یُوسف کو دوائی دے کر بیہوش کیا ہے اور کلارک نے اُس کو بپتسمہ دے کر زبردستی عیسائی کرلیا ہے۔ اس پر ریذیڈنٹ نے یُوسف کو بُلا بھیجا۔ یُوسف نے ان تمام باتوں سے انکار کیا۔ اس پر دیوان نے کہا کہ مہاراجہ کی یہ خواہش ہے کہ کلارک کشمیر سے چلا جائے اور وُہ نہ تو کبھی کشمیر میں قدم رکھے اور نہ تبلیغی کام کرے ؛

جب موسم سرما شروع ہوا تو مہاراجہ نے اصرار کیا کہ جس طرح دیگر یوربین کشمیر سے چلے جاتے ہیں تم بھی چلے جاؤ۔ پنجاب کے

لفٹننٹ گورنر نے کلارک کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ ۲۹ اکتوبر کو ریذیڈنٹ
نے کہا کہ تم کو یہاں سے جانا پڑیگا۔ مہاراجہ نے سُنا ہے کہ ترکی میں
...... نے تمام مشن کے اُمور کو بند کر دیا ہے اور وُہ کشمیر میں بھی ایسا
ہی کرنا چاہتا ہے۔ پس کلارک نے اب یہی بہتر خیال کیا کہ کچھ مدّت
تک کشمیر کو چھوڑ کر واپس پشاور چلا جائے ؞

(۸)

اس اثنا میں پنجاب مشن ترقی کرتا گیا۔ پنجاب کے مختلف قصبوں
اور شہروں میں تبلیغی مرکز قائم ہو گئے اور اس بات کی ضرورت محسوس
ہُوئی کہ کوئی تجربہ کار مشنری امرتسر میں رہے جو پنجاب کے مختلف
مرکزوں کے کام کی نگرانی کیا کرے۔ اِس مقصد کے لئے رابرٹ کلارک
منتخب کیا گیا اور وُہ پھر امرتسر متعین کیا گیا۔ وُہ ۱۵؍ مارچ ۱۸۶۵ء کو
پشاور سے رُخصت ہُوا ؞

۱۸۶۳ء میں جب پنجاب مشنری کانفرنس کا پہلا اجلاس ہُوا
تو کلارک نے اِس مجلس کے سامنے تبلیغ کا ایک نیا طریقہ پیش کیا
اور کہا کہ پنجاب میں میڈیکل مشن جا بجا کھولنے چاہئیں۔ پنجاب
میں اُس وقت کوئی میڈیکل مشن نہیں تھا جس کا تعلق کلیسیا
کے ساتھ ہو۔ ہاں۔ راجہ کپور تھلہ نے اپنے خرچ سے کپور تھلہ میں
اور اودھ میں جہاں اُس کی جاگیر تھی دو مشن کھولے ہُوئے تھے۔ یہ
راجہ کتابِ مقدّس کا عاشق تھا۔ اور ہمیشہ کتابِ مقدّس اُس کے
پاس رہتی تھی اور محل میں مسیحی طریقہ پر عبادت بھی کیا کرتا تھا۔ کپور تھلہ
کے شفاخانہ میں ڈاکٹر جان نیوٹن (John Newton) جو امریکن

مِشن کے مشہور پادری نیوٹن کا بیٹا تھا میڈیکل مِشنری تھا - جب رابرٹ کلارک پشاور میں تھا تو مسز کلارک کے شفاخانہ نے تبلیغی مساعی کے لئے تمام دروازے کھول دیئے تھے اور مسز کلارک کے شاگرد رشید فضل حق نے کافرستان میں علم طب اور ڈاکٹری علاج کے ذریعہ تبلیغی کام کیا تھا ÷

ان دنوں میں سکاٹ لینڈ کے شہر ایڈنبرا (Edinburgh) میں میڈیکل مشنری سوسائٹی قائم ہوگئی کلارک کی اُمیدیں اس انجمن سے وابستہ تھیں اور اُس نے اس سوسائٹی کے لئے چندہ جمع کرنا شروع کر دیا تاکہ کشمیر میں میڈیکل مشن کھولا جائے۔ اس مقصد کے لئے چرچ مشنری سوسائٹی نے ڈاکٹر ولیم جیکسن ایلمزلی (William Jackson Elmslie) کو ۱۸۶۵ء میں کشمیر متعین کیا ÷

جب رابرٹ کلارک امرتسر آیا تو کلیسیا خُدا کے فضل سے ترقی کر رہی تھی اور ہندوستانی مسیحیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی کلارک کا یہ اصُول تھا کہ پنجاب کو مسیح کے لئے فتح کرے اُس کا یہ خیال نہ تھا کہ وُہ اُس کو کسی خاص کلیسیائی فرقہ کے لئے فتح کرے۔ اُس کا خیال تھا کہ انگریز مشنری صرف چند سالوں کے لئے درکار ہوں گے جب تک دیسی کلیسیا کے دیسی پاسبان پیدا نہ ہوں اور ہندوستانی کلیسیا ایک قومی کلیسیا نہ ہوجائے - کلارک نہیں چاہتا تھا کہ پنجابی کلیسیا کو غیر ملکی قواعد اور رسُوم کی قیوُد کی زنجیروں میں جکڑے - اُس کا خیال تھا کہ خُدا مشنوں کے ذریعہ کلیسیائی اختلافات کا خاتمہ کردیگا ÷

نومُرید شہر کے باہر مشن کمپونڈ میں رہتے تھے لیکن رابرٹ کلارک

اِس بات کے خلاف تھا۔ وُہ کہتا تھا کہ ہندوستانی مسیحی خمیر کی مانند ہیں اور اُن کو شہر کے لوگوں کے درمیان رہنا چاہیئے۔ علاوہ ازیں مشن کمپونڈ کے اندر رہنے سے وُہ مشنریوں کے ماتحت رہتے ہیں اور غیر مُلکی خیالات اُور جذبات سے متاثر ہو کر اپنی رُوحانی اور ذہنی آزادی کھو بیٹھتے ہیں۔ ہندوستانی کلیسیا کی آزادی۔ صحت۔ ترقی اور بہبُودی کے لئے یہی بہتر ہے کہ اُس کے شرکاء اپنے غیر مسیحی ہموطنوں کے درمیان رہیں۔ اُن کے ایمان ایذارسانی سے قائم ہوں اور وُہ روزمرہ کی زندگی میں غیر مسیحیوں کے لئے اعلےٰ نمُونہ ہوں۔ پس اُس نے شہر امرت سر کے مختلف مقامات میں عیسائیوں کو بسایا اور خود شہر میں سکونت اختیار کر لی۔ مہان سنگھ کا قلعہ شہر کے اندر تھا۔ کلارک نے شہر کے باہر وُہ جگہ جہاں نومُرید رہتے تھے اس قلعہ کے بدلے دے دی اور اپنی جیب خاص سے پندرہ ہزار روپیہ خرچ کر کے کٹڑہ مہاں سنگھ میں ایک مشن کا گھر بنایا۔ یُوں پنجاب کے مقدّس شہر امرت سر میں عین اُس جگہ جہاں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا باپ اپنے اختیارات استعمال کرتا تھا کلارک نے مسیح کے لئے ایک قلعہ کھڑا کر دیا۔ بابو الیشن چندر سنگھا مرحُوم لکھتا ہے کہ "جب کلارک نے یہ گھر بنوایا تو شہر کے لوگ اس کثرت سے اُس کے پاس آتے تھے کہ گرمیوں میں اُس کو دوپہر کے وقت آرام کرنے کا موقعہ بھی نہ ملتا تھا اور اگر مسیحی کلارک صاحب کو خبر کئے بغیر روزانہ دو گھنٹہ تک باہر کا دروازہ بند نہ کر دیتے تو اُس کی صحت بالکل خراب ہو جاتی"۔

شہر کے اسی حِصّہ میں کلارک نے ایک سرائے اور پاسٹر کے لئے مکان بنوایا۔ سرائے کے بنوانے کا یہ مقصد تھا کہ مسافر عیسائی جب

کبھی عبادت یا تجارت وغیرہ کے لئے امرت سر آئیں تو وُہ اس میں پناہ لے سکیں۔ اقراریوں کے لئے یہ جگہ نہایت موزوں تھی۔ وہاں دُکانیں بھی بنوا دیں تاکہ جو مسیحی دُکان داری کرنا چاہیں وُہ ان کو کرایہ پر لے سکیں۔ دو دُکانیں کُتب خانہ اور ریڈنگ روم کے لئے مخصوص کی گئیں۔ دو دکانیں کُتب مقدسہ اور مسیحی کُتب کی فروخت کے لئے مخصوص کی گئیں۔

جب شمعُون وفات پانے لگا تو اُس نے کہا کہ اس شہر میں باطل مذاہب کے جھنڈے کھڑے ہیں لیکن حقیقی خُدا کا ایک جھنڈا بھی نہیں۔ میرے بعد میری جائداد سے ایک جھنڈا قائم کیا جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مسیح امرت سر میں آگیا ہے۔ اُس کا گھر اس مقصد کے لئے استعمال کیا گیا۔ اُس وقت ہندوستانی مسیحی چاہتے تھے کہ ایک ہال تعمیر کیا جائے جہاں کلیسیا کے تمام شرکاء ایک جگہ جمع ہو سکیں شمعُون کے زیورات اور گھر فروخت کئے گئے اور ہندوستانی مسیحیوں نے چندہ جمع کیا اور وُہ جگہ تعمیر کی گئی جو بعد میں میڈیکل مشن ہسپتال ہُوا اور اس پر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے لال کپڑے پر سفید صلیب لگا کر مسیح کا جھنڈا کھڑا کر دیا۔

۱۸۶۵ء میں مشن ہائی سکُول کا تعلق کلکتہ یونیورسٹی کے ساتھ کر دیا گیا تاکہ طلباء کے پاس باقاعدہ سند ہو۔

رابرٹ کلارک کا یہ اصُول تھا کہ پنجابی کلیسیا اپنا انتظام خود کرے اور اپنے پاؤں پر کھڑی ہو۔ امرت سر میں کلیسیائی روپیہ کا انتظام کلیسیا کے اپنے ہاتھ میں تھا۔ جس میں سے پچّاس روپیہ پاسٹر کو تنخواہ دی جاتی تھی۔ اس سے اقراریوں اور غریبوں کی امداد بھی کی جاتی تھی۔ چرچ کمیٹی کا

اجلاس ہر ماہ ہوتا تھا اور ہر ششماہی کے بعد تمام جماعت کا مجمع ہوتا جس میں حساب کتاب سُنایا جاتا تھا۔ کلارک کی یہ عادت نہیں تھی کہ ہر بات میں اپنی مرضی پر عمل کرے بلکہ وہ لوگوں سے صلاح اور مشورہ لے کر اکثریت کی رائے پر عمل کرتا تھا ؂

کلارک کی یہ کوشش تھی کہ پنجابی عیسائیوں میں تبلیغی جوش پیدا کرے ۔ ۱۸۶۵ء میں اُس نے مولوی عماد الدین لاہز کو بپتسمہ دیا۔ علمائے اسلام مباحثہ اور مناظرہ کے لئے جمع ہو جاتے اور مُنہ کی کھا کر جاتے ۔ ۱۸۹۳ء میں ڈپٹی عبداللہ آتھم اور مرزا غلام احمد قادیانی کے درمیان اس وسیع میدان میں جو آجکل آر۔ ج ڈیکن کے گھر کے کمپاؤنڈ کے سامنے واقع ہے پندرہ روز تک بحث ہوتی رہی جس کا نتیجہ مرزا غلام احمد کے لئے سوائے حسرت و یاس کے اور کچھ نہ ہُوا ؂

پادری داؤد سنگھ چاہتا تھا کہ اپنے ہم مذہبوں میں انجیل کی خدمت کرے پس کلارک نے اُس کو آزاد کر دیا۔ اور وہ جموں جا کر مہاراجہ کے افسروں اور عوام الناس میں منادی کرتا رہا ؂

مسز کلارک امرتسر آتے ہی زنانہ کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔ یہاں لڑکوں اور لڑکیوں کا یتیم خانہ قائم ہو گیا تھا اور مسز کلارک گھروں کے اندر۔۔۔ زنانخانوں میں جایا کرتی تھی۔ مسز کلارک پہلی عورت تھی جس نے پشاور اور کشمیر میں میڈیکل کام شروع کیا تھا۔ اِسی طرح امرتسر میں بھی اُس کو یہی عزت نصیب ہُوئی ؂

چُونکہ کلیسیا کی تعداد روز افزوں تھی لہٰذا کلارک کو اُن وسائل کا خیال کرنا پڑا جو نومریدوں کی روزی کے متعلق تھے۔ چُونکہ نومرید اپنے

خاندانوں سے نکالے جاتے تھے اور دُنیاوی مال اور جائیداد سے محرُوم کئے جاتے تھے یہ سوال پیدا ہُوا کہ وُہ اپنی روزی کِس طرح کمائیں۔ ذات پات کی قیوُد کی وجہ سے بعض کام وُہ نہیں کر سکتے تھے۔ کلارک ہر نو مرید کا خیال رکھتا اور اُس کی لیاقت اور قابلیّت کے مطابق اُس کو روزی کا وسیلہ حاصل کرنے میں مدد دیتا۔ یتیم خانے میں مختلف دستکاریاں سکھائی جانے لگیں اور یہ خیال ہُوا کہ ایک مسیحی گاؤں آباد کیا جائے جہاں مسیحی مختلف کاروبار کر سکیں۔ اِس غرض کے لئے اُس نے سرکار سے اُنیس سو ایکڑ زمین حاصل کی گاؤں کا نام کلارک آباد رکھا گیا۔ پادری داؤد سنگھ امرت سر سے وہاں بھیجا گیا اور پادری رولینڈ بیٹمین Roland Bateman پادری الیف۔ ایچ بیوٹل F.H. Beutel کی لگاتار اَن تھک کوششوں نے کلارک آباد کو اس کی موجودہ شکل میں تبدیل کر دیا ؞

۵ مئی ۱۸۶۷ء کے روز چرچ مشنری سوسائٹی نے لاہور میں قدم رکھا۔ پادری جان نیوٹن پنجاب کا پہلا مشنری تھا۔ اُس نے ۱۸۵۰ء میں سی۔ ایم۔ ایس کو پنجاب میں آنے کی دعوت دی تھی اور اب اُس نے بڑے تپاک سے سی۔ ایم۔ ایس کا لاہور میں خیر مقدم کیا ؞

۱۸۶۸ء میں کلارک یہ کوشش کرنے لگا کہ پنجاب میں میڈیکل مشن قائم ہو جائے اُس کی لگاتار کوششوں کا یہ نتیجہ ہُوا کہ ۱۸۸۲ء میں امرتسر میڈیکل مشن قائم ہو گیا ؞

میڈیکل مشن کے قیام اور پھیلنے میں کلارک کو ہنری مارٹن (Henry Martyn) سے بڑی مدد ملی۔ ۱۸۵۷ء کے فساد

کے ایام میں ایک افغان خاتون کابل سے پشاور آئی۔ جب وُہ پشاور کے دروازہ پر پہنچی تو اُس کی اجل آگئی۔ مسز کلارک نے اُس کا چھوٹا بچہ لے لیا اور اپنا لے پالک بیٹا بنا کر اُس کا نام ہنری مارٹن رکھا۔ بچہ کی مادری زبان فارسی تھی۔ پشاور میں وُہ پنجابی اور پشتو بھی بولنے لگ گیا۔ جب وُہ بڑا ہُوا تو کلارک نے اُس کو سکاٹ لینڈ کے شہر ایڈنبرا میں جارج واٹسن سکول میں داخل کر دیا۔ وہاں سے ایک دفعہ وُہ ہندوستان آیا اور پادری ویڈ کے ساتھ کشمیر کے قحط زدگان کی مدد کے لئے کشمیر گیا۔ ۱۸۸۱ء میں اُس نے ایم۔ڈی کی ڈگری حاصل کی اور اگلے سال چرچ مشن نے اُس کو امرت سر کا میڈیکل مشنری مقرر کر دیا۔ یہاں اُس نے اس قدر تن دہی سے کام کیا کہ تین سال کے اندر قریباً پچیس ہزار مریض اُس کی قابلیت اور شہرت کی وجہ سے آئے اور نجات کا پیغام سُنتے رہے۔

ہنری مارٹن کلارک نے جا بجا ہسپتال کھول دیئے جہاں اُس نے اُن ڈاکٹروں کو بھیجا جن کو اُس نے خود سکھلایا تھا۔ چنانچہ ۱۸۹۱ء تک نارووال۔ جنڈیالہ۔ بیاس اور سلطان ونڈ وغیرہ قصبوں اور گاؤں میں ہسپتال قائم ہو گئے جہاں ہزاروں مریض روزانہ انجیل کا جانفزا پیغام سُنتے تھے اور ان قصبات اور دیہات میں بازاری منادی کی جاتی تھی۔ کلارک کہتا تھا "مشن ہسپتال ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں بہترین سائنس کے اعلےٰ ترین نتائج رُوح کی بہبُودی کے لئے استعمال ہوتے ہیں" (پنجاب مشن نیوز ۱۵ اپریل ۱۸۸۹ء)۔

ہنری مارٹن کلارک نہ صرف ایک قابل ڈاکٹر تھا بلکہ وُہ زبردست زبان دان اور مصنّف بھی تھا۔ پنجاب گورنمنٹ نے اُس کی زیر نگرانی

بھائی میا سنگھ کی ڈکشنری شائع کی جو راقم السطور کے پاس موجود ہے۔ پادری پنڈت کھڑک سنگھ کے ساتھ مِل کر اُس نے کتاب "آریہ سماج کی تعلیم کے اصُول" لکھی جو انگریزی۔ ہندی۔ اُردُو اور پنجابی میں چھپ گئی اور اس قدر مقبوُل ہُوئی کہ ایک روز ایک خریدار نے اُس کی پانچ سو جلدیں خرید لیں۔ وُہ کئی سال تک اخبار "پنجاب مشن نیوز" کا ایڈیٹر اور مینجر بھی رہا ؂

ہنری مارٹن کلارک ایک زبردست عالم اور نہایت جوشیلا مبلّغ تھا۔ وُہ انگریزی۔ اُردُو۔ پنجابی زبانوں میں فصیح البیان تھا اور جگہ جگہ دُور دراز مقامات میں مسیحیت پر لیکچر دیا کرتا تھا بالخصوص لاہور اور پشاور میں اُس کو اکثر بولنے کی دعوت دی جاتی تھی۔ وُہ قرآن و حدیث اور کُتب فقہ وغیرہ سے بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ ڈپٹی عبداللہ آتھم اور مرزا غلام احمد قادیانی کے درمیان جو مباحثہ ۲۲ر مئی ۱۸۹۳ء سے ۵ر جُون تک ہوتا رہا وُہ اُس کے مکان کے احاطہ میں ہُوا اور مسیحیوں کی طرف سے وُہ صدر تھا۔ دَورانِ مباحثہ میں جب ڈپٹی مرحُوم بیمار ہو گئے تو ہنری مارٹن نے اُن کی جگہ ۲۹ر مئی کے روز مرزا جی سے مباحثہ کیا اور اُس روز اُس کی جگہ پادری احسان اللہ صدر مقرّر ہُوئے۔ ڈاکٹر عمادالدّین کے ساتھ اُس نے اسلام پر ایک رسالہ لکھا اور ہندوؤں کے لئے اُس نے "ویدوں کی تعلیم اور قربانی" اور "ویدوں کی ازلیّت" وغیرہ کتابیں لکھیں ؂

۱۹۰۵ء میں ہنری مارٹن فارغ الخدمت ہو کر ایڈنبرا چلا گیا جہاں سے وُہ سکاٹ لینڈ اور انگلینڈ کے مختلف مقامات میں لیکچر

دیا کرتا تھا۔ بالآخر ۱۹۱۶ء میں اُس کو فالج ہو گیا اور وہ اپنے نجات دہندہ کے پاس چلا گیا جس کی اُس نے چونتیس سال تک وفاداری سے خدمت کی تھی ❖

۱۸۶۸ء میں رابرٹ کلارک کی والدہ وفات پا گئی۔ چونکہ اب اُس کے بچے بڑے ہو گئے تھے اور اُس کی اپنی صحت بھی خراب رہتی تھی وہ ۶ر جنوری ۱۸۶۹ء کو انگلستان چھٹی پر چلا گیا ❖

(۹)

۱۸۶۹ء میں پادری فرنچ نے اور پادری نوٹ (FRENCH AND KNOTT) نے لاہور میں علم الٰہیات کے کالج کے لئے مہاں سنگھ کا باغ خریدا۔ لیکن پادری نوٹ فوت ہو گیا اور فرنچ اکیلا رہ گیا۔ کلارک اس کی مدد کے لئے لاہور متعین کیا گیا اور وہ یکم جنوری ۱۸۷۱ء کو لاہور پہنچ گیا۔ اسی ماہ کالج کی ابتدا ہوئی۔ ابتدائی عبادت میں کلارک نے وعظ کیا۔ عبادت میں امریکن پریسبٹیرین مشن کے تمام مشنری شریک ہوئے۔ اس کالج میں امریکن مشن اور چرچ آف سکاٹ لینڈ مشن والوں نے اپنے طلبا پڑھنے کے لئے بھیجے اور اس طرح مختلف مشنوں کے پنجابی خادم الدینوں نے فرنچ اور کلارک کے قدموں میں بیٹھ کر علم الٰہیات کی تحصیل کی ❖

جب کلارک لاہور ڈیوِنٹی کالج کی عمارت تعمیر کرا رہا تھا تو اُس وقت ہندوستانی عیسائیوں نے لڑکیوں کا ایک سکول کھولا جس میں صرف تین لڑکیاں پڑھتی تھیں۔ اُنہوں نے کلارک سے درخواست کی کہ سکول اپنے ہاتھوں میں رکھے۔ امریکن مشن کے مشنریوں کی اجازت

کے بعد اُس نے سکُول کو ایسی خُوش اسلُوبی سے چلایا کہ وُہ ایک ہائی سکُول ہوگیا اور بعد میں "لیڈی ڈفرن سکُول" سے نامزد ہُوا ❖

مسیحی کُتب کی طباعت اور فروخت کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ کلارک خود کتابوں کا کیڑا تھا اور مسیحیّت کی اشاعت کے لئے کُتب کا وجُود نہایت ضرُوری تھا۔ پس اُس نے امریکن مشن والوں کے ساتھ مِل کر "پنجاب رلیجس بُک سوسائٹی" کی بنا ڈالی۔ پادری ایف۔ ایچ بیرنگ کی فیاضی سے اِس سوسائٹی کی عمارت کھڑی ہوگئی۔ کلارک اس کا پہلا سیکرٹری تھا اور بابو رادھا رمن راہا اِس کا اسسٹنٹ تھا۔ کلارک بائبل سوسائٹی کا بھی سیکرٹری تھا ❖

سطُور بالا میں ذکر ہوچُکا ہے کہ ڈاکٹر ایلمزلی کشمیر متعیّن کیا گیا تھا۔ موسمِ سرما میں اُس کو واپس پنجاب میں آنا پڑتا تھا۔ ۱۸۷۱ء میں جب وُہ کشمیر سے واپس آرہا تھا تو راستہ میں گجرات میں وُہ فوت ہوگیا۔ خُدا کے حسنِ انتظام سے اُسی سال مشنریوں کو بارہ مہینے کشمیر میں رہنے کی اجازت مِل گئی پس ڈاکٹر ایلمزلی عین فتح کے وقت اس جہانِ فانی سے کُوچ کر گیا۔ ۱۸۷۴ء میں ڈاکٹر تھیوڈور میکسول (THEODORE MAXWELL) جو جان نِکلسن (JOHN NICHOLSON) فاتح دہلی کا بھانجا تھا کشمیر میں متعیّن کیا گیا۔ مہاراجہ نے بڑے تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا اور سری نگر میں ہسپتال تعمیر ہوگیا ❖

ڈاکٹر ایلمزلی کی بیوہ حسینہ اور جمیلہ عورت تھی اور ساتھ ہی فرشتہ سیرت بھی تھی۔ کلارک کی صلاح و مشورہ سے وُہ امرت سر

میں زنانہ کام کرنے لگ گئی اور بعد میں اُس کا بیاہ پادری بیرنگ کے ساتھ ہو گیا لیکن بیاہ کے چند ماہ بعد وُہ ابدی آرام میں داخل ہو گئی ۔

۱۸۷۰ء میں کلارک نے کُتب مقدسہ کے بعض حِصص پر اُردو میں تفسیریں لکھیں ۔ اور اس غرض کے لئے اُس نے مولوی عماد الدین لاہز کو اپنے ساتھ شامل کر لیا ۔ متی ۔ یوحنا ۔ اعمال کی کُتب پر تفسیریں لکھی گئیں اور کلیدِ تورات بھی لکھی گئی ۔

یکم مارچ ۱۸۷۰ء کے روز کلارک نے پنڈت نرائن داس کھڑک سنگھ کو بپتسمہ دیا ۔ پنڈت کھڑک سنگھ سنسکرت کا فاضل، ویدوں کا عالم ہندو فلسفہ کا ماہر اور سِکھ مذہب کی کُتب کا حافظ تھا ۔ وُہ اُردو کی تحصیل امرت سر کا رہنے والا اور اُس کا نمبردار اعلےٰ تھا ۔ اور اپنے فرائض کو احسن طَور پر ادا کرنے کی وجہ سے عوام میں ہر دلعزیز اور حُکام بالا کے طبقہ میں نہایت بارسُوخ شخص تھا ۔ وُہ سنسکرت زبان کا عالم اور آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کا دوست تھا ۔ اُس نے ویدوں اور سنسکرت کی دیگر کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا تاکہ اُس کو کسی طرح شانتی حاصل ہو جائے ۔ ایک دفعہ وُہ امرت سر کے ہندو تحصیل دار کے ساتھ تبادلۂ خیالات کر رہا تھا اُس نے کہا مجھے تاحال اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہُوا تحصیلدار نے اُس کو انجیل پڑھنے کو کہا لیکن اُس نے جواب دیا کہ بدیشی کتابوں میں کُچھ نہیں رکھا ۔ ہندوؤں کی کتابوں کے باہر شانتی نہیں ہو سکتی ۔ تحصیلدار نے کہا کہ آپ جیسے عالم شخص سے یہ اُمید نہ تھی کہ کسی کتاب کو بغیر پڑھے فتوے لگا دیں ۔ اس پر اُس نے سنسکرت کی

انجیل مُول لی۔ جُوں جُوں وُہ انجیل کا مطالعہ کرتا گیا اُس کے خیالات میں تبدیلی آتی گئی۔ اُس نے پُوری بائبل مُول لی اور خُدا کا کلام اُس کے دِل کو متاثر کرتا گیا۔ بالآخر اُس نے بپتسمہ پایا۔ اَب مُصیبتوں کا پہاڑ اُس پر ٹُوٹ پڑا لیکن اِس جوانمرد نے ہر ایذا کا صبر اور دلیری سے مقابلہ کیا۔ سوامی دیا نند نے جو اُس کا قدیم دوست اور ہم جماعت تھا اُس کو بہت سمجھایا پس اُس نے دیا نندی تاویل کی روشنی میں ویدوں کا از سرِ نَو مطالعہ کیا لیکن اُس نے ان سب تاویلات کو باطل پایا۔ وُہ کہتا ہے خُدا نے مجُھے ویدوں کے لئے مطالعہ سے انجیل کی خدمت کے لئے تیار کر دیا۔ کیونکہ اس نے بائبل اور ویدوں کی تعلیم کا نئے زاویہ سے موازنہ کیا تھا۔

کھڑک سنگھ اپنے گاؤں میں ہی رہا اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو نجات کا جانفزا پیغام سُناتا رہا وہ ہر خورد و کلاں سے محبت سے پیش آتا تھا۔ یُوں اُس نے اُن مخالفوں کا مُنہ بند کر دیا جو تبدیلی مذہب کی وجہ سے اُس پر بے بُنیاد الزام لگاتے تھے۔

وُہ سادھوؤں کے لباس میں پہلے کی مانند ہر جگہ پھرتا اور ہر کہ و مِہ کو مُنجی کا کلام سُناتا تھا۔ وُہ پنجاب کی کلیسیا کا ایک رسُول تھا جو بے شمار موقعوں پر میدانی اور پہاڑی علاقوں میں دُور دُور خُدا کی نجات کا پیغام سُناتا پھرا۔ اُس کو بس ایک ہی لَو لگی تھی اور اِس دُھن میں اُس نے دُھوپ۔ بارش۔ آرام۔ نیند۔ روٹی۔ پانی وغیرہ کی کبھی پروا نہ کی سفر کی صعُوبتوں کو وُہ خاطر میں بھی نہ لاتا تھا۔ اِس نے بارہا راتوں کو آسمان کے ستاروں تلے گُذارا۔ خُدا کے عشق میں وُہ دیوانہ وار ہر چہار سُو جدھر مُنہ آتا نِکل جاتا۔ وُہ کہتا تھا " جب میں ہندو ہو کر یہ کرتا تھا تو کیا

اَب مَیں خُداوند کا چیلا ہوکر یہ نہیں کرسکتا"؟ اُس کی بیوی اور دو بھائی اُس کے سخت مخالف تھے لیکن وُہ بعد میں خود بھی مسیحی ہو گئے۔ اُس کی منادی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ لوگ جوق در جوق کلیسیا میں شامل ہونا چاہتے تھے پس اُس کو پادری کے عہدہ پر فائز کر دیا گیا تاکہ وُہ خود اُن کو بپتسمہ دے سکے۔ انجیل کے اس رسُول نے جمّوں اور کلّو کی وادی میں انجیل کی اشاعت کے لئے چرچ مشن کے سیکریٹری کو ایک ہزار روپیہ دیئے۔ (پنجاب مشن نیوز۔ ۱۵ مئی ۱۸۸۹ء)

اس نے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے ساتھ مل کر ایک کتاب "آریہ سماج کی تعلیم کے اصُول"، لکھی جو اس قدر مقبول ہُوئی کہ اس کا انگریزی، ہندی اور پنجابی زبانوں میں ترجمہ ہو گیا۔ اِس کتاب کی انگریزی اور اُردو کی دُوسری ایڈیشن اگست ۱۸۸۸ء میں چھپی۔

جس طرح مولوی عماد الدین اسلام پر کتب لکھتا تھا اور مسلمانوں کے ساتھ مباحثہ اور مناظرہ کرتا تھا اُسی طرح پنڈت کھڑک سنگھ نے ۲۲ سال تک اہلِ ہنود کے ساتھ مباحثہ اور مناظرہ جاری رکھا۔

کلارک کی شخصیت اس قدر زبردست اور غالب تھی کہ جو مشنری اُس کے پاس کام سیکھنے کے لئے آتا وُہ کہیں واپس نہ جاتا بلکہ پنجاب کا ہی ہو جاتا۔ ۱۸۷۵ء میں مسٹر ویلینڈ (MR. WELLAND) نے جو کلکتہ میں سی۔ ایم۔ ایس کا سیکرٹری تھا لکھا کہ آیندہ جو مشنری کلارک کے پاس کام سیکھنے جائے وُہ ضرور واپس کیا جائے کیونکہ لوگ اس کے پاس تجربہ حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں پر اُس میں ایسی کشش ہے کہ پھر وُہ واپس آنا نہیں چاہتے۔

رابرٹ کلارک خود چرچ آف انگلینڈ کا تھا لیکن وُہ نہیں چاہتا تھا کہ پنجاب کے مسیحی مغربی فرقوں کی زنجیروں میں جکڑے جائیں۔ اس کی دلی خواہش یہ تھی کہ ہندوستان کے عیسائی ان زنجیروں سے آزاد رہ کر خود ایک قومی کلیسیا کی بنا ڈالیں جو خُداوند کی زیرِ تابع ہو۔ اس مقصد کو پُورا کرنے کے لئے اُس نے پنجاب دیسی چرچ کونسل (Native Church Council) کی بُنیاد ڈالی تاکہ دیسی کلیسیا خود اپنا انتظام کرے۔ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو اور انجیل کی اشاعت کو اپنا فرضِ اوّلین سمجھے۔ رابرٹ کلارک اس کا پریذیڈنٹ مقرر ہُوا۔ اس کا پہلا اجلاس ۱۸۷۷ء میں ہُوا۔ اس کے شرکائے صرف چرچ آف انگلینڈ کے بپتسمہ یافتہ مسیحی تھے بلکہ امریکن پریسبٹیرین مشن کے ہندوستانی نوممبر بھی اس کے شرکاء تھے کیونکہ کلارک اس کونسل کو مغربی تفرقوں سے پاک رکھنا چاہتا تھا۔ پادری جان نیوٹن اور دیگر امریکن مشنری اس کونسل کے پہلے اجلاس میں موجود تھے۔ جب یہ کونسل شروع ہُوئی تو ہندوستانی مسیحیوں میں انتہائی جوش کی لہر بچھ گئی اور اُنہوں نے فیاضی اور دریا دلی سے چندہ دینا شروع کر دیا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ کونسل دیرپا ثابت نہ ہُوئی۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک لکھتا ہے کہ ''اس کی ناکامی کا ذمّہ ہندوستانی مسیحیوں کی گردن پر نہیں ہے بلکہ اُن پر دیسی مشنریوں کی گردن پر ہے جو مدد کرنی تو درکنار اس تحریک کو حسد، مخالفت اور شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کلیسیائی قیود اور قوانین کی آہنی زنجیروں نے اِس نوزائیدہ بچّہ کا گلا گھونٹ دیا''۔ رابرٹ کلارک لکھتا ہے ''جب دیسی کونسل قائم

کی گئی تو بے انتہا جوش پیدا ہُوا۔ اگر تمام مشنری اس تحریک کے معاون ہوتے تو ملک کی حالت دِگرگوں ہو جاتی"۔

بعض اشخاص کی یہ رائے تھی کہ چُونکہ کلیسیا میں نسل کا امتیاز نہیں ہے اس لئے دیسی اور انگریز مسیحی ایک ہی کونسل میں ہونے چاہئیں لیکن رابرٹ کلارک اس تجویز کا آخری دم تک مخالف رہا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرزِ عمل سے ہندوستانی مسیحیوں کو نشوونما پانے کا کبھی موقعہ نہ ملیگا دیسی کلیسیا چرچ آف انگلینڈ کی دُم بنی رہیگی۔ کلیسیا میں کبھی زندگی نہ آئیگی۔ اور یورپین عنصر کے غالب رہنے کی وجہ سے ہندوستانی کلیسیا کبھی کلیسیائی معاملات کا انتظام اپنے ہاتھوں میں نہ لے سکیگی۔ چنانچہ ایک مضمون میں وُہ لکھتا ہے :-

اَب ہندوستان جاگ اُٹھا ہے اور اس کی رُوح نے ہندوستانی کلیسیا کو بھی متاثر کر دیا ہے۔ جو خیالات دس سال پہلے لوگوں میں خوابیدہ تھے وُہ اَب ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ پس وقت آگیا ہے کہ ہم ان تعلقات پر ازسرِ نَو غور کریں جو مشنریوں میں اور ان کے کارندوں اور ہندوستانی مسیحیوں میں ہونے چاہئیں۔ اس کے حل کرنے کے لئے برادرانہ محبت اور تقدیس شُدہ عقل کی ضرورت ہے۔ خواہ ہم ہندوستانی ہوں یا انگریز ہوں ہمارا واحد مقصد یہ ہے کہ اس مُلک میں خُدا کی بادشاہی قائم ہو جائے۔ پس ہمیں ہر مرحلہ پر اپنے ساتھ ہندوستانی کلیسیا کو شامل کرنا چاہیئے۔ اَب تک صرف انگریز مشنری کلیسیاؤں کا پَودا لگاتے اور اُن کی نگہداشت کرتے رہے ہیں۔ لیکن چُونکہ ہم دونوں کا مقصد واحد ہے لہٰذا ہمارا طرزِ عمل بھی واحد ہونا چاہیئے۔ مسیحی

کلیسیا دونوں میں تفریق نہیں کرتی بلکہ دونوں کو اکٹھا کرتی ہے۔
پس مشن کا کام صرف انگریز مشنری ہی نہیں بلکہ ہندوستانی بھی کریں
کلیسیا کی قوت اور خوشحالی اسی میں مضمر ہے کہ مسیح کی کلیسیا میں مشنری
اور ہندوستانی واحد ہو کر رہیں۔ ہم یہاں اس واسطے نہیں آئے کہ
ہندوستانیوں کو غلام بنا کر رکھیں۔ مسیحیت کسی قوم کو غلام نہیں بناتی
بلکہ اُس کو مضبوط بنا کر سرفراز کرتی ہے۔ صرف مسیحیت ہی ایک
ایسا مذہب ہے جو سب کو ہر قسم کی غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرتا
ہے "جب بیٹا اُن کو آزاد کرتا ہے تو وُہ درحقیقت آزاد ہیں"۔ "وُہ
سچائی کو جان گئے ہیں اور سچائی نے اُن کو آزاد کر دیا ہے"۔ ہمارے
ہندوستانی بھائی تبلیغی اور کلیسیائی اُمور کو چلانا چاہتے ہیں اور یہ
اُن کا پیدائشی حق ہے کہ وُہ اس کام کو چلائیں۔ مسیح کی بادشاہی کو
اپنے مُلک میں قائم اور استوار کرنا ان کا حق ہے۔ اب تک وُہ مشنریوں
کے مددگار رہے ہیں لیکن اب ان کو مشنریوں کی طرح مشن کے ہر شعبہ
میں مستقل طَور پر خود ذمہ دار ہو کر کام کرنا چاہئے جہاں دونو عقل۔ لیاقت
وغیرہ میں ہم پلہ ہوں وہاں ہندوستانی کو مشنری پر ترجیح ملنی چاہئے"۔
(پنجاب مشن نیوز ۱۵ ستمبر ۱۸۸۸ء۔ صفحہ ۱۵ و ۱۶)۔

اِن دِنوں میں پادری میاں صادق امرتسر کا پاسٹر تھا۔ اُس
نے فروری ۱۸۵۹ء میں بپتسمہ پایا تھا۔ وُہ نارووال کا باشندہ تھا۔
تقریباً ۱۳ سال کیٹی کِسٹ رہا اور پھر فرنچ کے قدموں میں علم الٰہیات
حاصل کرتا رہا۔ اس کے بعد بٹالہ میں وُہ اکیلا مسیح کا مبشر رہا۔ اُس کو
مسیح کی قربت حاصل تھی۔ وُہ پہلا شخص تھا جو پنجاب سے کنعان

اور ارض مقدّس کو گیا تھا۔ بعد کے زمانہ میں وُہ مُدّت تک اجنالہ میں رہا۔ اُس نے اجنالہ کو مرکزی مقام بنا کر دُور دُور تک گاؤں گاؤں میں کلیسیائیں قائم کر دیں اور بالآخر اجنالہ میں ہی فوت ہو گیا ÷

رابرٹ کلارک عیسائیوں کو اعلیٰ رُتبوں پر فائز اور مالدار دیکھ کر بڑا خوش ہوتا تھا۔ وُہ اُن تنگ نظر لوگوں میں سے نہ تھا جو چاہتے ہیں کہ عیسائی ہمیشہ محکوم اور تابع رہیں۔ اُس کی دلی خواہش یہ تھی کہ عیسائی اعلےٰ مدارج حاصل کریں۔ اور ان میں علم کی روشنی چمکے۔ پس اُس نے عیسائی لڑکیوں کے لئے امرت سر میں الگزینڈرا گرلز ہائی سکول قائم کیا اور ۱۸۷۷ء میں بیرنگ کی فیاضی اور دریا دلی نے بیرنگ ہائی سکول کی بُنیاد بٹالہ میں ڈالی۔ ۱۸۸۴ء میں علی گڑھ کے سر سیّد احمد خاں نے الگزینڈرا سکول کو دیکھا اور نہایت خوش ہُوا۔

۱۸۷۸ء میں مسز کلارک کی صحت نہایت خراب ہو گئی اور کلارک اُس کو انگلستان لے گیا ÷

(۱۰)

جب رابرٹ کلارک انگلستان سے واپس آیا تو پنجاب کی کلیسیا کے حالات میں بہت تبدیلی واقع ہو چکی تھی۔ ۱۸۷۸ء میں پنجاب کلکتہ کے بشپ کے ماتحت نہ رہا اور سندھ کا علاقہ بمبئی کے بشپ کے ماتحت نہ رہا۔ پنجاب اور سندھ لاہور کے نئے اُسقف بشپ فرنچ کے ماتحت کر دیئے گئے۔ فرنچ نے رابرٹ کلارک کو اپنا آرچ ڈیکن مقرر کرنا چاہا لیکن حکومت ہند اس تجویز کے خلاف تھی۔ جب پنجاب کے لئے نیا اُسقف مقرر کر دیا گیا تو چرچ مشنری

سوسائٹی نے بھی پنجاب کو سی۔ ایم۔ ایس کلکتہ کے سیکرٹری کے ماتحت نہ رکھا بلکہ پنجاب کے لئے رابرٹ کلارک کو پہلا سیکرٹری مقرر کر دیا۔ چرچ آف انگلینڈ زنانہ مشنری سوسائٹی نے بھی اس کو اپنا سیکرٹری مقرر کر دیا۔ کلارک نے امرت سر کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اور اس مرکز سے مختلف مشنریوں کو اپنے وسیع تجربہ سے مدد دیتا اور اُن کی نگرانی کرتا رہا۔ غریب بشپ فرینچ کا اُس کے چیپلن دم ناک میں رکھتے تھے لیکن کلارک اُس کے ماتحت مشنری بکدلی اور تعاون سے کام کرتا تھا۔ کلارک کے ماتحت مشنری اُس کی ذات پر فخر کرتے تھے۔ ان دِنوں میں امریکن پریسبٹیرین مشن کا عمر رسیدہ مشنری ڈاکٹر اُلمن Dr. Ullman امرت سر آیا۔ اُس کی نسبت رابرٹ کلارک لکھتا ہے "یہ جرمن مشنری انگریز مشنریوں کی نسبت ہندوستان اور اس کے باشندوں سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ وُہ زیادہ سادہ زندگی بسر کرتے ہیں اور زیادہ مستقل مزاج ہیں اور ان کو غالباً خُدا کی قربت زیادہ حاصل ہے خُدا کرے کہ ہم اُن سے یہ باتیں سیکھیں"۔

۱۸۸۵ء میں بلوچستان میں تبلیغی کام کے لئے کوئٹہ کو مرکز بنایا گیا۔ کلارک کا یہ اصُول تھا کہ سرحدی مشن زیادہ تقویت پائیں تاکہ جونہی سرحد کی طرف دروازہ کھُلے مسیحی فوراً سرحد پار کرکے مُلک پر مسیح کا جھنڈا گاڑ دیں۔

اُس زمانہ میں پنجاب کے بعض چیپلن کلیسیائی رسُوم وغیرہ کے سخت پابند تھے۔ اس پر کلارک لکھتا ہے "اگر سرکار کو سرکاری بشپ چاہئے تو وُہ بیشک ان کو مقرر کرے لیکن ہمارے کام کے واسطے مشنری

بشپ کی ضرورت ہے کسی صدر اُسقف کو یہ مجاز نہیں کہ وُہ ہمارے کام کے لئے ایسے آدمی مقرر کرے جس کے خیالات ہمارے خیالات سے مختلف ہوں۔ ہم جو مشنری ہیں کیوں قیود کے بندھنوں میں بندھ جائیں جب کہ سرکار ہماری ہستی کی پروا نہیں کرتی اور مشنری کام کا لحاظ نہیں کرتی" ؂

۱۸۸۲ء میں گورنمنٹ نے اُس کو پنجاب یونیورسٹی کا فیلو مقرر کر دیا۔
۱۸۸۵ء میں کنٹربری کے صدر اُسقف نے مولوی عماد الدین لاہز کو ڈی۔ ڈی کی ڈگری عنایت فرمائی ؂

رابرٹ کلارک کا سیکرٹری کی حالت میں یہ طرزِ عمل تھا کہ وُہ مشنری کی جان کو روپیہ سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا۔ فی زمانہ مشنوں میں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کارگذار کو جتنا تھوڑا روپیہ دے سکو دو۔ لیکن کلارک روپیہ کی نسبت کارندہ کی جان اور صحت کی زیادہ قدر کرتا تھا۔ وُہ یہ چاہتا تھا کہ ہر ایک مشنری کا گھر پُر صحت ہو اور جب وُہ تھک کر کام سے واپس آئے تو اُس کو آرام ملے۔ اُس کو اچھا کھانا ملے تاکہ بغیر کسی دُنیاوی فکر کے وُہ اچھی طرح کام کر سکے ؂

(۱۱)

مارچ ۱۸۹۸ء میں اُس نے سیکرٹری کا کام چھوڑ دیا اور پادری ایچ۔ جی۔ گرے (H. G. Gray) اُس کی جگہ سیکرٹری مقرر ہُوا۔ اُس نے انگلستان رہائش اختیار کرنے کا خیال ترک کر دیا اور امرتسر میں موسمِ سرما اور شملہ میں موسمِ گرما کاٹنے کا فیصلہ کر لیا ؂

یکم مئی ۱۹۰۰ء کو موسمِ گرما کاٹنے کے لئے وُہ کسولی گیا۔ وہاں

چند روز بعد اُس کی صحت خراب ہوگئی۔ اُس کو معلوم ہوگیا کہ اُس کا آخری وقت نزدیک آگیا ہے۔ مسز کلارک نے اُس کے پاس بیٹھ کر ۲۳واں زبور پڑھا اور مسیح کا یہ وفادار خادم ۱۶ مئی ۱۹۰۰ء بدھ کے روز سات بج کے پانچ منٹ پر اپنے خداوند کے آرام میں داخل ہوگیا۔ اُس کی وصیت کے مطابق اُس کی لاش امرت سر لائی گئی۔ ہزاروں مسیحی اور غیر مسیحی جنازے کے ہمراہ قبرستان گئے۔ سڑکوں پر آدمیوں کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہندوستانی مسیحیوں نے اپنے عزیز سردار۔ رہنما اور دوست کی لاش اپنے کندھوں پر رکھی۔ اور اُس کو سپردِ خاک کیا۔

پادری اینڈرو گورڈن ڈی۔ڈی

Rev. Andrew Gordon D.D.

الگزینڈر گورڈن (Alexander Gordon) مانٹروس۔ سکاٹ لینڈ (Montrose, Scotland) میں ۱۷۸۸ء کے قریب پیدا ہوا۔ سکاٹ لینڈ سے نقل مکانی کرکے وہ امریکہ چلا گیا جہاں وہ ۱۸۴۵ء میں فوت ہوگیا۔ اُس کا بیٹا اینڈرو پٹنم نیو یارک (Patnam, New York) میں ۱۷ ستمبر ۱۸۲۸ء کے روز پیدا ہوا۔

اینڈرو لڑکپن ہی سے خدا پرست اور دیندار تھا۔ عالمِ شباب میں اُس نے اچھی تعلیم حاصل کرکے مذہبی امور کی جانب رُخ

کیا۔ حُسنِ اتّفاق سے اُس کو بیوی بھی ایسی ملی جو ہر طرح سے اُس کی مددگار تھی۔ شادی سے پہلے اُس کا نام ربقہ کیمبل سمتھ تھا۔ وُہ ایک پارسا عورت تھی جس کے دِل میں مسیح کی محبّت جاگزین تھی۔ دونوں کی شادی ۱۸۵۲ء میں ہُوئی۔ شادی کے بعد دونوں میاں بیوی خُدا کے کام میں مشغُول رہتے تھے۔ اینڈرُو کا ابھی تقرر نہیں ہُوا تھا۔ وُہ اپنے علاقہ کے پاسبان کے ماتحت دینی اُمور کو سرانجام دیتا تھا۔

(۲)

جُون ۱۸۵۴ء میں امریکہ کے شہر پٹس برگ (Pittsburgh) میں جب ایسوسی ایٹ پریسبٹیرین سِنڈ آف نارتھ امریکہ (Associate Presbyterian synod of North Am.) کا اجلاس ہُوا تو یہ قرار پایا کہ ہندوستان میں انجیل کی اشاعت کے لئے ایک مشن کھولا جائے۔ پادری اینڈرُو گوردن کو پہلا مشنری مقرر کیا گیا۔ چونکہ اس تقرر کے لئے اُس نے کسی قسم کی کوشش نہیں کی تھی لہٰذا اس کو اُس نے اور اُس کی بیوی نے الٰہی بُلاہٹ سمجھ کر قبول کر لیا۔ اُس نے اپنی بہن ایلزبتھ کو بھی مشنری بننے کی ترغیب دی اور وُہ بھی ان کے ساتھ ہندوستان آنے کے لئے تیار ہو گئی۔ یہ تینوں ۲۸ ستمبر ۱۸۵۴ء کے روز جہاز میں سوار ہو گئے۔ ساڑھے چار ماہ کے بعد ۱۳ فروری ۱۸۵۵ء کے روز وُہ کلکتہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر وُہ سیدھے ڈاکٹر ڈف (Duff) کے مکان پر گئے۔ ان دِنوں میں ڈاکٹر موصوف ہندوستان میں نہیں تھے پس وُہ چند دِنوں کے لئے ایک بورڈنگ ہاؤس میں چلے گئے۔ ۳ مارچ کے

روز وُہ کلکتہ سے روانہ ہو گئے۔ راہ میں اُنہوں نے الہ آباد مین پوری فتح پور اور سہارن پور میں مشنریوں سے ملاقات کی۔ چونکہ سہارنپور میں پادری جے کالڈویل (Caldwell) نہیں تھے وہاں کے مبلغین نے اُن کو اُس کے گھر میں اُتارا تاکہ وُہ وہاں رہ کر زبان کی تحصیل کرے۔ اور مختلف تبلیغی مساعی سے واقف ہو کر تجربہ حاصل کرے۔ اسی سال وُہ ہردوار کے میلہ پر دیگر مبلغین کے ساتھ گیا۔ سہارن پور میں قیام کر کے اُس نے چاروں طرف نگاہ کی تاکہ اپنی تبلیغی مساعی کے لئے ایک مرکز تجویز کرے۔ اِس غرض کے لئے اُس نے علی گڑھ۔ باندہ۔ بریلی اور سیالکوٹ پیشِ نظر رکھے اور بالآخر سیالکوٹ اُس کو پسند آیا کیونکہ پنجاب حال میں ہی انگریزوں کے قبضہ میں آیا تھا اور اُس میں تبلیغی مساعی کے لئے بہت گنجائش تھی۔ پس اُس نے کپتان جان مِل (John Mill) کے ساتھ جو سیالکوٹ میں رہتا تھا خط و کتابت شروع کی۔ اپنی بیوی اور بہن کو سہارن پور چھوڑ کر گورڈن اکیلا سیالکوٹ آیا۔ وُہ اِس مقام کو دیکھ کر بہت خوش ہُوا اور رہائش کے لئے مقام تجویز کرنے لگا۔ اُس نے شہر کے باہر زمین خریدی اور ایک گھر تعمیر کیا۔ ان دنوں الیشع سوفٹ (Elisha Swift) اور عبداللہ آتھم دورے پر نکلے ہُوئے تھے الیشع سوفٹ نے گورڈن کو بتایا کہ وُہ پانچ بھائی تھے جو یتیم ہو گئے تھے۔ دو بڑے بھائی برطانوی فوج میں بھرتی ہو کر جنگ کابل میں چلے گئے۔ باقی تین بھائی لُدھیانہ کے مشن کے یتیم خانہ میں داخل کئے گئے۔ اور اُن کا نام ڈانیل سوفٹ۔ الیشع سوفٹ اور

جی۔ ڈبلیو سکاٹ رکھا گیا۔ جی۔ ڈبلیو سکاٹ ایک دیندار اور محنتی لڑکا تھا۔ ایک مسلمان تاجر نے اُس کو پشاور میں ملازم رکھ لیا لیکن وُہ ہر دم مسیح کا نجات بخش پیغام لوگوں کو سُناتا رہتا تھا۔ ۱۸۴۲ء کی جنگِ کابل کے بعد ایک انگریز خاتون کتابِ مقدس کی جلدوں کو کابل بھیجنا چاہتی تھی۔ کرنیل ویلر (Col. Wheeler) کی خواہش تھی کہ اِن جلدوں کو مفت تقسیم نہ کیا جائے بلکہ ان کو افغانستان میں فروخت کیا جائے۔ صلیب کے جانباز عاشق سکاٹ نے فوراً اس کام کا بیڑا اُٹھایا اور پشاور سے کابل پہنچا اور وہاں کتابِ مقدس کی جلدیں فروخت کرنے لگا۔ جب امیر دوست محمد خاں کو خبر ملی تو اُس نے سکاٹ کو گرفتار کر لیا اور کہا کہ اگر تُم کلمہ نہ پڑھو گے تو قتل کئے جاؤ گے۔ سکاٹ نے کہا کہ اگر مجھے دلائل سے مُسلمان کیا جائے تو مُجھے عذر نہ ہوگا۔ اس پر مباحثہ شروع ہُوا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ امیر دوست محمد خاں نے سکاٹ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اُس کو واپس علی مسجد تک صحیح و سلامت بھیج دیا گیا لیکن کتابِ مقدس کی جلدیں کابل میں ہی رہ گئیں۔

گورڈن نے اس جوانمرد کو بخدمت ہونے کے لئے سیالکوٹ بُلا لیا۔ الیشع سوفٹ بھی مئی ۱۸۵۶ء میں وہاں پہنچ گیا۔ اور جولائی میں گورڈن کے ساتھ کام کرنے لگ گیا۔ اسی سال پادری افرائیم ایچ سٹیونسن (Ephraim H. Stevenson) اور پادری آر۔ اے ہل (R. A. Hill) سیالکوٹ آ گئے۔ اور سٹیونسن نے غیر مسیحیوں کے لئے سکول چلانا منظور کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی یہاں ایک یتیم خانہ کھول دیا گیا اور مس ایلزبتھ گورڈن اس کی نگران مقرر کی گئی۔ اِن دنوں

میں بخار کے عارضہ سے اموات کثرت سے ہُوئی تھیں پس ۱۸۵۷ء میں ۲۲ یتیم بچّے یتیم خانہ میں داخل کئے گئے۔

نومبر ۱۸۵۶ء میں گورڈن اور اُس کے ہمخدمت سیالکوٹ کے گرد و نواح میں انجیل جلیل کا پیغام سُنانے لگے۔ وُہ گاؤں بہ گاؤں اور شہر بہ شہر پھرتے ساٹھ میل جہلم تک نکل گئے۔ وہاں سے واپس آکر وُہ ظفروال کی جانب چلے گئے۔ سکاٹ اور سوفٹ ان کے ساتھ تھے۔ وُہ ظفروال میں روزانہ بازاری منادی کرتے اور گرد و نواح کے گاؤں میں نجات کا پیغام دیتے تھے۔ اُنہوں نے ہزاروں کتابیں مُفت تقسیم کر دیں اور حق کے متلاشی گورڈن کے پاس آنے شروع ہو گئے۔

(۳)

۱۸۵۷ء کا سال تمام ہندوستان میں فساد کا زمانہ تھا۔ ۱۴ مئی کے روز ڈپٹی کمشنر نے گورڈن کو اطلاع دی کہ سر جان لارنس نے پیغام بھیجا ہے کہ ہر یورپین لاہور کے قلعہ میں پناہ گزین ہو جائے ورنہ وُہ کسی کے جان و مال کی حفاظت کا ذمّہ دار نہ ہوگا۔ ۱۱ جُون کے روز گورڈن اور اُس کے ہم خدمت لاہور کی طرف روانہ ہو گئے اور جب تک فساد ختم نہ ہُوا لاہور کے قلعہ میں مقیم رہے۔

(۴)

گورڈن کی یہ خواہش تھی کہ شہر کے درمیان گرجہ کی تعمیر کے لئے ایک قطعہ زمین خرید اجائے لیکن غیر مسیحی اس کے سخت مخالف تھے۔ پس اُس نے شہر کے باہر تحصیل کے قریب زمین کا ایک قطعہ حاصل کیا۔ گرجہ گھر کی تعمیر کے لئے چار ہزار روپیہ چندہ فراہم ہو گیا اور

عمارت کھڑی ہوگئی۔ جب عمارت کھڑی ہوگئی تو کمشنر نے حکم بھیجا
کہ اس عمارت کو سرکاری کام کے لئے استعمال کیا جائے یا اس کو
مسمار کیا جائے کیونکہ سرکار کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ چونکہ گرجہ
کی عمارت تحصیل کے قریب ہے ممکن ہے غیر مسیحی یہ خیال کریں کہ
گورنمنٹ خود اس گرجہ کو تعمیر کر رہی ہے! علاوہ ازیں گرجہ گھر کا
مسجد اور مندر کے قریب ہونا ایک خطرناک امر خیال کیا گیا۔
لیکن سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ اگر آئندہ کسی فساد کے زمانہ میں تحصیل
کو قلعہ کے طور پر استعمال کرنا پڑے تو گرجہ اس مقصد براری
میں مانع ہوگا۔

گورڈن اور اس کے ہم خدمتوں نے اس حکم کے خلاف اپیل
کی۔ سر رابرٹ منٹگمری نے بھی وائسرائے لارڈ کیننگ کو لکھا
جب لارڈ کیننگ سیالکوٹ آیا تو اس نے فیصلہ دیا کہ گرجہ کو مسمار
نہ کیا جائے۔

(۵)

جب فسادات کا زمانہ ہوگیا اور گورڈن اور اس کے سب
پردیسی ہمخدمت واپس سیالکوٹ صحیح سلامت زندہ پہنچ گئے تو
انہوں نے خدا کا شکر کیا اور انجیل کی اشاعت میں آگے سے بھی زیادہ
سرگرم ہوگئے۔ ۲۵ر اکتوبر ۱۸۵۷ء کے روز ایک تعلیم یافتہ ہندو رام بھجن
اور ایک چوہڑہ جوہری کا اکٹھا بپتسمہ ہوا۔ یہ گورڈن کے پہلے
نو مرید تھے۔ ۱۴ر نومبر کو ایک اور چوہڑا جما تو عیسائی ہوگیا۔
جب چوہڑوں میں سے لوگ عیسائی ہونے لگے تو ایک مشنری

کانفرنس میں کہا گیا کہ گورڈن نے بڑی غلطی کی ہے کیونکہ اب اُونچی ذاتوں والے کلیسیا میں داخل نہیں ہوں گے۔ لیکن یہ خیال غلط ثابت ہُوا کیونکہ اس کے تین ہفتہ بعد ایک اور معزز مُسلمان عیسائی ہو گیا اور ۱۸۵۸ء میں تو ہندوؤں اور مسلمانوں نے بپتسمہ پایا جن میں ایک عورت بھی تھی۔ متلاشیانِ حق کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ ان کی روزگار کی سبیل کے لئے ان کو مختلف کام سکھائے گئے۔ مثلاً مردوں کو صابن۔ تیل۔ موم بتیاں اور زنار بین وغیرہ بنانا اور عورتوں کو سینا پرونا وغیرہ سکھایا گیا۔ ستمبر ۱۸۵۹ء میں مشن سکول کا ایک لڑکا بال کرشن جو بنارس کے پنڈت کاکا رام کا پوتا تھا عیسائی ہو گیا اُس کا نام ٹامس سٹنسن (Thomas Stinson) رکھا گیا۔ تمام شہر میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ برہمنوں نے اُس کو سمجھایا دھمکایا اور بہتیرا ورغلایا لیکن اُس نے کسی کی نہ مانی۔ اور بپتسمہ پاکر سیالکوٹ سے چلا گیا۔

مئی ۱۸۵۸ء میں اتحاد کی وجہ سے کلیسیا کا نام بدل دیا گیا اور اس کا نام یونائیٹڈ پریسبٹیرین چرچ آف نارتھ امریکہ (United Presbyterian Church of N. Amr.) رکھا گیا۔ جنوری ۱۸۵۹ء کے روز الیشع پی سوفٹ اور جارج واشنگٹن سکاٹ کا خادم الدین کے عہدے پر تقرر ہو گیا۔ اسی سال ماہ جولائی میں لڑکوں کا سکول شہر سے باہر آگیا۔

جنوری ۱۸۶۳ء میں گجرانوالہ میں مشن نے کام شروع کر

دیا اور پادری بار Rev. Barr اور پادری سکاٹ وہاں بھیجے گئے۔ اسی سال لڑکوں کا یتیم خانہ بھی سیالکوٹ سے گجرانوالہ تبدیل کر دیا گیا۔ اور صرف لڑکیاں سیالکوٹ کے یتیم خانہ میں رہ گئیں۔

فروری ۱۸۶۴ء میں گورڈن صاحب سیالکوٹ کی آب و ہوا اور کام کی مشقت کی وجہ سے بیمار ہو گیا۔ پس صحت کی بنا پر دس سال کے بعد اُس کو اور اُس کے خاندان کو نومبر ۱۸۶۴ء میں واپس امریکہ جانا پڑا۔ اس دس سال کے عرصے میں ۲ ہندوستانی مسیحی خادم الدین کے عہدے پر مقرر کیے گئے۔ سیالکوٹ اور گجرانوالہ میں مشن قائم ہو گئے۔ دو مستقل کلیسیائیں قائم ہو گئیں۔ لڑکوں کے یتیم خانہ میں ۴۲ اور لڑکیوں کے یتیم خانہ میں ۱۷ افراد تھے۔ تین لڑکوں کے سکولوں میں دو سو سے زائد طلبا پڑھتے تھے۔ اور ایک انڈسٹریل سکول کھولا گیا تھا۔

(۶)

ظفروال کے قریب نواں پنڈ کے میگھوں میں کام شروع کر دیا گیا۔ یہاں میگھوں کے ۲۵ خاندان تھے جو کپڑے بُنتے تھے۔ اُن کے نمبردار رام کا بیٹا کنھیا اور ایک نوجوان بھجن مسٹر سکاٹ کی کوششوں سے نومبر ۱۸۶۶ء میں عیسائی ہو گئے۔ تب میگھوں میں بڑا جوش اور ہیجان پیدا ہو گیا۔ اُن کی برادری نے اُن پر طرح طرح کے ظلم کئے۔ اُن کو بُری طرح زدوکوب کیا گیا لیکن خدا نے اُن کو ایمان کی استقامت بخشی۔ احد اُن کے پیٹنے والوں میں سے

ایک حسن خاں نے جو ظفروال کا نمبردار تھا مشن کے لئے گیارہ ایکڑ زمین دے دی۔ اِس جگہ کا نام سکاٹ گڑھ رکھا گیا۔ کنہیا اور بھجن کو اُن کے گھروں سے نکال دیا گیا۔ اُن کے بیوی بچے اُن سے چھن گئے لیکن اُنہوں نے خداوند کا انکار نہ کیا۔ کنھیا نے اپنے بچوں کے لئے عدالت میں دعوے دائر کر دیا لیکن اُس کے رشتہ داروں نے اُس کی بیوی بچوں کو کشمیر میں کسی نامعلوم جگہ بھیج دیا۔ کنھیا جموں گیا اور عدالت میں اپنے بیوی بچوں کے لئے چارہ جو ہُوا پر اُس کی شنوائی نہ ہُوئی۔ لیکن جہاں کہیں کنھیا گیا وُہ خداوند کی انجیل کی بشارت دینے سے باز نہ آیا۔ خدا نے بھی بالآخر اُس کی مُراد پُوری کر دی اور اُس کے بچے اُس کو مِل گئے۔ اُس نے سکاٹ گڑھ میں رہائش اختیار کر لی۔ اُس کی استقامت کا یہ نتیجہ ہُوا کہ باقی سیکھ بھی یکے بعد دیگرے عیسائی ہو گئے۔ اُس کی بیوی بھی اُس کے پاس آ کر رہنے لگی اور ۱۸۷۱ء میں عیسائی ہو گئی۔ اُس کے لڑکے لہنا مل اور گمنڈا مل انجیل کی خدمت کرنے لگ گئے۔ کنھیا اور بھجن سکاٹ گڑھ کے پہلے ایلڈر مقرر کئے گئے۔

(۷)

ہم اُوپر ذکر کر چکے ہیں کہ مشن نے لڑکوں کا یتیم خانہ گوجرانوالہ میں منتقل کر دیا تھا۔ ان لڑکوں میں سے دو کا باپ دیوی بھیجا ذات کا برہمن تھا اور فوج میں افسر تھا لیکن لکھنؤ کے محاصرہ میں فساد کے ایّام میں مارا گیا تھا۔ ۱۸۶۰ء کے زمانۂ قحط میں اُس کی بیوہ اور بچوں نے پنجاب کا رُخ کیا اور سیالکوٹ آ گئے۔ پادری ہل

نے اُن کو یتیم خانہ میں داخل کر لیا۔ چھوٹے کا نام جارج لارنس ٹھاکر داس رکھا گیا اور بڑے بھائی کا نام ویلیس (Wallace) رکھا گیا۔ جارج لارنس کو مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ اور وُہ رفتہ رفتہ گجرانوالہ کے شہر کے سکول میں اُستاد ہو گیا۔ ۱۸۷۰ء میں انٹرنس پاس کر کے وُہ انجیل کی خدمت کرنے لگ گیا۔

(۸)

۱۸۶۴ء میں پولیس نے جرائم پیشہ اقوام میں سے ایک قوم کے آدمی گرفتار کر لئے اور اُن کے لڑکے مشن کے یتیم خانہ میں داخل کئے گئے۔ ان میں سے ایک نثار علی تھا۔ جب اُس کا باپ قید سے چھوٹ کر آیا تو اُس نے کوشش کی کہ نثار علی کو اپنے ساتھ لے جائے۔ لیکن نثار علی اِس اثنا میں عیسائی ہو گیا تھا اور واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کی شادی کنھیا کی سب سے بڑی لڑکی بسو سے ہو گئی اور وُہ انجیل جلیل کی خدمت کرنے لگ گیا۔ ۱۲ر نومبر ۱۸۸۵ء کے روز اُس کا تقرر خادم الدین کے عہدے پر کیا گیا۔

(۹)

۷ر فروری ۱۸۷۶ء کے روز گوردن سیالکوٹ سے گورداس پور تبدیل ہو کر گیا۔ اس سے پہلے گورداسپور میں امام الدین شہباز کام کر چکا تھا۔ اس علاقہ میں قریباً دو ہزار گاؤں تھے۔ گوردن کی یہ خواہش تھی کہ وُہ ان سب گاؤں میں انجیل جلیل کا پیغام سُنائے غیر مسیحی بہت چاہتے تھے کہ گوردن وہاں لڑکوں کی تعلیم کے لئے ایک سکول کھولے۔ لیکن گوردن اس قسم کے تبلیغی طریقہ کے خلاف تھا۔

وُہ صرف انجیل کی بشارت کرنی چاہتا تھا۔ گورداسپور جاتے ہی اُس نے اُونچی ذات کے غیر مسیحیوں میں انجیل سُنانی شروع کر دی۔ گورداسپور کے گورنمنٹ سکول کے سامنے وُہ انجیل کا پیغام سُناتا تھا۔ لڑکے اُس کے اِرد گرد جمع ہو جاتے اور نہایت غور سے اُس کی منادی سُنتے تھے۔ اور بعد میں اُس کے گھر آ کر اُس سے بات چیت کیا کرتے تھے۔ گاؤں میں بھی جب وُہ جاتا تو ہندوؤں، مُسلمانوں اور سِکھوں میں ہی زیادہ تر انجیل سُناتا تھا۔ غیر مسیحی بڑی خوشی سے اُس کے وعظ سُنتے تھے۔ اُس کو بڑی اُمّید تھی کہ اُن میں سے بہت اشخاص نجات دہندہ کے قدموں میں آ جائینگے۔ ہندو اور مُسلمان اُس سے انجیل لے کر مطالعہ کرتے اور ایک دُوسرے کے ساتھ مذہبی امُور پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ قریباً پچّاس تعلیم یافتہ غیر مسیحی حق کے متلاشی ہو گئے لیکن کسی کی ہمّت نہ ہُوئی کہ مسیح کی خاطر سب کُچھ چھوڑ دیں۔

اس کے ساتھ ساتھ گورڈن نے نیچی ذات والے لوگوں کو بھی نظر انداز نہ کیا۔ چُوہڑوں میں سے بہت سے لوگ خداوند کے قدموں میں آ گئے۔ دینا نگر میں بھی کام کھولا گیا اور وہاں ۱۸۷۶ء میں عزیز الحق بھیجا گیا۔ عزیز الحق نارووال کے سکول میں طالب علم رہ چکا تھا۔ امرتسر میں اُس کو پادری رابرٹ کلارک نے بپتسمہ دیا تھا۔ لیکن اُس کی بیوی امرتسر میں بیمار رہتی تھی لہٰذا وُہ گورڈن کے پاس آ گیا تھا۔ مُسلمانوں نے دینا نگر میں اُس کی مخالفت کی لیکن انجیل کی بالآخر فتح ہُوئی اور ۱۸۷۷ء میں دینا نگر شہر سے اٹھارہ آدمی عیسائی ہو گئے۔

گورڈن اپنا دس سالہ تجربہ بیان کر کے کہتا ہے کہ جب میں

گورداسپور گیا تو میری نظر شہروں اور قصبوں پر تھی لیکن وہاں سے مجھے دیہات کی طرف نظر کرنی پڑی۔ میں تبلیغی کام کو پہلے اُونچی ذاتوں میں کرتا تھا لیکن وہاں سے مجھے غریبوں اور فروتنوں کی طرف آنا پڑا۔ اُونچی ذات والے نکودیمس کی طرح کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور اُس کے آگے نہیں بڑھتے لیکن نیچی ذات والے نجات کے پیغام کو خوشی سے قبول کرتے ہیں ÷

گورداسپور کے ضلع میں کام اتنا بڑھ گیا تھا کہ گورڈن اکیلا اس کو سنبھال نہ سکا۔ پس اُس کی درخواست پر اس ضلع کی تقسیم کی گئی اور یکم اپریل ۱۸۸۳ء کے روز پادری کولڈویل (Caldwell) کو پٹھانکوٹ بھیجا گیا ÷

اُن ایام میں مِشن کا یہ قانون تھا کہ دس سال کے بعد مشنری رخصت پر امریکہ جائیں۔ چونکہ اینڈریو گورڈن اپنے تبلیغی جوش کی وجہ سے دن رات اپنے مُنجی کا پیغام سُنانے میں مشغول رہتا تھا مُلک کی ناموافق آب و ہوا نے اُس کو پیش از وقت کمزور کر دیا اور اُس کو ۱۸۸۵ء میں امریکہ واپس جانا پڑا تاکہ اپنی صحت کو دوبارہ حاصل کرے لیکن اِس کے دو سال بعد ۱۳ اگست ۱۸۸۷ء کے روز وہ ابدی آرام میں سو گیا۔ "گو وہ مر گیا تاہم وہ زندہ ہے" کیونکہ اُس کا سب سے چھوٹا بیٹا ڈیوڈ ریڈ (David Reid) اپنے باپ کی جگہ گورداسپور میں اپنے مُنجی کا پیغام سُناتا رہا۔ اور ڈیوڈ ریڈ کا بیٹا اینڈریو کا پوتا واکر (Walker) جہلم میں انجیل جلیل کی بشارت دیتا رہا ÷

پادری ٹامس ہنٹر شہید ایم۔ اے

Rev. Thomas Hunter – M. A.

(۱)

پادری ٹامس ہنٹر نے پنجاب میں چرچ آف سکاٹ لینڈ کی بنیاد ڈالی۔ وہ ۴ دسمبر ۱۸۲۷ء کے روز ایبرڈین (Aberdeen) شہر میں جان ایم۔ ہنٹر کے گھر پیدا ہوا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس نے کنگس کالج Kings College میں علم الہیات کا مطالعہ کیا۔ طالب علمی کے ایام میں اس کی روحانی زندگی نے بہتیروں کو متاثر کیا۔ وہ یونیورسٹی کی مشنری سوسائٹی کا پریذیڈنٹ تھا۔

۱۸۵۵ء میں فارن مشن کمیٹی نے یہ تجویز کی کہ ٹامس ہنٹر کا تقرر کر کے اس کو پنجاب روانہ کیا جائے تاکہ سکھوں کے درمیان انجیل جلیل کی اشاعت کرے۔ پس وہ ۱۹ جولائی کے روز سینٹ اینڈریوز چرچ ایڈنبرا St. Andrew's Church Edinburgh میں پنجاب کے لئے مخصوص کیا گیا۔ اسی شام اس کی شادی مس جین سکاٹ (Miss Jane Scott) کے ساتھ ہو گئی۔ جو نہایت پارسا شریف النفس اور دیندار خاتون تھی اور سبت سکول میں انجیل کا پیغام سنایا کرتی تھی۔

پادری ہنٹر کی یہ خواہش تھی کہ چند ایک مبشر اس کے

ساتھ پنجاب آئیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "ہندوستان میری مسافرت کا مُلک ہے۔ میرے وہاں جانے کی خبر ہر طرف پھیل گئی ہے۔ کاش کہ اور شخص بھی میرے ساتھ چلنے کا تہیہ کر لیں۔ لیکن میں اکیلا وہاں جا رہا ہوں کیونکہ کوئی اور شخص میرا ساتھ دینے کو تیار نہیں"۔

۲۵ اگست کے روز پادری ہنٹر اور اُس کی بیوی نے اپنا وطن چھوڑا اور دونوں سال کے آخر میں براہِ راس اُمید بمبئی بخیریت تمام پہنچ گئے۔

(۲)

ٹامس ہنٹر نے بمبئی میں جنرل اسمبلی کی انسٹی ٹیوشن کا چارج لے لیا۔ اور اکتوبر ۱۸۵۶ء تک وہاں مقیم رہا۔ ماہ مئی میں مدراس کے مسٹر شرف (Sherriff) اُس کے ساتھ کام کرتے رہے اور یوں پانچ ماہ تک انسٹی ٹیوشن نے ان دونوں قابل ہستیوں کی ایثار نفسی سے فائدہ اُٹھایا۔ ان ایام میں سات اشخاص نے بپتسمہ پایا۔ جن میں سے ایک نصراللہ تھا اور دُوسرا ان کا اُستاد سیّد محمد اسمٰعیل تھا۔ نصراللہ ۲۰ جولائی کے روز اور سیّد محمد اسماعیل ۲۱ اگست کے دن مشرف بہ مسیحیت ہو گئے۔

(۳)

۱۵ اکتوبر کے روز دونوں میاں بیوی بمبئی سے سیالکوٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ سیّد محمد اسمٰعیل ان کے ساتھ تھا۔ ان کے سامنے ۱۴۰۰ میل کی لمبی مسافت تھی۔ وہ پہلے کراچی گئے اور کراچی سے دریائے سندھ ہوتے ہوئے دریائے جہلم کے راستے شہر

جہلم پہنچے۔ اور وہاں سے گجرات کے راستے سیالکوٹ آ گئے۔

شہر سیالکوٹ مقدس شہر یروشلیم کے عرض بلد میں واقع ہے اور جموں سے ۲۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ جموں میں ان دنوں انجیل کی اشاعت ممنوع تھی۔ ہنٹر نے چھاؤنی میں رہائش اختیار کر لی اور چھاؤنی اور شہر دونوں میں انجیل جلیل کا پیغام سُنانے لگا۔

۲ اپریل ۱۸۵۶ء کے روز اُس نے سکاٹ لینڈ کو لکھا کہ میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ کوئی تعلیمی درسگاہیں سیالکوٹ میں نہ کھولی جائیں بلکہ میں دیسیوں کی طرح زندگی بسر کروں۔ مَیں چین نہیں لُونگا جب تک مَیں پنجابیوں کی زبان اور رسم و رواج سے کما حقہ واقفیت حاصل نہ کر لُوں گا۔ جُوں جُوں مجھے زبان آتی جائیگی مَیں بے خوف و خطر دفاداری سے نجات کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا جاؤں گا۔ پھر جب یہاں کے لوگ مسیحی ہو جائیں تو وُہ خود سکول قائم کریں لیکن ان میں غیر مسیحی اُستاد نہ رکھے جائیں۔

(۴)

سیالکوٹ پہنچ کر اُس نے لکھا "جو وجوہ ۱۸۵۴ء اور ۱۸۵۵ء میں سیالکوٹ میں مشن قائم کرنے کے لئے آپ کی کمیٹی کو دیئے گئے تھے وُہ یہاں آ کر اور بھی قوی معلوم ہوتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ امریکن پریسبٹیرین مشن کے تین مشنری یہاں کام کرتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم نے یہاں مشن قائم کرنے میں غلطی کی ہے۔ ہم اس مشن کے مبلغین سے رشتۂ اتحاد قائم کرینگے

اور ان کے مسیحی تجربہ اور مشنری تجربہ سے بھی فائدہ اُٹھائیں گے
وُہ ہمارے کام میں مداخلت نہیں کرینگے۔ ہم ابھی تک پنجابی زبان
نہیں بول سکتے۔ محمد اسماعیل ہماری تسلّی اور آرامِ قلب کا باعث
ہے خُدا اس کو اپنی رُوح کی معمُوری عطا فرمائے"۔

۲۸ر فروری ۱۸۵۷ئہ کے روز اُس نے لکھا "جب سے ہم
سیالکوٹ آئے ہیں ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ چرچ آف سکاٹ لینڈ کا
کا مِشن یہاں قائم ہو جائے۔ ابتدا میں ہم کو ہر قسم کی مایُوسی کا
سامنا کرنا پڑا اور مُشکلات کا پہاڑ ہم پر ٹُوٹ پڑا لیکن خُدا کی
مدد سے ہم ان مُشکلات پر غالب آگئے ہیں۔ ہم نے اَب کام شروع
کر دیا ہے۔ ایک سکُول لڑکوں کے لئے اور ایک لڑکیوں کے
لئے کھولا ہے۔ بالغوں کے لئے ایک ہفتہ وار عبادتی جلسہ
ہوتا ہے۔ ہر روز نو مُریدوں کو علم الٰہیات کی تعلیم دی
جاتی ہے"۔

(۵)

اِنہی ایّام میں فسادات کی ابتدا ہوگئی اور تمام ہندوستان کی
فضا مکدّر ہوگئی۔ سر جان لارنس (Sir John Lawrence) کے
تمام مشنریوں کو کہلوا بھیجا کہ لاہور کے قلعہ میں آجائیں ورنہ وُہ اُن
کی جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ سیالکوٹ چھاؤنی
کے فوجی افسر اِس بات کا یقین ہی نہیں کرتے تھے کہ اُن کی ماتحت افواج
فساد میں شریک ہوں گی۔ چنانچہ وہاں کے کمان افسر نے سپاہیوں
سے ہتھیار نہ چھینے۔ اور اُن تمام لوگوں کے خلاف ہوگیا جو اپنی

حفاظت کے لئے تیاری کرنا چاہتے تھے حتّٰی کہ اُس نے حکم دیا کہ گرجا میں جان و مال کی حفاظت کے لئے بھی دُعا نہ کی جائے۔ اُس نے پادری بوئیل (Boyle) کو دھمکی دی کہ اگر تم دُعائیں مانگو گے تو مَیں تم کو جان سے مار دُوں گا۔ اِس پر ہنٹر کی بیوی نے کہا کہ اگر کمان افسر میرا سر بھی قلم کر دے تو بھی مَیں دُعا مانگنے سے باز نہ آؤں گی +

(۶)

ہنٹر کی یہ خواہش تھی کہ جلدی لاہور کے قلعہ میں پہنچ جائے لیکن اِن دِنوں میں انتظام نہ ہو سکا۔ اور جب انتظام ہو گیا تو چند وجوہ کے سبب وُہ جا نہ سکے۔ بالآخر یہ قرار پایا کہ وُہ اور پادری بوئیل ۸ رجولائی کو لاہور روانہ ہو جائیں لیکن اِس روز بھی وُہ نہ جا سکے۔ رات کو مسز ہنٹر کو خواب آیا کہ وُہ اور اُس کا خاوند اور ننّھا بچّہ تینوں قتل کر دئے گئے ہیں۔ اس خواب سے وُہ اَور بھی پریشان ہو گئے اور یہ گمان کیا کہ خُدا کی مرضی ہے کہ وُہ جلدی لاہور روانہ ہو جائیں۔ علے الصّباح ۹ رجولائی کے روز وُہ تینوں ایک گاڑی میں سوار ہو کر وزیر آباد کی جانب چل دئے۔ لیکن مُفسدین کو دیکھ کر اُس نے گھوڑے کی باگ موڑی اور قلعہ کی جانب رُخ کر لیا۔ راہ میں جیل خانہ تھا۔ جب وُہ اُس کے قریب پہنچے تو قیدی وہاں سے نِکل کر بھاگ رہے تھے۔ وہاں ایک برقنداز حُرمت خاں تھا جو ضلع کی عدالت میں جلّاد کے کام پر مقرّر تھا اور برخاست کر دیا گیا تھا۔ جب اُس نے ہنٹر کی گاڑی دیکھی تو کہنے لگا کہ "وُہ دیکھو انگریز آ رہے ہیں۔ آؤ ان

کو قتل کریں"۔ اس پر چیند ایک نے کہا کہ "وہ تو پادری صاحب ہیں۔ جانے بھی دو۔ انہوں نے ہمارا کیا بگاڑا ہے۔ ہمارا جھگڑا تو سرکار کے ساتھ ہے"۔ جب حُرمت خاں نے دیکھا کہ کوئی شخص اُس کا ساتھ دینے کو تیار نہیں تو وہ اکیلا چل پڑا۔ اُس نے پہلے پادری ہنٹر کو گولی ماری۔ پھر اُس نے اُس کی بیوی کو تلوار سے شہید کیا اور پھر اُس کے بچّہ کو ذبح کیا اور اُن کو سڑک پر خون میں غلطاں چھوڑ کے چل دیا ؞

۹ رجُون کے روز اُس نے آخری خط سکاٹ لینڈ کو لکھا جس میں اُس نے بتایا کہ "میری دلی خواہش یہی ہے کہ مَیں پنجابیوں میں انجیل کی منادی کرُوں۔ ہم یہاں چاروں طرف خطرے میں گھرے ہیں اور اُمّید کرتے ہیں کہ ہم یہاں رہینگے۔ خُدا ہمارا حافظ ہو" ؞

یہ اُس شخص کے آخری لفظ تھے جس نے اپنی جان دی تاکہ پنجاب کے سِکھوں میں انجیل جلیل کا جانفزا پیغام سُنایا جائے ؞

بشپ جارج ایلفرڈ لیفرائے ایم۔ اے ڈی ڈی
Bishop George Alfred Lefroy

(۱)

جارج ایلفرڈ لیفرائے پادری جیفری لیفرائے Rev. Jeffrey Lefroy) کا بیٹا تھا جو آئرلینڈ میں آگاڈرگ (Aghaderg) میں خادم الدین تھا۔ جارج ۱۱ اگست ۱۸۵۴ء کے روز پیدا ہُوا اُس کی ماں نہایت دیندار اور خُدا پرست عورت تھی جس کی زندگی کا اثر اُس کی اولاد پر اور خصُوصاً جارج پر بہت تھا۔ چنانچہ بعد کے زمانہ میں ایک دفعہ جارج لیفرائے نے شملہ میں وعظ کے دَوران میں کہا "کسی شخص نے میری زندگی کو ایسا متاثر نہیں کیا جیسا میری والدہ کی زندگی نے مُجھے متاثّر کیا ہے"۔ ابتدا ہی سے اُس کی ماں نے اپنے بچّوں کے دِلوں میں خُداوند کی انجیل کی بشارت دینے کا شوق ڈالا۔ چنانچہ جب جارج ابھی بچّہ ہی تھا تو کِسی نے اُس سے پُوچھا تم بڑے ہوکر کیا کروگے۔ تو اُس نے جواب دِیا کہ مَیں نیوزی لینڈ میں مشنری ہوکر جاؤں گا۔

جب جارج سکُول گیا تو اپنے ہمعصروں سے کھیل کُود میں اور پڑھنے میں سبقت لے گیا۔ دینداری میں وُہ سب لڑکوں کے لئے ایک نمُونہ تھا۔ ۱۸۷۴ء میں وُہ ٹرنٹی کالج کیمبرج میں داخل ہُوا۔ ۱۸۷۸ء میں اُس نے علم الٰہیات درجۂ اوّل میں پاس کیا۔ اِنہی ایام میں جب وُہ

کیمبرج میں طالب علم تھا تو وُہ اُن لوگوں سے مِلا جو دہلی میں کیمبرج مِشن قائم کرنے کی تجویز کرتے تھے بشپ فرنچ Bishop French اور پروفیسر ویسٹکٹ (Prof. Westcott) کے ایماء پر یہ مِشن ۱۸۷۶ء میں قائم ہُوا تھا۔ ڈگری حاصل کرنے کے بعد جارج لیفرائے نے کیمبرج میں عبرانی اور فارسی کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ۱۸۷۹ء میں وُہ ڈیکن کے عہدے پر مقرر کیا گیا۔ ہندوستان آتے وقت اُس کا ہمسفر پادری ایس۔ ایس۔ آلنٹ Rev. S. S. Allnutt تھا۔ ان سے پہلے کیمبرج مشن کے چار مِشنری دہلی میں موجود تھے اور ان دونوں نے مِشنریوں کی تعداد پوری چھ کر دی ؛

(۲)

دہلی میں جارج لیفرائے تمام مِشنریوں سے عُمر میں چھوٹا اور سب سے زیادہ نوخیز اور ناتجربہ کار تھا۔ ۱۲ جُون کے روز بشپ فرنچ نے انبالہ میں اُس کو پریسٹ کے عُہدے پر مامُور کیا۔ ہندوستان آتے ہی لیفرائے نے بشارتی کام کرنے کے لئے اپنے آپ کو مخصُوص کر دیا۔ چُونکہ اہل اسلام کے درمیان انجیل کی اشاعت کا کام سب سے مُشکل تھا لہٰذا اُس نے اس کام کا ذِمّہ لے لیا۔ دُنیا میں دو مذاہب ہیں جِن میں انجیل کی بشارت کرنا مُشکل امر ہے۔ یعنی اسلام اور یہودیّت۔ لیکن لیفرائے مُشکلات سے گھبرانے والا شخص نہ تھا۔ اُس نے مبشّر ہونے کی تیاری شروع کر دی اور رفتہ رفتہ وُہ نہایت کامیاب مبشّر ہو گیا ؛

اُس زمانہ میں کیمبرج مِشن کے مشنری شہر سے باہر رہتے تھے

اور سوال یہ در پیش تھا کہ آیا بشارت کے کام کے لئے یہ بہتر نہیں ہوگا کہ مشنری شہر کے درمیان رہائش اختیار کریں۔ لیفرائے لکھتا ہے:۔

''چونکہ ہم جو مشنری ہیں اُس قوم میں سے ہیں جو یہاں فرمانروا ہے لہٰذا ہمارے کام میں ایسی دقتیں پیش آتی ہیں جو صرف خُدا کا فضل ہی دُور کر سکتا ہے۔ جب تک ہم شہر کے باہر رہینگے لوگ ہم میں اور دیگر انگریزوں میں تمیز نہیں کر سکینگے۔ وُہ یہی خیال کرینگے کہ ہم انگریزی سرکار کے کارندے ہیں تاکہ ہندوستانیوں کے مذاہب کو بگاڑیں اور کہ ہم کو دیگر انگریز افسروں کی طرح اِس مقصد کے لئے بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ کیا ہم شہر کے درمیان رہائش اختیار نہ کریں؟ کوئی یورپین شہر کے اندر نہیں رہتا۔ مَیں بڑے زور سے اِس بات کا حامی ہُوں کہ ہم شہر کے اندر سکُونت اختیار کریں''۔

۱۸۹۳ئہ میں کیمبرج مشن نے شہر کے اندر ایک اچھی جگہ میں سکُونت اختیار کی۔ اُس وقت سے ۱۹۱۹ئہ تک کیمبرج مِشن کے مشنری شہر کے اندر رہے اور اَب پھر اُنھوں نے دوبارہ شہر کے باہر سکُونت اختیار کر لی ہے۔

۱۸۸۰ئہ میں لیفرائے نے مہرولی میں ایک مکان قصبہ کے اندر کرایہ پر لے لیا۔ وُہ ہمیشہ بازاری منادی کے بعد لوگوں کو اپنے گھر آنے کی دعوت دیتا تھا۔ جب وُہ مہرولی جاتا تو غیر مسیحی اُس کی ملاقات کے لئے اُس کے گھر آیا کرتے تھے۔

۱۸۸۲ء میں دہلی کا مشن کالج کھولا گیا۔ جس کے ذریعہ اب تک ہزاروں تعلیم یافتہ غیر مسیحیوں نے نجات کا پیغام سُنا ہے +
ایس۔ پی۔ جی مشن کے مشنریوں نے کیمبرج مشن کے آنے سے پہلے چماروں میں کام شروع کیا ہُوا تھا۔ یہ چمار دہلی کے اردگرد بستیوں میں رہتے تھے۔ لیفرائے نہ صرف اہلِ اسلام میں کام کرتا تھا بلکہ اُن چماروں میں بھی کام کرتا تھا۔ وُہ کہتا ہے "گو انجیل نہایت سطحی طور پر چماروں میں داخل ہُوئی ہے تاہم یہ کامیابی بھی دیگر اقوام میں کام کرنے سے روکتی ہے اور ہم کو ہر طرف کام کے بارے میں مایُوسی ہو جاتی ہے۔ ہمارے چمار مسیحیوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے کیونکہ گو وُہ عیسائی ہو جاتے ہیں لیکن وُہ اپنی غیر مسیحی برادری کے درمیان رہنے کی وجہ سے مُشرکانہ رسُوم سے باز نہیں رہ سکتے جب کوئی ہندُو یا مُسلمان عیسائی ہو جاتا ہے تو اُس کو برادری سے خارج کر دیا جاتا ہے اور اُس کا حقہ پانی بند ہو جاتا ہے۔ گو یہ صُورتِ حالات اُس کے لئے مُشکلات پیدا کر دیتی ہے لیکن اُس کی خلوصِ نیّت سب پر عیاں ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسی مُشکلات چمار مسیحیوں کو درپیش نہیں ہوتیں۔ وُہ مسیحی ہونے کے بعد اپنے ہی بھائی بندوں میں رہتے ہیں۔ اُن کے مخربِ اخلاق گیت سُنتے ہیں۔ اُن کی مُشرکانہ رسُوم میں شریک ہوتے ہیں اور چُونکہ مذہبی معاملات سے ناواقف ہوتے ہیں انجیل کا خمیر اُن میں اثر نہیں کرتا۔ یہ تجویز کی گئی ہے کہ مسیحی چماروں کی بستی الگ قائم کی جائے۔ آٹھ گھر اس غرض کے لئے تعمیر کئے گئے ہیں اور اُن مسیحیوں پر تین پابندیاں لگائی گئی ہیں۔ اوّل کہ اتوار کے دِن وُہ کوئی کام

نہ کریں - دوم کہ پیدائش، شادی اور موت کے وقت صرف مسیحی رسوم ادا کی جائیں اور سوم کہ وہ چرس کے استعمال سے پرہیز کریں - اب وقت آگیا ہے کہ پُرانی مُشرکانہ رسوم اور نئی مسیحی رسوم میں سے ایک کو رَدّ کیا جائے - دریا گنج کے مسیحی چماروں کی ایک پنچائت منعقد ہوئی اور رات کے ساڑھے بارہ بجے اِس معاملہ پر بحث شروع ہوئی - بالآخر گنگا کا پانی لایا گیا اور اُن سے کہا گیا کہ جو مُشرکانہ رسوم کی پیروی کرنا چاہتے ہیں وُہ اِس کو اُٹھائیں لیکن جو مسیحی رسوم پر عمل کرنا چاہتے ہیں وُہ الگ ہو جائیں - صبح ½ ۲ بجے تک یہ بحث جاری رہی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ایک بڑی تعداد مُرتد ہو گئی اور صرف معدُودے چند گرجا میں عبادت کے لئے جمع ہُوئے - اور مسیحی بستی میں رہنے لگے - میرے خیال میں اس کو اِرتداد نہیں کہنا چاہیئے بلکہ اپنے اندرونی خیالات کا اظہار کہنا زیادہ موزوں ہوگا - کئی سالوں کے کام پر اس طرح پانی پھر گیا ہے - بظاہر یہ نہایت خوفناک اور دل شکن بات ہے لیکن مجھے واثق یقین ہے کہ صرف اسی طریقہ سے ہم کلیسیا کو صاف کر سکتے تھے اور اب ہمارے درمیان سچے مسیحیوں کی ایک جماعت موجود ہو گئی ہے"۔

۱۸۸۵ء میں جارج لیفرائے کا باپ فوت ہو گیا - اُس کے قصبہ کے لوگوں نے اُس کو لکھا کہ آپ تم اپنے باپ کی جگہ ہمارے خادم الدین ہو جاؤ - پر اُس نے انکار کر دیا گو اُس کی والدہ اور بھائیوں اور خاندان کے لئے یہی بہتر ہوتا کہ وُہ واپس آئرلینڈ چلا جاتا لیکن وُہ انکار کرتے وقت ذرا نہ جھجکا۔

۱۸۸۴ء میں بکرسٹیتھ بیماری کی وجہ سے کیمبرج مشن سے مستعفی ہو گیا۔ اور گو لیفرائے اس وقت سب سے چھوٹا تھا تاہم اتفاق رائے سے وہ افسرِ اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔

۱۸۸۹ء میں لیفرائے کو چھوٹا ناگپور کی ڈایوسیس کے نائب بشپ کے عہدے کی پیشکش کی گئی لیکن اُس نے انکار کر دیا۔

سطور بالا میں ذکر ہُوا ہے کہ لیفرائے اہل اسلام کے درمیان بشارت دینے کے لئے تیاری کرتا تھا۔ ہندوستان آکر اُس نے عبرانی کا مطالعہ جاری رکھا اور عربی سیکھنے لگا۔ چند سالوں کے اندر اُس نے اُردو میں خاصی مہارت پیدا کر لی اور قرآن اور اسلامی کُتبِ تفسیر و سیر سے بخوبی واقف ہو گیا۔ بازاری منادی کا وہ شیدائی تھا۔ جب کبھی بحث مباحثہ چھڑ جاتا تو وہ گھنٹوں اُسی میں لگا رہتا۔ وہ لکھتا ہے "میرا یہ تجربہ ہے کہ بازاری منادی سے زیادہ کوئی شئے تھکانے والی نہیں ہے"۔ ایک دفعہ وہ سہ پہر کے وقت بازار کو منادی کے لئے گیا اور رات ہو گئی کیونکہ بحث چھڑ گئی تھی۔ ایک مُسلمان مولوی نے بائبل کے اختلافات پر اعتراض کیا اور حوالے ڈھونڈنے لگا۔ بازاری لیمپ کی روشنی نہایت مدھم تھی کہنے لگا کہ روشنی کم ہے دکھائی نہیں دیتا۔ لیفرائے نے کہا کہ اگر یہاں روشنی کم ہے تو کیوں کسی ایسی جگہ بحث نہیں کرتے جہاں روشنی کا انتظام ہو سکے اس پر یہ فیصلہ ہُوا کہ مسجد کے اندر بحث ہو۔ یوں لیفرائے مسجدوں کے اندر جا کر خُداوند مسیح کی انجیل کی بشارت دینے لگا۔ اور جمعہ کی صبح کو تین گھنٹوں کے لئے مختلف مسیحی مسائل پر گفتگو ہُوا کرتی تھی۔ بازاری منادی میں لیفرائے کی سخت مخالفت ہوتی بالخصوص ایک نابینا مولوی لیفرائے کا

پیچھا نہ چھوڑتا۔ جہاں لیفرائے کھڑا ہو کر منادی شروع کرتا وہیں یہ مولوی بھی اُس کے پاس آ کھڑا ہوتا اور مسیحیت کی مخالفت میں وعظ کرنا شروع کر دیتا۔ اگر وُہ وہاں سے ہٹ کر کسی اَور جگہ منادی کرتا تو مولوی بھی اُس کے پیچھے پیچھے وہیں اُس کے پاس جا کھڑا ہوتا اور وعظ کرنے لگ جاتا۔ لیفرائے گھنٹوں منادی اور مباحثہ کرتا رہتا۔ بعض اوقات وُہ رات کے بارہ بجے واپس آتا تھا۔ منادی کرنے کی غرض سے ۱۸۹۰ء میں اُس نے بگر سٹیتھ ہال بنوا لیا تاکہ دُھوپ، بارش، آندھی وغیرہ کے وقت اور دیگر اوقات پر لوگ آرام سے اندر بیٹھ کر نجات کا پیغام سُن سکیں۔ یہ حال مدتِ مدید تک منادی اور مباحثہ کے لئے استعمال ہوتا رہا چُنانچہ جب راقم السطور ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۴ء تک دہلی مشن کالج میں تعلیم حاصل کرتا تھا تو اس ہال میں مولوی احمد مسیح مرحُوم کے ساتھ منادی کرنے جایا کرتا تھا۔

ان مولوی صاحب کے حالات نہایت دلچسپ ہیں۔ ایک دفعہ کا ذِکر ہے کہ مُسلمانوں نے مسجد میں ایک جلسہ کا انتظام کیا اور لیفرائے کو دعوت دی کہ ۲ بجے بعد از دوپہر آئے۔ لیفرائے نے منظور کر لیا۔ اِس سے ایک دن پہلے وُہ علاقہ میں دَورہ کے لئے گیا تھا اور واپس دہلی بھُوکا عین دو بجے پُہنچا۔ اُس کا کھانا دہلی کے اسٹیشن پر بھجوا دیا گیا اور وہ راستہ میں کھاتا ہُوا مسجد جا پہنچا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ بیس تیس آدمیوں کی بجائے جو مسجد میں عمُوماً اُس کے ساتھ گفتگو کیا کرتے تھے مُسلمانوں کا ایک جمگھٹا لگا ہے۔ مُسلمان علماء ایک میز پر بڑی بڑی کتابیں لگائے بیٹھے ہیں۔ اختلافاتِ بائبل کا مسئلہ درپیش ہُوا اور چار گھنٹوں تک

گفتگو جاری رہی۔ وُہی نابینا مولوی میرِ مجلس تھا۔ گفتگو کے دَوران میں وُہ کہنے لگا کہ اگر مُسلمان ہار جائینگے تو مَیں عیسائی ہو جاؤنگا کیونکہ چند دِنوں سے مَیں لیفرائے صاحب کی دلائل پر غور کر رہا ہُوں اور وُہ مجھے زبردست معلوم دیتی ہیں۔ اس پر مجلس میں شور مچ گیا اور علمائ نے اُس کو کہا کہ ہم ثابت کرینگے کہ بائبل میں قرآن اور محمدؐ کی پیشین گوئیاں موجُود ہیں۔ اس کے بعد کئی دفعہ مباحثے ہُوئے سامعین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی تھی۔ اور مباحثہ گھنٹوں جاری رہتا ــــ لیفرائے کہتا ہے "مَیں اِن دنوں عربی کا مطالعہ کر رہا ہُوں۔ تم لوگ آئرلینڈ میں بیٹھے خیال کرتے ہو گے کہ ہمارا سابقہ حبشیوں کے ساتھ پڑتا ہے لیکن یہاں کے لوگ بڑے مردم شناس ہیں اور اُن کی قدر کرتے ہیں جو فی الحقیقت عالم ہیں خواہ وُہ کسی مذہب کے ہوں لیکن میرے جیسے نالائق لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ وُہ خود عالم ہیں لیکن ہاں اُن میں اتنی تمیز ضرور ہے کہ اُن لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھیں جو علم کا دعوےٰ کرتے ہیں لیکن درحقیقت عالم نہیں ہیں"۔ ان مباحثوں کا نتیجہ یہ ہُوا کہ نابینا مولوی نے عیدِ قیامت کے عرفہ کے روز بپتسمہ پایا اور اُس کا نام احمد مسیح رکھا گیا ۔

دہلی کے مُسلمان لیفرائے کی عزّت اور قدر کرتے تھے۔ ایک مُسلمان حکیم نے جو اُس کا بڑا مخالف تھا اور بازاری منادی کے موقعہ پر اُس کے ساتھ بحث کرتا تھا اُس کو لکھا" ان دنوں دہلی میں مَوت کا بازار گرم ہے۔ اپنی جان کی حفاظت کرو۔ خُدا آپ کا نگران رہے۔ کافور کی

ڈلی ارسال خدمت ہے تاکہ اس کے استعمال سے آپ ہر بلا سے محفوظ رہیں"۔ لوگ لیفرائے کو جانتے تھے اور اُس کی قدر کرتے تھے۔ ایک دفعہ بھری مجلس میں مباحثہ کے دَوران میں چند مُسلمان غُل مچانے لگے اس پر باقی مُسلمانوں نے اُن کو نکال دیا۔ لیفرائے میں یہ خوبی تھی کہ بازاری منادی اور مباحثہ کے وقت وُہ کبھی مخالف کا مُنہ بند کرنے کی اور اُس پر فتح حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ اُس کی دِلی خواہش یہ تھی کہ لوگوں میں حق کی تلاش کا شوق پیدا ہو جائے۔ پس اگر کسی موقعہ پر اُس کی دلیل کی خامی اُس پر ظاہر کی جاتی تو وُہ فوراً قبُول کر لیتا تھا۔ اس طرح مخالف و موالف جان لیتے کہ وُہ خود حق کا جویاں ہے اور لوگوں کو صراطِ مُستقیم کی طرف بُلا رہا ہے چنانچہ وُہ ایک دفعہ لکھتا ہے "مَیں اِس ہفتہ میں دو دفعہ ایک مسجد میں گیا ہُوں جہاں چار گھنٹے تک مَیں نے علماء سے بات چیت کی ہے۔ اُنہوں نے نہایت خُوش اسلوبی سے گفتگو کی ہے اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ بغیر کسی تعصّب اور ہٹ دھرمی کے وُہ بحث کرتے رہے ہیں"۔

لیفرائے دہلی کی میونسپل کمیٹی کا ممبر بھی رہا لیکن جب اُس کو افسرِ اعلےٰ چُنا گیا تو اُس نے ممبری سے استعفےٰ دے دیا۔ وُہ کالج میں اپنے دیگر فرائض کے علاوہ بی۔ اے کلاس کو بھی پڑھاتا تھا۔ لوگ اُن کو دُور دُور سے وعظ کرنے کے لئے بُلاتے تھے کیونکہ وُہ ایک نہایت رُوحانی شخص تھا اور لوگ اُس کے رُوحانی تجربوں سے مستفید ہونا چاہتے تھے۔ وُہ علے الصّباح اُٹھتا تھا۔ سردیوں کے موسم میں ½ ۵ بجے اور گرمیوں میں اس سے بھی پہلے اُٹھنا اور دو گھنٹوں تک وُہ دُعا اور

کلامِ الٰہی کی تلاوت میں مشغول رہتا تھا۔ اس کے بعد وُہ باقاعدہ چھ دفعہ دِن میں دُعا کرتا اور اپنی تمام مُشکلات کو خُدا کے سامنے پیش کر کے اُس سے رہنمائی کا طلبگار ہوتا تھا ؞

۱۸۹۵ء میں کتاب الصّلوٰۃ کے اُردو ترجمہ کی نظرِ ثانی میرٹھ میں ہُوئی کیونکہ بشپ فرینچ کا ترجمہ عربی اور فارسی مُغلق الفاظ سے پُر تھا۔ اِس ترجمہ کی کمیٹی پر لیفرائے اور فاس وسٹکٹ (Foss Westcott) ممبر تھے۔ غالباً کسی ترجمہ کی کمیٹی کو یہ نصیب نہیں ہُوا کہ کلکتہ کے دو اُسقفِ اعلےٰ اُس کے ممبر ہُوئے ہوں۔ لیفرائے حد درجہ کا محنتی شخص تھا کیونکہ اس کمیٹی پر چھ گھنٹے کام کرنے کے بعد وُہ اپنے مِشن کے معاملات سے متعلّق خطُوط لِکھتا اور اس کے بعد الٰہیات کی جرمن کتابیں پڑھتا تاکہ اسلام کا مقابلہ بہتر طَور پر کرسکے ؞

دہلی میں بیس سال تک مبشّر کا کام کرنے کے بعد ۱۸۹۹ء میں وُہ لاہور کا اُسقف مقرّر کیا گیا۔ لاہور کے کیتھیڈرل میں "سب مقدّسوں کے روز" (All Saints Day) بشپ ویلڈن (Bishop Welldon) نے اس کی تقدیس کی۔ اُسی شام بشپ لیفرائے نے شام کو انگریزی میں وعظ کرتے کرتے اُردو میں وعظ کرنا شروع کر دیا تاکہ وُہ تمام مسیحیوں پر یہ واضح کر دے کہ وُہ جس طرح انگریزوں کا بشپ ہے اُسی طرح ہندوستانی مسیحیوں کا بھی بشپ ہے ؞

۱۹۰۰ء میں اُس نے اُسقفی کونسل کی بُنیاد رکھی تاکہ وُہ دیگر خادم الدّینوں کے ساتھ صلاح و مشورہ کر کے علاقہ کا انتظام کرے۔

اب یہ کونسل ایک مُستقل تنظیم شُدہ کونسل ہے لیکن لیفرائے پہلا شخص تھا جس نے اُس کو شروع کیا تھا ٭

بشپ لیفرائے انگریزی فوجوں کی بہتری کا خواہاں رہا۔ اُس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ان افواج میں پاکیزگی کا عنصر بڑھتا جائے اور قمار بازی۔ شراب خوری اور زناکاری ختم ہو جائے۔ اِس مقصد کو سرانجام دینے کے لئے اُس نے لارڈ کچنر (Lord Kitchener) سے کئی مرتبہ گفتگو کی اِس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ لارڈ کچنر نے اُس کی بہت سی تجویزوں کو منظور کر لیا۔ لارڈ کرزن (Lord Curzon) کے ساتھ اُس کے تعلّقات نہایت خوشگوار تھے۔ سرمیکورتھ ینگ (Sir Macworth Young) اس کا خاص دوست تھا ٭

بشپ لیفرائے کی دِلی خواہش یہ تھی کہ انگریز اور ہندوستانی ایک دُوسرے کے ساتھ بہترین تعلّقات رکھیں۔ نومبر ۱۹۰۶ء میں اُس نے خادمانِ دین کے سامنے ایک تقریر کی جس میں اُس نے کہا "ہم پر لازم ہے کہ ہم یہ خیال رکھیں کہ ہماری حکومت کی بُنیاد فوجی قوّت اور انتظامی لیاقت پر نہیں بلکہ یہ ایک الٰہی انتظام ہے۔ جس قادر مُطلق خُدا نے ہمارے سپرد یہ مُلک کیا ہے وُہ ہم سے ایک دِن اِس امانت کا حساب طلب کریگا۔ ہم یہاں اِس غرض کے لئے نہیں آئے کہ ہم ہندوستان سے فائدہ اُٹھائیں بلکہ اس واسطے آئے ہیں تاکہ خُداداد نعمتوں سے ہندوستان کو بہتر بنائیں۔ کیا یہ جنُون نہیں کہ ہم اِس مُلک میں آزادی اور بہترین نصب العین کا بیج بوئیں اور پھر یہ اُمّید رکھیں کہ وُہ بے پھل رہیگا؟ موجودہ زمانہ کی بے چینی اِس بات

کا بیّن ثبوُت ہے کہ ہمارے اصُول پھلدار ہو رہے ہیں ۔ تعلیم یافتہ ہندوستانی شاکی ہیں کہ انگریز ہم سے دُور رہتے ہیں اور کسی قسم کا برادرانہ میل جول نہیں رکھتے ۔ مَیں تم سے جو مشنری اور چیپلین ہو تہ دِل سے مُلتجی ہوں کہ تُم اپنے قول اور فعل سے کسی طرح بھی اُس خلیج کو چوڑا نہ کرو جو دونوں اقوام میں موجُود ہے ۔ بلکہ جب تُم کسی ہندوستانی کو مِلو تو اُس کے ساتھ عزّت سے پیش آؤ۔ اُس کے ساتھ برادرانہ اور ہمدردانہ سلُوک کرو تاکہ موجُودہ کشمکش کم ہوتی جائے"۔

نومبر ۱۹۰۹ء میں ہندوستانی اور انگریزی تعلقات کی نسبت اُس نے اپنے خادمانِ دین کو مخاطب کرکے کہا :- "ہم ایک مسیح کی منادی کرتے ہیں جو تمام جہان کا مُنجی ہے ۔ کلیسیا کی وحدت میں یہودی اور یُونانی ۔ ہندوستانی اور انگریز ۔ غلام اور آزاد کی تمیز مِٹ جاتی ہے ۔ اِس بات کی ہم منادی کرتے ہیں ۔ لیکن کیا ہمارا طرزِ عمل بھی یہی ہے؟ جو لوگ دونوں جماعتوں سے واقف ہیں وُہ یقیناً اس کا جواب نفی میں دینگے ۔ ایک طرف انگریز ہیں جو اس مُلک کو اپنا گھر نہیں بناتے اور یہاں کے باشندوں کے ساتھ کسی قسم کا تعلّق رکھنا نہیں چاہتے ۔ دُوسری طرف ہندوستانی ہیں جو غریب اور جاہل ہیں ۔ اور دونوں جماعتوں میں بعد المشرقین ہے ۔ لیکن مَیں اِس بات پر زور دینا چاہتا ہُوں کہ اپنی روزمرّہ زندگی میں دونوں جماعتیں ایک دُوسرے سے برادرانہ سلُوک روا رکھیں ۔ جب ہم ہندوستانی مسیحیوں سے مُربیوں کا سا سلُوک کرتے ہیں تو وُہ قُدرتی طور پر ناراض ہو جاتے ہیں ۔ ہم کو چاہئے کہ جب وُہ ہم سے مُلاقات کرنے آئیں تو اُن کو کوٹھیوں کے باہر

کھڑے نہ رکھیں بلکہ اُن سے اعلیٰ سلوک کریں۔ مجھے اُمید ہے کہ ہر جگہ کے چیپلن اُن ہندوستانی مسیحیوں کا خیال رکھینگے جو اُن کے اِرد گِرد بستے ہیں اور مشنری بھی اُن تمام انگریز مسیحیوں کا خیال رکھینگے جو اُن کے حلقہ کے اندر رہتے ہیں۔ جب کوئی چیپلن کسی نئی جگہ تبدیل ہو کر جائے تو وُہ اس بات کو یاد رکھے کہ جس طرح وُہ انگریزوں کے گھر جاتا ہے وُہ ہندوستانی مسیحیوں کے گھر بھی جائے اور ہندوستانیوں کو طعام کھانے کی دعوت دے"۔

۱۹۰۷ء میں جب مسٹر ایلفرڈ نندی لاہور کے اخبار ٹریبون کے ایڈیٹر تھے تو اُن کی وساطت سے لیفرائے نے پنجاب گورنمنٹ اور ہندوستانی سیاسی لیڈروں میں سمجھوتہ کرایا تھا۔

۱۹۰۹ء میں بشپ لیفرائے نے ایک ہندوستانی آرچ ڈیکن مقرر کرنا چاہا۔ قبل ازیں بشپ فرنچ نے پادری رابرٹ کلارک کو آرچڈیکن مقرر کرنا چاہا تھا لیکن گورنمنٹ اس تجویز کے خلاف تھی لیفرائے نے جب یہ کرنا چاہا تو گورنمنٹ نے پھر مخالفت کی۔ اس پر لیفرائے نے لکھا کہ ہندوستانی آرچڈیکن ہندوستانی جماعتوں کے لئے ہوگا اُس کا انگریزی جماعتوں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں ہوگا۔ اس پر گورنمنٹ نے اپنی رضامندی ظاہر کی اور لیفرائے نے پادری احسان اللہ کو آرچڈیکن مقرر کیا۔ وُہ لکھتا ہے کہ "آرچڈیکن نے اپنا پہلا وعظ آج کیتھڈرل میں کیا۔ اُس کا وعظ پُرجوش تھا اور بہت لوگ اُس سے متاثر ہُوئے۔ ایک خاتون نے تو گرجا میں رونا شروع کر دیا اور تو اور۔ اُس نے لفٹنٹ گورنر کے دِل کو بھی ہلا دیا"۔

۱۹۰۴ء میں اُس نے انجیل جلیل کی تفسیروں کا سلسلہ شروع کیا۔ وُہ اِس سلسلہ کا جنرل ایڈیٹر تھا۔ اور چاہتا تھا کہ ہندوستانی حالات۔ خیالات اور مذاہب کو مدِّ نظر رکھ کر تفسیروں کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے تاکہ یہ تفسیریں ہندوستانی کلیسیا کے لئے مفید ثابت ہوں۔ اِس سلسلہ میں اَب تک انجیلِ متّی۔ اعمال۔ ۲ کرنتھی۔ عبرانیوں اور مکاشفات پر تفاسیر لکھی جا چکی ہیں ÷

سطورِ بالا میں ذکر ہُوا ہے کہ لیفرائے کو چلنے پھرنے کا بہت شوق تھا۔ چلتے وقت وُہ اِس تیزی سے قدم لیتا تھا کہ بہت تھوڑے لوگ اُس کے ساتھ چل سکتے تھے۔ لیکن لاہور میں چند سال قیام کرنے کے بعد اُس کے کولے کے جوڑوں میں سخت درد شروع ہُوا۔ ۱۹۱۱ء میں وُہ انگلستان علاج کی خاطر گیا لیکن کچھ فائدہ حاصل نہ ہُوا۔ اُس وقت سے تادمِ مرگ وُہ سخت تکلیف کی حالت میں رہا۔ جب وُہ چلتا تو اُس کو سخت درد ہوتا لیکن ڈاکٹر یہی کہتے تھے کہ اُس کی سلامتی چلنے میں ہی ہے۔ پس حرکت جو اُس کے لئے دُشوار تھی درحقیقت اُس کی بیماری کا علاج تھی ÷

(۴)

۱۹۱۲ء میں کلکتہ کا بشپ کوپلسٹن (Bishop Copleston) اپنے عہدے سے مستعفی ہو گیا۔ تمام اُسقفوں میں لیفرائے ہی اِس لائق سمجھا گیا کہ کلکتہ کا بشپ ہو۔ کلیسیا اور گورنمنٹ دونوں کی آنکھیں اُس پر لگی تھیں۔ لارڈ مارلے (Lord Morley) اِس کا مدّاح تھا چنانچہ اُس نے ایک دفعہ لارڈ منٹو (Lord Minto) وائسرائے کو

لکھا "کل بشپ لیفرائے مجھے ملنے کے لئے آئے وُہ اُن معدُودے چند آدمیوں میں سے ہے جن میں بڑی کشش ہے۔ گو مجھے کام بہت تھا لیکن اُس کی مُلاقات سے مَیں نہایت محظُوظ ہُوا اور اتنا متاثّر ہُوا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مَیں دُنیا اور مافیہا سے بے خبر ہو گیا ہُوں۔ کاش کہ آپ نے اُس کی پنجاب کی گورنری کے لئے سفارش کی ہوتی۔ یہ بھی ایک عجیب تجربہ ہوتا۔ اُس کے خیالات سے مَیں نہایت محظُوظ ہُوا":

جب بشپ کو پلسٹن نے استعفےٰ دیا تو وائسرائے نے لیفرائے کو کلکتّہ کا بشپ مقرّر کرنا چاہا۔ ڈاکٹروں نے بھی رائے دی کہ کلکتّہ اُس کی صحت کے لئے لاہور سے زیادہ مفید ہوگا۔ پس اُس نے کلکتّہ کا صدر اُسقف ہونا منظور کر لیا اور وُہ ۲۰ فروری ۱۹۱۳ء کے روز کلکتّہ کا بشپ ہو گیا۔ گو اُس کا جسم کمزور تھا لیکن اُس کی رُوح ویسی ہی مستعد تھی۔ اگر اُس کا جسم بھی اُس کی رُوح کی طرح مستعد ہوتا تو وُہ بڑے بڑے کام سرانجام دیتا:

۱۹۱۴ء میں جب جنگِ عظیم چھِڑی تو گو اُس کو پُورا یقین تھا کہ جنگ کے معاملہ میں انگلستان راستی پر ہے تاہم وُہ اپنی قوم اور اپنے مُلک کو اُس کے اپنے گُناہوں کی یاد دلاتا رہتا تھا۔ حتّٰی کہ اُس سے بعض اشخاص کے دِلوں میں بدگمانی بھی پَیدا ہو گئی:

کلکتّہ کا بشپ مقرّر ہوتے ہی اُس نے بنگالی زبان کی تحصیل شرُوع کر دی۔ وُہ اُردُو اور ہندی زبانوں سے پہلے ہی بخوبی واقف تھا۔ اب اُس نے بنگالی زبان میں بھی اچھّی خاصی مہارت حاصل کر لی:

لیفرائے نے ہندوستان کی کلیسیا کو پارلیمنٹ کی قیُود سے آزاد

کرنے کی بڑی کوشش کی ۔ ۱۹۱۲ء میں ایک کمیٹی چُنی گئی تاکہ کلیسیائے ہندوستان کا ضابطہ تیار کرے ۔ اور ہندوستان کی آزاد کلیسیا کی اپنی کونسل قائم ہو جائے جو کلیسیائی معاملات میں مسیحیوں پر حاوی ہو۔ ۱۹۱۸ء میں یہ ضابطہ لیفرائے نے پیش کیا جو مختلف بشپوں کے پاس غور و خوض کرنے کے لئے بھیجا گیا ۔ بالآخر ۱۹۳۰ء میں یہ مساعی پھل دار ہوئیں اور اب ہندوستان کی کلیسیا آزاد اور خود مختار کلیسیا ہے اور برطانوی پارلیمنٹ کے قوانین کی پابندیوں سے قطعاً آزاد ہو گئی ؎

لیفرائے کی جسمانی حالت دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی ۔ اُس نے ۱۴ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو ایک خط اپنے تمام احباب کے نام بھیجا تاکہ وُہ اُس کے لئے دُعا کریں کہ اگر خُدا کی مرضی ہو تو وہ صحتیاب ہو جائے ۔ وُہ صحتیابی کے لئے مختلف جگہوں میں بھی گیا لیکن کچھ فائدہ حاصل نہ ہُوا ۔ بالآخر اُس نے اکتوبر ۱۹۱۸ء کو اپنے آرچ ڈیکن کو لکھا کہ مَیں کلکتہ کی صدر اُسقفی سے مستعفی ہونا چاہتا ہُوں ۔ ۲۰ر دسمبر کو اُس نے اپنے خاندان کے شرکاء کو خط لکھوایا کیونکہ اب وُہ خط لکھ نہیں سکتا تھا ۔ اُس نے اُن کو گویا الوداع کہا ۔ جب تک اُس میں ہمّت رہی وُہ اپنے فرائض کو بسترِ مرگ پر بھی سرانجام دیتا رہا ۔ آخری دِنوں میں اُس کے کمرے کے باہر ایک نوٹس لگایا گیا کہ کوئی اُسے نہیں دیکھ سکتا لیکن وُہ بار بار تاکید کرتا تھا کہ اگر کوئی مجھے دیکھنا چاہے تو اُس کو بلا روک ٹوک آنے دو وُہ ملازموں کو باہر بھیجتا تاکہ اگر کوئی اُس کو دیکھنے کے لئے آیا ہے تو اُس کو لے آئیں بعض اوقات وُہ اُونچی آواز سے کہتا کہ اگر کوئی باہر کھڑا ہے تو وُہ شوق سے اندر آسکتا ہے ۔ وُہ کہتا تھا کہ مَیں نہیں چاہتا کہ کلیسیا کو میری بیماری

کی وجہ سے کسی قسم کا نقصان پہنچے ٭

بڑے دن کے قریب وُہ بیہوش ہوگیا۔ غشی کی حالت میں وُہ اپنی زبان سے یہی کہتا تھا۔ "اے باپ مَیں تیری مرضی پُوری کرنا چاہتا ہُوں"۔ ۲۵ر دسمبر کے روز اُس نے اپنے استعفےٰ پر دستخط کئے اور یکم جنوری ۱۹۱۹ء کی تاریخ ثبت کی۔ اسی روز یعنی یکم جنوری ۱۹۱۹ء کو اُس کی رُوح اپنے مُنجی کے پاس پرواز کر گئی ٭

پادری جے۔ سی۔ آر۔ یُوئنگ ایم۔ اے ڈی ڈی

Rev. J. C. R. Ewing. M.A. D.D.

(۱)

جیمس سی۔ آر۔ یُوئنگ رُورل ویلی آرم سٹرانگ کونٹی۔ پا Rural Valley, Armstrong County, Pa. میں ۲۳ر جُون ۱۸۵۴ء کے روز پیدا ہُوا۔ اُس کے والدین سکاچ آئرش نسل کے تھے اور نہایت دیندار اور خدا پرست تھے۔ اُنہوں نے اپنے تمام بچّوں کو دینی تعلیم دی۔ اُن کا یہ معمول تھا کہ ہر اتوار کے روز کتابِ مقدس کے چند ابواب اپنے بچّوں کو سُناتے تھے اور اُن سے دینی سوال وجواب کے ایک سو سات سوال وجواب پُوچھتے تھے۔ ہر روز خواہ کیسا ہی موسم کیوں نہ ہوتا وُہ اپنے بچّوں کے ساتھ صبح اور شام دُعا کرتے تھے۔ جیمس یُوئنگ کا پردادا پرسبیٹیرین کلیسیا کا رُکن اور مردِ دُعا تھا اور غیر مسیحی دُنیا کی نجات کے لئے ہمیشہ دُعا کیا کرتا تھا ٭

جیمس یُوئنگ کے والدین غریب تھے۔ اُن کا کھیتی باڑی پر گذارہ تھا۔ وُہ اور اُس کے بھائی اپنے والدین کی مدد کیا کرتے تھے۔ اِس کے والدین میں یہ خُوبی تھی کہ اپنے بچّوں کے کام پر ہمیشہ خُوشی ظاہر کیا کرتے تھے اور بچے اُن کی تحسین حاصل کرنے کے لئے اَن تھک کوشش کیا کرتے تھے ؎

جب جیمس یُوئنگ بڑا ہُوا تو سکول میں داخل کیا گیا۔ اُن دِنوں ہجا اور زبانی حساب پر سکُولوں میں زور دیا جاتا تھا۔ جیمس اپنے تمام ہم عُمروں میں اِن دونوں میں گوئے سبقت لے گیا ؎

جب وُہ تیرہ سال کا ہُوا تو اُس نے اپنے والد سے کالج کی تعلیم کی تحصیل کے لئے درخواست کی۔ اُس کے والد نے جواب دِیا۔ "بیٹا گو مَیں غریب آدمی ہُوں اور تمہاری تعلیم کے اخراجات کی برداشت نہیں کر سکتا لیکن مَیں یہ کر سکتا ہُوں کہ تم کو کھیتی باڑی کے کام سے آزاد کر دُوں تاکہ تُم خود کما سکو اور اپنا بوجھ اُٹھا سکو"۔ چنانچہ پندرہ سال کی عُمر کے بعد جیمس یُوئنگ نے اپنے باپ پر ایک کوڑی کا بوجھ نہ ڈالا ؎

جب وُہ پندرہ سال کا ہُوا تو وُہ ایک سکُول میں معلّم ہو گیا جہاں کے طلبا اُس سے بھی بڑی عُمر کے تھے۔ اُن میں سے بعض اکیس برس کے جوان تھے جو نہایت شریر اور گستاخ تھے۔ لیکن اِس پندرہ سالہ لڑکے نے سب کو سیدھا کر لیا اور اُس کی شہرت گرد و نواح میں پھیل گئی ؎

مارچ ۱۸۷۳ء میں وُہ کالج میں داخل ہُوا اور نہایت عرقریزی سے محنت کرتا رہا۔ جب کالج کا آخری سال آیا تو اُس نے بورڈ آف

فارن مشنز کو درخواست لکھ بھیجی کہ مجھے امریکہ کے باہر کسی غیر ملک میں مشنری بنا کر بھیجا جائے۔ ان دنوں میں ڈاکٹر کیلاگ (Dr. Kellogg) ہندوستان سے واپس امریکہ چلے گئے تھے۔ ان کے رسوخ سے جیمس یوئنگ شمالی ہند کا مشنری مقرر کیا گیا۔ اسی سال کی ۲۴ جون کو اُس نے مس جین شیرارڈ (Miss Jane Sherrard) کے ساتھ شادی کی اور ۲۔ اکتوبر ۱۸۷۹ء کو فلیڈلفیا سے ہندوستان کی جانب چل دیا۔

(۲)

یکم دسمبر کو پادری جیمس یوئنگ اپنی بیوی کے ہمراہ بمبئی پہنچا۔ پہلے وہ مین پوری میں چند ماہ تک رہا۔ پھر دو سال فتحگڑھ میں رہا۔ پھر وہاں سے تین سال کے لئے الہ آباد چلا گیا۔ اس کے بعد وہاں سے تبدیل ہو کر سہارنپور بھیجا گیا۔

ہندوستان میں آنے کے بعد چند سال تک جیمس یوئنگ اُردو اور ہندی سیکھتا رہا اور یہاں کے باشندوں کے ساتھ میل جول کرتا اور یہاں کے رسوم و اطوار کو ملاحظہ کرتا رہا۔ اُس نے اردو میں اتنی مہارت پیدا کر لی کہ ۱۸۸۳ء کے بعد تا دمِ مرگ مشنریوں کا ممتحن رہا۔ چند عرصہ کے لئے مخزنِ مسیحی کا مدیر بھی رہا۔ جب امریکن مشن نے سہارنپور میں ۱۸۸۳ء میں مدرسۂ الٰہیات کھولنے کی تجویز کی تو ڈاکٹر ویری (Dr. Wherry) اور یوئنگ وہاں بھیجے گئے۔ انہی دنوں میں امریکن پریسبٹیرین مشن کی پچاس سالہ جوبلی ہوئی یعنی مشن کے قیام کے پچاس سال بعد امریکن مشن نے مدرسۂ الٰہیات قائم کیا۔ جب یوئنگ اُس مدرسہ میں کام کرتا تھا تو اُس نے ایک یونانی اُردو کی لغات اور ہندوستانی گیتوں کی کتابیں تیار کیں اور مس لکر

یعنی اے - ایل - او - ای کی چند ایک کہانیوں کے ترجمے بھی کئے -
۱۸۸۷ء میں وُہ بیمار پڑ گیا - اگرچہ ان دنوں میں مشنریوں کو دس سال سے پہلے امریکہ واپس جانے کی اجازت نہیں تھی لیکن یُوئنگ اس قدر بیمار ہو گیا کہ اُس کو اُس سال واپس امریکہ جانا پڑا - اور اگست ۱۸۸۷ء میں روانہ ہو گیا - اسی سال اُس کے کالج نے اُس کو ڈی - ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کر دی ؛

(۳)

اکتوبر ۱۸۸۸ء میں یُوئنگ امریکہ سے واپس ہندوستان کی جانب چل پڑا - جب وُہ ہندوستان پہنچا تو شمالی ہند کی دونوں امریکن مشنوں کا مرکزی اجلاس انبالہ میں ہو رہا تھا - اُن دنوں ڈاکٹر فورمن عمر کے تقاضے کی وجہ سے کالج سے علیحدہ ہونا چاہتا تھا - لہٰذا مشن نے یُوئنگ کو سہارنپور سے تبدیل کر کے لاہور بھیج دیا تاکہ وہاں مشن کالج میں کام کرے - یُوئنگ ۴ دسمبر ۱۸۸۸ء کے روز لاہور پہنچ گیا - اور جب تک ہندوستان میں رہا وُہ لاہور میں ہی کام کرتا رہا ؛

لاہور آ کر یُوئنگ نے کالج میں نہایت تندہی سے کام کرنا شروع کر دیا - ۱۸۸۹ء میں کالج کی عمارت جو بڑے ڈاک خانہ کے قریب تھی کھڑی کی گئی - اسی سال مس میری کینیڈی (Mary Kennedy) نیویارک سے ہندوستان آئی - اُس نے یُوئنگ سے کہا کہ اگر آپ کو کسی بات کے لئے مدد کی ضرورت ہے تو مَیں روپیہ دینے کے لئے تیار ہُوں - یُوئنگ نے کہا کہ ایک عمارت کی سخت ضرورت ہے اُس کے لئے ساڑھے تین ہزار ڈالر درکار ہے - عمارت فی الفور شروع ہو گئی -

مِس کینیڈی نے اُس کے مکمّل ہونے کے لئے ساڑھے تین ہزار روپیہ اُور دِیا اور عمارت کا نام کینیڈی ہال رکھا گیا جو مسیحی طلبا کی رہائش کے لئے مخصُوص کیا گیا ‌ٔ

۱۸۸۹ء میں پنجاب یُونیورسٹی نے اُس کو انٹرنس کی انگریزی کا ممتحن مقرّر کیا۔ تھوڑے عرصے بعد وُہ آرٹ فیکلٹی (Art Faculty) کا سیکرٹری اور فیلو (Fellow) اور بعد میں ڈین (Dean) مقرّر کر دیا گیا۔ وُہ شروع ہی سے بذریعہ انتخاب سنڈیکیٹ (Syndicate) کا ممبر بنا رہا ‌ٔ

جنوری ۱۸۹۳ء میں امریکن مِشن کی دُوسری دس سالہ کانفرنس بمبئی میں منعقد ہُوئی۔ اس میں یوئنگ نے "مشنری کام اور تعلیم" پر ایک درس دیا۔ یہ لیکچر ایسا پُر مغز ہے اور اس کا مضمون ایسا اہم ہے کہ ہم ذیل میں اس میں سے اقتباسات کئے بغیر نہیں رہ سکتے ‌ٔ

"بعض اشخاص کہتے ہیں کہ ہائی سکُول اور کالج بشارت کا ذریعہ نہیں ہیں۔ کیونکہ اُن کے پھل ہم کو دکھائی نہیں دیتے۔ لیکن یہی اعتراض تمام بشارتی ذرائع پر وارد ہوتا ہے۔ بازاری منادی۔ زنانہ کام ٹریکٹ کی تقسیم وغیرہ کے ظاہری پھل عموماً ہم کو فوراً دکھائی نہیں دیتے بلکہ بعض دفعہ کارندوں کا حوصلہ ٹُوٹ جاتا ہے۔ یہی سکُولوں اور کالجوں کا حال ہے۔ ہم کو یہ ذاتی یقین ہے کہ اگرچہ ظاہراً ہم کو پھل دکھائی نہیں دیتا تاہم خُدا کا کلام بے انجام نہ پھریگا۔ لیکن تاخیر کی وجہ سے ہم کو ہمّت نہیں ہارنی چاہئے۔ کیونکہ جس زمین پر ہم کلام بوتے ہیں وُہ دُوسری زمینوں سے نرالی ہے ‌ٔ"

"اگر ہم چاہتے ہیں کہ سکول اور کالج بشارت کا مؤثر ذریعہ ہوں تو لازم ہے کہ اُس کی فضا مسیحی تاثرات سے معمور ہو۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر روز انجیل جلیل کی تعلیم درسگاہ میں دی جائے۔ اس غرض کے لئے بعض اوقات ایسے اُستاد مقرر کئے جاتے ہیں جو رُوحانی تجربات سے سراسر معرّا ہوتے ہیں اور جن میں اتنی عقل بھی نہیں ہوتی کہ کتابِ مقدس کو قابلیّت کے ساتھ پڑھا سکیں۔ اور پھر ہم تعجب کرتے ہیں کہ تعلیمی درسگاہوں سے لڑکے عیسائی کیوں نہیں ہوتے! اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری درسگاہیں بشارت کا اچھّا ذریعہ ہوں تو ہم پر لازم ہے کہ کلام اللہ کو اپنے سکولوں اور کالجوں میں ایک ممتاز جگہ دیں اور بہترین اشخاص کو اس کے پڑھانے کے لئے مقرر کریں جو نہایت قابلیّت کے ساتھ نوجوانوں کے دلوں اور دماغوں کو مؤثر کرسکیں۔ اس کے برعکس جن لوگوں کو ان درسگاہوں میں پڑھانے کا اتفاق ہُوا ہے وُہ جانتے ہیں کہ بالعموم کتاب مقدس نہایت لاپرواہی سے پڑھائی جاتی ہے۔ ریاضی اور فلسفہ وغیرہ کے پڑھانے کے لئے ہم روزانہ تیاری کرتے ہیں لیکن کتابِ مقدس پڑھاتے وقت ہم بُھول جاتے ہیں کہ یہ دُنیا کا بہترین علم ہے اور کہ سُننے والے گنہگاروں کی رُوحیں حقیقی نجات دہندہ کے لئے ترستی ہیں۔ ہر تعلیمی درسگاہ مشنری کی منادی کی جگہ ہے اور یہ اُس کی خُوش قسمتی ہوتی ہے کہ اُس کے سامعین ذہین اور سمجھ دار نوجوان ہوتے ہیں۔ یہاں علم الٰہیات اُس کے کام آسکتا ہے اور وُہ بہترین طور پر مسیح مصلوب کی منادی کرسکتا ہے"۔

"علاوہ ازیں مشنری کو چاہئے کہ اپنے طلبا کے ساتھ شخصی تعلّقات پیدا کرے۔ اس طور پر وُہ معلوم کرسکتا ہے کہ اُس کے

طلباء کی رُوحوں کا کیا حال ہے اور اُن کو کیا پیغام درکار ہے"۔

"اگر ہم گذشتہ بیس سالوں پر نظر کریں تو ہم دیکھینگے کہ تعلیم یافتہ غیر مسیحیوں کے نقطۂ خیال میں عظیم فرق آگیا ہے۔ جو اشخاص پہلے مسیحیّت سے متنفّر تھے وُہ اب مسیح کے مدّاح ہیں۔ پس اگر ہم کو درسگاہوں میں نتائج دکھائی نہیں دیتے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جس طرح چاہیئے اُس طرح ہم کام نہیں کر رہے ہیں"۔

ڈاکٹر فورمن کی یادگار میں کالج کا نام تبدیل کر دیا گیا۔ پہلے اس کا نام صرف "مشن کالج" تھا۔ اس کو بدل کر اس کا نام "فورمن کرسچین کالج" رکھّا گیا۔

(۴)

ڈاکٹر یُوئنگ اپریل ۱۸۹۷ء میں امریکہ گیا اور وہاں جابجا ہندوستان اور تبلیغی کام پر لیکچر دیتا رہا۔ ان ایّام میں اُس کو وُوسٹر یُونیورسٹی (Wooster University) کا پریذیڈنٹ منتخب کیا گیا لیکن اُس نے انکار کر دیا۔ ڈین وِل (Danville) کے سنٹر کالج (Centre College) نے بھی انہی دِنوں میں اُس کو پرنسپل منتخب کیا لیکن اُس نے انکار کر دیا اور فورمن کالج کے کام کو ترجیح دے کر ہندوستان واپس آ گیا۔

۱۹۰۱ء میں فارن مشن بورڈ نے اُس کو چھ ماہ کے لئے جزائر فلپائن (Phillipine Islands) میں بھیجا تاکہ وہاں کے مشنریوں کو کام شروع کرنے میں مدد دے۔ وہاں سے وُہ چند ماہ کے لئے جاپان چلا گیا۔

۱۸۹۵ء اور ۱۹۰۷ء کے درمیان کالج دن دوگنی اور رات چوگنی ترقّی کرتا گیا۔ انہی سالوں میں نیوٹن ہال تعمیر ہُوا اور کالج میں پانچ کمروں کا اضافہ کیا گیا اور بڑا ہال بنایا گیا ؂

اپریل ۱۹۰۵ء میں کانگڑہ کی وادی میں سخت بھونچال آئے اور ہزاروں آدمیوں کی جان و مال کا نقصان ہوگیا۔ گورنمنٹ نے ایک کمیٹی ان تباہ حال لوگوں کے لئے بنائی اور ڈاکٹر یُوئنگ اس کا پریذیڈنٹ مقرّر کیا گیا۔ اس کمیٹی نے ساڑھے تیرہ لاکھ روپیہ ان فلاکت زدوں کے لئے اکٹھا کیا۔ ڈاکٹر یُوئنگ کو اس کام کے لئے جنوری ۱۹۰۶ء میں قیصرِ ہند کا سونے کا تمغہ عطا ہُوا ؂

ان دِنوں میں فارن مشن بورڈ کے ایک ممبر کے دِل میں یہ خیال سما گیا کہ لاہور مشن کالج نہیں چاہتا کہ یہاں کوئی شخص بپتسمہ پاکر عیسائی ہوجائے مبادا لوگ ناراض ہوکر کالج چھوڑ دیں۔ اس پر ڈاکٹر یُوئنگ نے ۵ جولائی ۱۹۰۳ء کے روز لکھا۔ "ہم ہر ایک شخص کو کھُلم کھُلا صاف طور پر بتادیتے ہیں کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم لوگوں کو مسیح کے پاس لائیں تاکہ وُہ مسیح کا کھُلم کھُلا اقرار کریں۔ طلبا بھی اس امر سے بخوبی واقف ہیں۔ یہی مقصد ہمارے تمام کام کی بُنیاد رہا ہے۔ ہم طلبا سے شخصی تعلّقات پیدا کرتے ہیں تاکہ انجیل جلیل کے پیغام کو روزانہ زندگی میں عملی طور پر دکھلا سکیں" ؂

۱۹۰۷ء میں ڈاکٹر یُوئنگ معہ خاندان رُخصت پر امریکہ گیا ؂

(۵)

اِس رُخصت کے دَوران میں ڈاکٹر یُوئنگ جابجا لیکچر دیتا رہا۔

اُس کے بھائی کا یہ قول ہے کہ وُہ اپنی رُخصت کے دِنوں میں اتنی جگہوں میں جاتا تھا کہ وُہ میری نسبت امریکن خادمانِ دین سے زیادہ واقف تھا۔ وُہ چاہتا تھا کہ ان ایّام میں کالج کے لئے پندرہ لاکھ روپیہ اکٹھا کرے تاکہ کالج کے لئے ایک وقف جائداد بن سکے اور کالج طلبا کی فیس وغیرہ سے مستغنی ہو کر بڑھتا چلا جائے۔ انہی ایّام میں وُہ جنرل اسمبلی (General Assembly) کے دو جلسوں میں شامل بھی ہوا۔ ڈاکٹر گرِسولڈ (Dr. Griswold) ان دنوں میں قائمقام پرنسپل ہُوا ۔

اکتوبر ۱۹۰۸ء میں ڈاکٹر یُوئنگ لاہور واپس آگیا اور آتے ہی کالج کے فرائض ادا کرنے لگ گیا۔ فروری ۱۹۱۰ء میں پنجاب کے لفٹننٹ گورنر نے اُس کو پنجاب یُونیورسٹی کا وائس چانسلر (Vice Chancellor) مقرر کر دیا اور وُہ سات سال تک اس عُہدے پر ممتاز رہا۔ کیونکہ نہ صرف حُکّام بلکہ محکمہ کے تمام لوگ۔ کیا مسیحی کیا غیر مسیحی سب کے سب اُس کی عزّت اور قدر کرتے تھے اور اُس کی لیاقت کا لوہا مانتے تھے۔ ان سات سالوں میں اُس نے ہر سال ڈگری یافتگان کو خطاب کیا اور یُونیورسٹی کے بہت سے اُموروں میں اصلاح کی۔ ۱۹۱۲ء میں سلطنت برطانیہ کی تمام یُونیورسٹیوں کا اجتماع لندن شہر میں ہُوا جس میں ڈاکٹر یُوئنگ پنجاب یُونیورسٹی کی طرف سے نمائندہ مقرر کر کے بھیجا گیا۔ اِس جلسہ میں اُس نے دو خطبے دیئے اور آکسفورڈ کیمبرج اور برمنگھم یُونیورسٹیوں کو بھی دیکھا۔ وہاں سے وُہ تین ہفتوں کے لئے امریکہ چلا گیا جہاں اُس نے اپنی ماں سے آخری ملاقات کی۔

۱۹۱۷ء میں پنجاب یونیورسٹی نے اُس کو ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ ۱۸۸۰ء میں واشنگٹن اینڈ جعفرسن کالج نے اُس کو ڈاکٹر آف ڈوئنٹی کی اور ۱۹۰۷ء میں ڈاکٹر آف لاز کی ڈگری عطا کی تھی۔ ۱۹۱۵ء میں نوروز کے دن اُس کو گورنمنٹ نے سی۔ آئی۔ ای کا خطاب عطا کیا۔ یہ خطاب صرف برٹش نژاد کے لئے ہوتا ہے لیکن گورنمنٹ نے اس کو اس قاعدہ سے مستثنےٰ کر دیا۔ وائسرائے لارڈ ہارڈنگ نے خود اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھ کر ڈاکٹر یُوئنگ کو بھیجا۔ ۱۹۱۱ء میں ڈاکٹر۔ یُوئنگ کو دہلی دربار کے لئے بُلایا گیا جہاں اُس نے بادشاہ جارج اور ملکہ کے ساتھ گفتگو کرنے کا شرف بھی حاصل کیا؀

۱۹۱۲ء میں الہ آباد میں اُس کا بھائی آرتھر۔ یُوئنگ اپنے مُنجی میں سو گیا۔ ہزاروں ہندوستانی مسیحی اُس کے غم میں ماتم کرتے تھے۔ ہم خیال کر سکتے ہیں کہ ڈاکٹر یُوئنگ کے دل پر کیا کچھ گذرا ہوگا؀

دسمبر ۱۹۱۵ء میں ہندوستان کی پرسبٹیرین جنرل اسمبلی کا اجلاس لاہور میں منعقد ہُوا اور ڈاکٹر۔ یُوئنگ اُس کا ماڈریٹر مقرر ہُوا۔ جس خوش اسلوبی سے اُس نے کلیسیائی مسائل پر روشنی ڈالی وہ اُسی کا حصّہ تھی؀

(۶)

۱۹۱۷ء میں وُہ آخری دفعہ امریکہ رُخصت پر گیا۔ اِس رُخصت کے دوران میں اُس نے ڈاکٹر چیٹرجی کی سوانح عمری لکھی؀

اِس رُخصت میں اُس کا طبّی معائنہ ہُوا اور اُس کو واپس اِس شرط پر آنے کی اجازت ہُوئی کہ وُہ پانچ سال کے بعد پھر امریکہ رُخصت پر

آجائے اور سال میں چار ماہ پہاڑ پر رہے۔ یہ سُن کر ڈاکٹر یُوئنگ نے واپس ہندوستان آنے کا مصمم ارادہ کر لیا اگرچہ پرنسٹن سیمنری (Princeton Seminary) اُس کو لیکچرار مقرر کرنا چاہتی تھی اور نیویارک کی ببلیکل سیمنری (Biblical Seminary) اُس کو مشنری ڈیپارٹمنٹ کا پرنسپل بنانا چاہتی تھی لیکن اُس نے انکار کر دیا ؛

ان پندرہ ماہ کے دَوران میں ڈاکٹر یُوئنگ نے جا بجا ۳۳ ہزار میل کا سفر کیا اور ۴۴۲ لیکچر دیئے ۔ اور پرنسٹن ۔ ولیسٹرن اور نیو برنز وک کے علم الٰہیات کی درسگاہوں اور ہارٹ فورڈ اور یونین میں لیکچر دیئے اور دو ماہ تک پرنسٹن میں ایک شخص کی جگہ پڑھاتا بھی رہا۔

(۷)

امریکہ کو آخری رُخصت پر جانے سے پہلے اُس کو بار بار یہ خیال آتا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ مَیں کالج کا کام چھوڑ کر اُس کو کسی جوان کے ہاتھوں میں سپُرد کروں۔ جب وُہ اکتوبر ۱۹۱۸ء میں واپس لاہور آیا تو یہ تجویز ہُوئی کہ وُہ مشن کی انڈیا کونسل کا سیکرٹری مقرر ہو۔ پس وُہ پرنسپل کے عہدے سے مستعفی ہو گیا اور اُس کی جگہ اُس کا داماد پادری ای۔ ڈی۔ لوکس (E. D. Lucas) پرنسپل مقرر ہُوا اور وُہ پرنسپل ایمیریٹس (Principal Emeritus) اور کالج کی بورڈ کا پریذیڈنٹ مقرر کر دیا گیا۔ اور انڈیا کونسل کے سیکرٹری کے فرائض کو بھی سرانجام دینے لگا۔ ۱۹۱۹ء میں انٹر چرچ ورلڈ موومنٹ (Inter Church World Movement) کی درخواست پر

اُس نے سوسائٹی کا کام بھی اپنے ذِمّہ لے لیا ؂

۱۹۰۸ء سے وُہ فارن مِشن بورڈ کو یہ کہتا تھا کہ ہندوستان میں پرسبٹیرین مِشن کے لئے ایک سیکرٹری مقرّر کیا جائے جو ہندوستان کے مختلف اور دُور و دراز مقامات میں جا کر مختلف مِشنریوں کو مختلف اُمُور پر صلاح و مشورہ دے سکے۔ ۱۹۱۵ء میں ایک اِنڈیا کونسل بنائی گئی اور ڈاکٹر گریسوولڈ (Dr. Griswold) اس کا سیکرٹری مقرّر کیا گیا۔ جب ۱۹۱۸ء میں یُوئنگ نے کالج کا کام چھوڑ دیا تو اتّفاق رائے سے وُہ سیکرٹری مقرّر کیا گیا۔ وُہ ہندوستان کی پرسبٹیرین مِشن کا گویا آرچ بِشپ مقرّر ہو گیا ؂

جنوری ۱۹۱۹ء میں جب ڈاکٹر یُوئنگ اِنٹر چرچ ورلڈ مُوومنٹ کے کام پر مغربی ہندوستان میں تھا تو اُس کی بائیں طرف کو جھولا ہو گیا۔ وُہ مشکل سے بول سکتا تھا گو اُس کے دماغ پر اِس مرض نے کوئی اثر نہ کیا۔ اُس کی صحت روز بروز اچھّی ہوتی گئی حتّٰے کہ پندرہ دِنوں کے اندر وُہ برآمدہ میں بیٹھ سکا۔ فروری میں وُہ لاہور آ گیا اور مارچ میں قدرے سہارے کے ساتھ چلنے پھرنے لگ گیا ؂

(۸)

اِنہی ایّام میں ایک اور سوال نے مِشن کو حیران کر رکھّا تھا۔ جس کا تعلّق تعلیمی درسگاہوں سے تھا۔ ان دنوں میں بعض غیر مسیحیوں نے یہ سوال اُٹھایا کہ مِشن سکولوں اور کالجوں میں کتاب مقدّس کی تعلیم جبریہ نہیں دینی چاہیئے۔ اگر کوئی شخص مسیحی اصُول کی تعلیم حاصل کرنا نہیں چاہتا تو اُس کو یہ اختیار ہونا چاہیئے کہ جب کتاب مقدّس

کی تعلیم دی جا رہی ہو تو وُہ جماعت میں شامل نہ ہو - اس کی وجہ یہ بتلائی جاتی تھی کہ چونکہ انگریزی سرکارِ ہند مذہبی اور دینی اُمور میں غیر جانبدار ہے پس اس کو مشن سکولوں اور کالجوں کو جن میں بائبل کی تعلیم جبریہ ہوتی ہے گرانٹ نہیں دینی چاہیئے +

آنجہانی آنریبل مسٹر سری نواس شاستری ایسے اصحاب کا سربرآوردہ لیڈر تھا - وُہ چاہتا تھا کہ سرکارِ ہند ایک ایسا قانون جاری کرے جس کی رُو سے کسی طالب علم کو کوئی مذہبی تعلیم نہ دی جائے تاوقتیکہ اُس کا والد یا ولی تحریری اجازت نہ دے - اس تجویز سے اُس کا یہ مطلب تھا کہ مسیحی درسگاہیں مسیحیت کی بشارت کا ذریعہ نہ بن سکیں ؛۔

اکتوبر ۱۹۱۶ء میں ڈاکٹر یُوئنگ نے جملہ یورپین مشنری معلّمین کی ایک مجلس منعقد کی تاکہ اس اہم سوال پر غور کیا جائے - اس مسئلہ پر بہت بحث ہُوئی - بعض مشنری اِس بات کے مخالف تھے اور بعض اس سے اتّفاق کرتے تھے - نتیجہ یہ ہُوا کہ بغیر کسی فیصلہ کے یہ مجلس برخاست ہو گئی اور صرف یہ قرار پایا کہ کوئی درس گاہ کسی خاص طریقہ کو اختیار نہ کرے جب تک ہندوستان کی نیشنل مشنری کونسل سے صلاح نہ کر لے - بالآخر مئی ۱۹۱۷ء میں یہ قرارداد منظور ہُوئی کہ مشن سکول اور کالج اِس غرض کے لئے کھولے گئے ہیں تاکہ مسیح کی انجیل کی اشاعت کی جائے لہٰذا اس نصب العین کی وجہ سے اس میں صرف دُنیاوی تعلیم دینے کے لئے کوئی مشن تیار نہیں - مشنری غیر مسیحیوں کی ضمیروں پر جبر کرنا نہیں چاہتے لیکن وُہ اِس اصُول کے

خلاف ہیں کہ کتاب مقدس کی تعلیم سُننا طلباء کی مرضی پر موقوف کر دیا جائے۔ پس اگر ایسا قانون جاری کیا جائے تو وُہ سکول اور کالج جو سرکار سے گرانٹ لئے بغیر قائم نہیں رہ سکتے بند کر دیئے جائیں۔
یہ قرارداد ڈاکٹر یُوئینگ کے خیالات کا آئینہ ہے۔ وُہ تا دم مرگ ان خیالات پر کاربند رہا اور فورمن کرسچن کالج کے طلبا انہی خیالات کے زیرِاثر کالج میں پڑھتے رہے۔

(۱۰)

ڈاکٹر یُوئینگ عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دینے کا بڑا حامی تھا۔ ۱۹۱۰ء میں مشن کی ایک کمیٹی قائم کی گئی جس کا وُہ چیئرمین تھا۔ اِس کمیٹی نے اتفاق رائے سے یہ تجویز پیش کی کہ تمام مِشنری عورتیں خواہ شادی شُدہ ہوں یا نہ ہوں تمام امُور پر رائے دیا کریں۔ ڈاکٹر یُوئینگ نے یہ مشورہ دیا کہ ایک سال تک اِس تجویز کو پیش نہ کیا جائے تاکہ لوگ اس پر اچھی طرح سے غور و خوض کر سکیں۔ ۱۹۱۱ء میں یہ تجویز منظور ہو گئی اور اُسی سال اس پر عمل درآمد ہو گیا۔

(۱۱)

۱۹۲۲ء میں ڈاکٹر یُوئینگ ۷۰ برس کا ہو گیا اور اُس نے ۴۳ سال مشن کی خدمت میں گزارے۔ بورڈ کے قانون کے مطابق ہر مِشنری ۷۰ سال کی عمر پر یا ۴۰ سال کی خدمت کے بعد پنشن لے سکتا ہے۔ اِس مدت کے اختتام پر وُہ پوری تنخواہ پر الگ ہو سکتا ہے۔ طبّی نقطۂ نگاہ سے یہی بہتر معلوم ہُوا کہ وُہ اُب ہندوستان میں نہ رہے بلکہ امریکہ واپس چلا جائے۔

امریکہ آکر ڈاکٹر یوئنگ نے پرنسٹن میں قیام کیا اور وہاں تا دمِ مرگ لیکچر دیتا رہا۔ علم الٰہیات کے مدرسہ میں لوگ اُس کی شخصیت کے زیرِ اثر تھے۔ وہاں وُہ دَورِ حاضرہ کے مِشنوں کے اصُولوں پر لیکچر دیتا تھا۔ اور اُس کی زیرِ نگرانی بیسیوں طلباء نے مِشنری مضامین پر کتابیں پڑھ ڈالیں۔ اُس کی شخصیت۔ اُس کا تجربہ اور اُس کا اثر نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔

۴ جون ۱۹۲۳ء کو وُہ بورڈ کا ممبر منتخب کیا گیا اور اُسی وقت فارن ڈیپارٹمنٹ کی کمیٹی کا چیئرمین مقرر کیا گیا جس کے متعلق تمام مِشنوں کا انتظام تھا۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں وُہ بورڈ کا پریذیڈنٹ چُنا گیا۔ اِس انتخاب پر امریکہ کے مسیحی اور مِشنری سب خُوش نظر آتے تھے۔ اُس نے یہ کام نہایت خُوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اِس کو خیال تک نہ تھا کہ وُہ پریذیڈنٹ بنا دیا جائیگا لیکن جب اُس کو یہ معلُوم ہُوا تو وُہ اس اعزاز پر بہت خُوش ہُوا۔ گو وُہ اپنے آپ کو اس کے لائق نہیں سمجھتا تھا۔ وُہ لکھتا ہے "مَیں اپنے آپ کو اِس قابل خیال نہیں کرتا کہ مجھ کو یہ عزّت دی جائے۔ زمانۂ ماضی میں مختلف طریقوں سے میری عزّت کی گئی ہے لیکن یہ مجھے خیال بھی نہ تھا کہ مَیں کبھی دُنیا کی سب سے بڑی اور مقتدر مِشنری جماعت کا افسرِ اعلیٰ بنا دیا جاؤنگا"۔

یکم جنوری ۱۹۲۳ء کے خطابات میں سرکار انگریزی نے اُس کو کے۔سی۔آئی۔ای بنا دیا اور اَب وُہ سر جیمس یوئنگ ہو گیا۔ اس سے پہلے مدراس کے مِشنری ولیم مِلر (William Miller) کو یہ خطاب عطا

کیا گیا تھا ٭

۱۹۲۵ء کے موسمِ بہار میں وُہ پرنسٹن میں لیکچر دیتا اور اپنے فرائض منصبی ادا کرتا رہا۔ ۲۰ اگست کے روز بعد از دوپہر وُہ دوستوں کی ملاقات کے لئے گیا اور ہندوستان کے مِشن اور لاہور کے فورمن کالج پر بات چیت کرتا رہا۔ شام کو وُہ نہایت خُوش وخُرّم تھا۔ رات کے دس بجے کے قریب اُس نے شکایت کی کہ چھاتی پر مجُھے کچھ بوجھ سا معلوم ہوتا ہے۔ دِل کی بیماری کی وجہ سے یہ شکایت اُس کو بعض اوقات ہوجاتی تھی۔ مِسز یُوئنگ نے حسبِ معمُول دوائی دی اور کہا کہ ڈاکٹر کو بُلواتے ہیں لیکن اُس نے بلوانے نہ دیا۔ آخر جب وُہ ٹیلیفون پر گئی تو ڈاکٹر یُوئنگ نے اُس کو واپس بُلا کر کہا "مَیں جانتا ہُوں کہ میرا انجات دینے والا زندہ ہے"۔ وُہ اُس کی مدد سے بستر کی طرف چل کر گیا۔ جب وُہ ٹیلیفون پر سے ڈاکٹر کو بُلا کر واپس آئی تو دیکھا کہ وُہ بیہوش پڑا ہے اور چند ہی لمحوں کے اندر وُہ اپنے مُنجّی کے پاس چلا گیا ٭

جنازے کی نماز سالٹس برگ (Saltsburg) کے پریسبٹیرین گرجا میں پڑھی گئی جہاں اُس کا باپ ۴۰ سال تک ایلڈر رہ چکا تھا اور جہاں سے وُہ ۴۶ سال پہلے مِشنری ہو کر ہندوستان گیا تھا۔ اس کی قبر اُس کے والدین کی قبروں کے پاس بنائی گئی ٭

(۱۲)

ڈاکٹر یُوئنگ اپنے زمانہ کے مِشنریوں میں یکتا تھا۔ اُس کا تجربہ نہایت وسیع تھا۔ کیا ہندُو کیا مُسلمان کیا انگریز کیا ہندوستانی مسیحی سب کے سب اُس پر پُورا اعتماد رکھتے تھے اور مُشکل کے وقت

ڈاکٹر یوئنگ کی صلاح لیتے تھے۔ جس طرح وُہ یونیورسٹی کے افسروں اور سرکارِ ہند کے افسرانِ اعلیٰ سے مِلتا اُسی طرح وہ ہیرا منڈی لاہور کے اچھُوت باشندوں سے مُلاقات کرتا تھا۔ وُہ ہر شخص کی قابلیّت کو فوراً تاڑ جاتا تھا کیونکہ وُہ نہایت مردُم شناس شخص تھا ؛

اُس کی یادداشت نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی اور طلبا کے نام اُس کو ازبر یاد تھے۔ اگر وُہ کِسی طالب علم کو بیس تیس سال کے بعد بھی مِلتا تو اُس کو فوراً اُس کے نام سے بُلاتا۔ چنانچہ جب راقم السطُور پشاور کے مِشن کالج میں فلسفہ کا پروفیسر تھا تو ڈاکٹر یوئنگ وائس چانسلر کی حیثیت سے کالج کا معائنہ کرنے کے لئے ۱۹۱۶ء میں آیا۔ اُس زمانہ میں اُس کا ایک شاگرد میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری مُلاقات ڈاکٹر یوئنگ سے کرا دیں۔ اس سے پہلے کہ مَیں اُس کا نام بتلا کر تعارف کراؤں۔ ڈاکٹر یوئنگ نے اُس کو کہا "آؤ۔ غلام سرور بیٹھ جاؤ"۔ وُہ حیران ہو کر کہنے لگا کہ آپ کو میرا نام یاد ہے۔ اُس نے جواب دیا پچّیس سال ہُوئے تم میری ایم۔اے کی کلاس میں تھے۔ اور دہنی طرف پہلی بنچ کے سِرے پر بیٹھا کرتے تھے ؛

ایک دفعہ راقم السطُور نے اُس سے پُوچھا کہ آپ کی اس حیرت انگیز یادداشت کا کیا راز ہے تو اُس نے جواب دیا کہ جب ہم کسی شخص سے محبّت رکھتے ہیں تو اُس کا نام، کام وغیرہ خود بخود یاد رہتا ہے ؛

جوان نَوخیز مِشنری اُس کے پاس باپ یا بڑے بھائی کی طرح مِلنے جاتے تھے۔ اُس کا گھر ہر وقت اُن کے لئے کھُلا تھا۔ وُہ جس طرح بُوڑھے تجربہ کار مِشنریوں میں بیٹھ کر خوش ہوتا تھا اُسی طرح جوانوں

کے ساتھ کھیلنے کُودنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔

وُہ وقت کا بڑا پابند تھا اور چاہتا تھا کہ دُوسرے بھی اُسی طرح وقت کی پابندی کو نگاہ میں رکھیں۔ خطوط کے جواب دینے میں وُہ بڑا مستعد تھا۔ کوئی خط اُس کی میز پر چوبیس گھنٹوں سے زیادہ جواب کے بغیر نہ رہتا۔

صرف پریسبٹیرین کلیسیا کے لوگ ہی اُس کے مدّاح نہ تھے بلکہ ہر فرقے کے مشنریوں اور مسیحیوں سے وُہ کُشادہ دلی سے مِلتا۔ اُس کی وفات پر ہر کلیسیا نے یہ محسُوس کیا کہ گویا اُس کے شرکاء میں سے ایک زبردست مشنری فوت ہو گیا ہے۔ جس کام کو وُہ ہاتھ لگاتا تھا اُس کو بدرجۂ احسن ختم کئے بغیر اُس کو چین نہ آتا۔ جس طرح اُس کا جسم بڑا تھا اُسی طرح اُس کا دل بھی بڑا تھا جس میں ہر خورد و کلاں کے لئے جگہ تھی۔

اُس کا دماغ غضب کا تھا۔ مُشکل سے کوئی مضمُون تھا جس پر وُہ گُفتگو نہیں کر سکتا تھا۔ وُہ ایک عالم تھا اور نہایت اعلیٰ تقریر کرنے والا تھا۔ انتظامی امُور میں وُہ اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ وُہ لوگوں کا قُدرتی لیڈر تھا لیکن اُس میں یہ کمال تھا کہ اپنی ذاتی رائے لوگوں سے کبھی جبریہ نہیں منواتا تھا بلکہ ہر بات میں صلاح و مشورہ لیتا تھا۔ اُس میں ایک اور خُوبی یہ تھی کہ اگر کوئی شخص مُصیبت میں گرفتار ہوتا تو اُس کو خود چین نہ آتا اور حتّے المقدُور اُس کی مدد کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

ڈاکٹر یُوئنگ میں سب سے بڑی خُوبی یہ تھی کہ وُہ اپنے مُنجی کی انجیل کا عَلَم بردار تھا۔ اُس کی انتہائی خواہش یہ تھی کہ لوگ نجات کے

پیغام کو سُنیں۔ اور مسیح کے قدموں میں آئیں۔ اُس کی تبلیغی غیرت فورمن کالج کی رُوح رواں تھی اور جب مشنری اُس کے پاس آتے تو از سرِ نو تازہ دم ہو کر اپنے کام پر اپنے علاقوں میں واپس جاتے اُس کی ہستی تبلیغ کا ایک زبردست ذریعہ تھی۔ اور اُس کا مسیحی جوش دُوسروں کے لئے ایک اعلےٰ نمونہ تھا۔

ڈاکٹر تھیوڈور لائٹن پینل۔ ایم۔ ڈی

(DR. THEODORE LEIGHTON PENNELL)

ڈاکٹر پینل کا خاندان ایک شریف اور پُرانی وضع کا خاندان تھا اور وُہ فیلڈ مارشل ارل رابرٹس Field Marshal Earl (ROBERTS) کا رشتہ دار تھا۔ تھیوڈور لائٹن پینل ۱۸۶۷ء میں پیدا ہُوا تھا۔ چُونکہ بچپن سے ہی وُہ نازک تھا لہٰذا اُس کو دیگر طلبا کے ساتھ کھیلنے کوُدنے کی اجازت نہیں تھی۔ اُس کی والدہ کو کُتب بینی کا بڑا شوق تھا پس اُس نے لڑکپن سے ہی یہ عادت حاصل کر لی۔ اُس کا نانا علم طبیعات کا ماہر تھا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ علم الارض اور علم نباتات کے متعلق اُس نے لڑکپن ہی میں کافی استعداد پیدا کر لی۔ سائنس کی کی طرف اُس کو خاص رغبت تھی سیر و سیاحت کی کُتب پڑھنے کا بھی شوق تھا۔ سکُول میں وُہ اپنے ہمعصروں سے بہت آگے تھا لڑکپن میں اُس کا باپ فوت ہو گیا۔ اُس کی والدہ اُس سے حد درجہ محبّت رکھتی تھی اور جہاں وُہ جاتا ہمیشہ اُس کے ساتھ رہتی تاکہ سکول اور کالج کے

بورڈنگ کا کھانا اُس کی صحت کو خراب نہ کر دے۔ اُس نے ۱۸۸۶ء میں بی۔ ایس۔ سی۔ کا امتحان آنرز کے ساتھ پاس کر کے سونے کا تمغہ حاصل کیا۔ اکتوبر ۱۸۹۰ء میں اُس نے ایم۔ آر۔ سی۔ ایس اور ایل۔ آر۔ سی۔ پی کا امتحان پاس کیا اور نومبر میں ایم۔ بی کا امتحان آنرز کے ساتھ پاس کر کے سونے کا تمغہ اور وظیفہ حاصل کیا۔ کالج میں اُس نے ایچیسن وظیفہ (Aitchison Scholarship) بروس تمغہ (Bruce Medal) اور موڑلے وظیفہ حاصل کیا۔ اگلے سال اُس نے ایم۔ ڈی کی ڈگری معہ سونے کے تمغہ کے حاصل کی اور اسی سال وُہ ایف۔ آر۔ سی۔ ایس (F. R. C. S) ہو گیا ؀

۲۲ نومبر ۱۸۹۰ء میں اُس نے اپنی والدہ کے زیرِ اثر چرچ مشنری سوسائٹی کو اپنی خدمات بلامعاوضہ پیش کیں اور خود کسی خاص جگہ جانے کی خواہش ظاہر نہ کی۔ اُس کا یہ اصُول تھا کہ ہر شخص کو وہاں جانا چاہئے جہاں اُس کو بھیجا جاتا ہے اور سپاہیوں کی طرح تابعدار رہنا چاہئے۔ جب چرچ مشنری سوسائٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ وُہ ہندوستان جائے تو اُس کی ماں جو اُس سے جُدائی کی برداشت نہیں کر سکتی تھی اُس کے ساتھ ہندوستان آنے کو تیار ہو گئی۔ اگست اور ستمبر ۱۸۹۲ء اِس تیاری میں لگ گئے۔ اِس اثنا میں وُہ اُردو زبان سیکھتا رہا۔ اُس کی ماں بھی اُردو سیکھنے لگ گئی اور اکتوبر میں وُہ ہندوستان کے لئے روانہ ہو گیا ؀

(۲)

نومبر ۱۸۹۲ء کے آخر میں وُہ کراچی پہنچ گیا۔ وہاں سے وُہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں گیا جہاں اُس کو تھوڑی مُدّت کے لئے متعین کیا گیا تھا۔

ڈیرہ اسمٰعیل خاں پہنچتے ہی وُہ کام میں لگ گیا اور زبان کی تحصیل کرتا اور بیماروں کو دیکھتا رہا۔ اُس کے مریض دن بدن بڑھتے گئے یہاں تک کہ اُن مریضوں کو بغیر ہسپتال کے سنبھالنا ناممکن ہو گیا۔ وُہ گِرد و نواح کے گاؤں میں جاتا اور لوگوں کے ساتھ رہتا اور اُن کا کھانا کھایا کرتا تھا۔ اُس کو اس بات کا کوئی اندیشہ نہ تھا کہ دیسی خوراک کھانے سے اُس کو کوئی مرض لاحق ہو جائیگی ÷

ہندوستان آتے ہی غور و فکر اور دُعا کے بعد اُس نے پٹھانی لباس زیبِ تن کر لیا۔ وُہ ہمیشہ اسی لباس میں رہتا تھا۔ آگے چل کر ہم اُس کی زبانی لباس کی تبدیلی کا قِصّہ سُنائینگے ÷

جنوری ۱۸۹۳ء میں وُہ پہلی دفعہ ٹانک گیا جب وُہ پیدل بارہ میل نِکل گیا تو اُس کو ٹانگہ مِلا۔ یہاں جانے سے اُس کا بشارتی جوش اَور بھی بڑھ گیا اور وُہ یہی چاہتا تھا کہ افغانستان اور ہندوستان کو جتنی جلدی ہو سکے مسیح کے قدموں میں لے آئے۔ وُہ سخت سے سخت تکلیف کو برداشت کر سکتا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے ٹانک سے واپس آتے وقت ۲۶ میل پا پیادہ بغیر روٹی پانی کے سفر کیا ÷

ابتدا ہی سے اُس نے مسعود اور وزیری قبائل سے تعلّقات پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ جنوری ۱۸۹۳ء میں مُلّا پاوندہ نے جو سرحد پر ہمیشہ فِتنہ برپا رکھتا تھا اُس کو بُلایا۔ وزیری بھی اُس کو اپنے پاس بُلاتے اور اُس کی جان و مال کی حفاظت کا ذِمّہ لیتے تھے۔ ان قبائل کے مریض کثرت سے اُس کے پاس تا دمِ مرگ آتے رہے ÷

وُہ چاہتا تھا کہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں شہر کے اندرُونی حِصّہ میں

مکان کرایہ پر لے کر رہے۔ اُس کی ہمیشہ یہی خواہش تھی کہ وُہ غیر مسیحیوں
کے درمیان رہ کر اُن کے ساتھ رابطۂ محبت و اتحاد پیدا کرے۔ اُس کا
یہ سخت حکم تھا کہ اگر کوئی شخص اُس کو ملنے آئے تو اُس کو ہرگز انتظار نہ
کرنی پڑے اور کسی شخص کو یہ جُرأت نہیں تھی کہ اُس حُکم کی خلاف ورزی
کرے۔ ہر شخص کے لئے خواہ وُہ بڑا ہو خواہ چھوٹا۔ اُس کے گھر کے
دروازے ہمیشہ کھُلے رہتے تھے۔ ایک دفعہ جب وُہ سادھوانہ لباس
میں پھر رہا تھا تو وُہ ایک مشنری صاحب کے بنگلہ پر گیا۔ خادم نے
اُس کو کہا "یہاں صرف صاحب لوگ آتے ہیں تم جاؤ حجرہ میں بیٹھو"
ڈاکٹر پینل نے اُس کو بہتیرا کہا کہ جاکر اپنے آقا کو خبر تو کرو لیکن اس جوان
نے ایک نہ مانی اور یہی کہا "حکم نہیں ہے۔ تم وہاں جاکر بیٹھو۔ جب
پادری صاحب کو فرصت ہوگا وُہ تم سے ملیگا"۔ اس پر ڈاکٹر پینل
حجرہ میں بیٹھا رہا جب تک مشنری صاحب فراغت پاکر باہر نہ نکلے۔
اس تجربہ نے اُس کو ایسا سبق سکھایا جو وُہ کبھی نہ بھُولا۔

۱۸۹۳ء کے موسمِ سرما میں اُس نے اُردو اور پشتو میں کافی
استعداد پیدا کرلی تھی۔ اب وُہ اُردو بول سکتا اور پشتو سمجھ
سکتا تھا۔ پس اُس نے گاؤں گاؤں پھرنا اور انجیل جلیل کا پیغام
دینا شروع کر دیا۔

(۲۷)

افغانستان سے ہندوستان کو آنے کے چار درّے ہیں۔ درّۂ
خیبر کے سرے پر پشاور واقع ہے۔ درّۂ کرّم کے سرے پر کوہاٹ
درّۂ ٹوچی کے سرے پر بنّوں اور درّۂ گومل کے سرے پر ڈیرہ اسمٰعیل خاں

واقع ہے ؂

پس ستمبر ۱۸۹۳ء میں یہ فیصلہ ہُوا کہ اُس کو بنّوں جو درّہ ٹوچی کے سرے پر ہے بھیجا جائے تاکہ افغانستان کو آنے جانے والوں کو انجیل جلیل کا نجات بخش پیغام سُنا سکے۔ پس وُہ اکتوبر میں وہاں پہنچ گیا اور وُہ اور اُس کی والدہ تا دمِ مرگ اسی جگہ کام کرتے رہے۔ بنّوں گئے اس کو پندرہ روز بھی نہ ہُوئے تھے کہ وُہ محسُوس کرنے لگا کہ وہاں ایک مشن ہسپتال ضرور قائم ہونا چاہیئے اور اُس نے اپنی جیبِ خاص سے چند کمرے بنوا لئے ؂

اُس نے اکتوبر ۱۸۹۳ء میں پشتو کا اعلےٰ امتحان پاس کر لیا۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد اُس نے اُردو کا امتحان پاس کر لیا یعنی ہندوستان آنے کے ایک سال کے اندر اُس نے تین امتحانات پاس کر لئے۔ پشتو وُہ ایسی اچھی طرح جانتا تھا کہ انہی ایّام میں وُہ اس قابل خیال کیا گیا کہ سموئیل کی دُوسری کتاب کے ترجمے میں اور پشتو انگریزی لغات کے مرتّب کرنے میں مدد دے ؂

جنوری ۱۸۹۴ء میں اُس نے بنّوں مشن کے پہلے نَومسیحی جہان خان کے ساتھ دَورہ کرنا شروع کیا۔ وُہ دونوں خود پَیدل چلتے تھے اور دوائیوں کا صندُوق ایک گدھے کی پیٹھ پر لدا ہوتا تھا۔ وُہ افغانی لباس پہنے تھا جس میں صرف وہی جو اُس کو جانتے تھے اُسے پہچان سکتے تھے۔ بعض خیال کرتے تھے کہ وُہ ایک مُلّا ہے جو ہندوستان سے آیا ہے اور پشتو سے کماحقّہٗ واقف نہیں ہے۔ بعض کہتے تھے کہ وُہ افغانستان سے آیا ہے۔ بعض کہتے تھے کہ وُہ ایک نَومُسلم یورپین ہے لیکن جب

وُہ منادی شروع کرتا اور اناجیل فروخت کرتا تو ہر شخص کے شکوک رفع ہو جاتے ٭

جب شام ہُوئی تو لوگوں نے درخواست کی کہ پینل منادی کرے ۔ وُہ ایک چراغ لائے اور حُقّہ سے چراغدان کا کام لیا گیا ۔ چُونکہ پشتو میں منادی کرنے کا یہ پہلا موقع تھا لہٰذا وُہ اپنے خیالات کو احسن طور پر ادا نہ کرسکا ۔ چُونکہ کوئی مُلّا پاس نہیں تھا لوگ اُس کو سُن کر بہت خُوش ہُوئے اور کسی نے کوئی اعتراض پیش نہ کیا ٭

مارچ ۱۸۹۴ء میں پادری رابرٹ کلارک بنّوں گیا ۔ وہاں اُس نے ان کمروں کو جو ڈاکٹر پینل اور اُس کی والدہ نے بنائے تھے کھولا ۔ یہ کمرے کچّی دیواروں کے بنے ہُوئے تھے لیکن اُن دِنوں میں یہی غنیمت تھے ٭

انہی ایّام میں ایک افغان پینل کی بازاری منادی سے متاثر ہو کر بپتسمہ کا خواہاں ہُوا ۔ مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہو گیا ۔ مُلّانوں نے کوشش کی کہ اُس کو بنّوں سے اُڑا کر کہیں اور لے جائیں لیکن ناکام رہے ۔ متلاشی کو عوام النّاس نے نہایت تنگ کیا اور طرح طرح کی تکالیف کا اُسے سامنا کرنا پڑا ۔ ایک دفعہ اُس کو بازار میں گھیر لیا گیا اور کہا گیا کہ تُم کلمہ پڑھو اس پر اُس نے دُعائے ربّانی کا یہ کلمہ پڑھا "تیرے نام کی تقدیس ہو"۔ لوگوں نے اُس کو بُری طرح سے زدوکوب کیا لیکن متلاشیانِ حق کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی ۔ اُن میں سے ایک متلاشی ایسا جوشیلا تھا کہ اُس کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی ۔

اس پر پینل نے اُس کو کسی اَور جگہ بھیج دیا۔

جون اور جولائی ۱۸۹۴ء میں پینل شیخ بُدن میں تھا جو بنّوں سے کچھ فاصلہ پر ایک پہاڑی مقام ہے۔ وہاں مریض اس کثرت سے جمع ہونے لگے کہ باقی مشنری تنگ آ گئے اور اُنہوں نے مریضوں کے وہاں فراہم ہونے پر اعتراض کیا۔ اسی اگست میں اُس نے بنّوں کے ہسپتال میں کمرے ایزاد کئے کیونکہ اُس کی شہرت دُور و دراز مقامات میں پھیل چکی تھی بالخصوص موتیا بند کے اپریشن کے لئے وہ نہایت مشہور تھا۔

اِن نئے کمروں میں پہلا مریض ایک شخص تھا جو کانوں سے بہرہ تھا۔ جب اُس کی قوّتِ سمع دُرست ہُوئی تو پہلے الفاظ جو اُس کو سُنائے گئے وُہ انجیل کے نجات بخش پیغام کے تھے۔

بنّوں میں میلۂ اسپاں ہوتا تھا۔ اُس میں ڈاکٹر پینل انجیلوں اور دیگر کتابوں کی فروخت کے لئے ایک دُکان کھولتا اور منادی کرتا تھا۔ اُس پر عوام النّاس میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا ایک دفعہ اُنہوں نے اُس کو میلے میں پکڑ لیا خوب زدوکوب کیا اور مار پیٹ کر بھاگ گئے۔ لیکن وُہ مردِ خدا باقاعدہ منادی کرتا رہا۔

۱۸۹۵ء کے اوائل میں اُس نے مشن سکول کے لئے ایک بورڈنگ کھولنے کا ارادہ کیا تاکہ دُور و دراز مقامات سے جو طلبا آئے تھے اُن کے لئے رہائش کی جگہ ہو اور وُہ اُس کے پاس رہ کر مسیحیّت سے متاثّر بھی ہو سکیں۔ لیکن چُونکہ کوئی عمارت نہیں تھی اُس نے مشن کے گھر کا حبس میں وُہ رہتا تھا سب سے بڑا کمرہ طلبا کو رہنے کے لئے دے

دِیا۔ وُہ ان لڑکوں کے ساتھ رہتا اور کھاتا پیتا تھا ÷

مارچ میں پینل اپنے رفیق جہان خاں کے ساتھ گاؤں میں منادی کرنے اور مریضوں کو دیکھنے گیا۔ وُہ ایک گاؤں میں گئے جہاں چالیس مریض اُن کے گِرد جمع ہو گئے اُس نے پہاڑی وعظ کی مُبارکبادیوں پر وعظ کیا۔ بعد میں جہان خان نے اسی بات کو پھر دُہرایا۔ اس پر مُلّا کہنے لگے کہ ہم یہاں دوائی کے لئے آئے ہیں۔ گمراہی کی باتیں سُننے نہیں آئے۔ پینل نے جواب دیا کہ ہم کو حُکم ہے کہ مریضوں کو چنگا کرو اور انجیل کی خوشخبری دو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اگر انجیل سُنے بغیر دوائی نہیں مِلتی تو ہم دوائی لئے بغیر چلے جائینگے۔ جب پینل نے انجیل سُنانے پر اصرار کیا تو مُلّانوں نے مُسلمان مریضوں کو وہاں سے بھگانا چاہا۔ لیکن مریض دوا لئے بغیر جانا نہیں چاہتے تھے اس پر مُلّانوں نے اُن کو گالیاں دیں اور کہا کہ تُم نہیں جانتے کہ اِن دوائیوں میں سُؤر کا خُون اور شراب مِلی ہُوئی ہے اور وُہ تُم کو زبردستی عیسائی کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تمہاری تقدیر میں مرنا ہی لکھا ہے تو بہتر ہے کہ تُم ایمان کی حالت میں مرو۔ یہ کہکر اُنہوں نے مریضوں کو وہاں سے زبردستی نکال دِیا ÷

پینل کا یہ قاعدہ تھا کہ جہاں تک ممکن ہوتا وُہ گاؤں کے نمبردار کے ہاں ٹھہرتا۔ اس طرح اُس نے گردونواح کے تمام نمبرداروں سے رابطۂ محبّت پیدا کر لیا۔ وُہ لوگوں کے ساتھ چوک میں جا بیٹھتا۔ علاقۂ سرحد میں چوک ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں لوگ جمع ہو کر حُقّہ پیتے۔ باتیں کرتے۔ قِصّے کہانیاں سُنتے اور گاؤں کے معاملات کا فیصلہ کرتے یا اسلامی دُنیا کی خبروں پر بحث کرتے ہیں۔ اس طریقہ

سے اُس نے لوگوں کے دِلوں میں اپنی جگہ بنالی ٭

۱۸۹۵ء اور ۱۸۹۶ء میں اُس کے سکول کے چند طلبا عیسائی ہوگئے اور اس بات سے اُس کو بڑی تقویت اور خوشی حاصل ہوئی۔

اِنہی ایام میں وُہ گاؤں گاؤں دَورہ کر رہا تھا۔ ایک گاؤں کے باہر رات کی تاریکی میں اُس کو تین آدمی ملے جن میں سے دو وزیری تھے اور ایک بنّوں کا مُلّا تھا۔ وُہ ڈاکہ مارنے کی غرض سے نکلے تھے پینل نے کہا اسلام علیکم۔ اُنہوں نے جواب دیا وعلیکم السّلام۔ نہ فرنگی ہے (تو فرنگی ہے؟) وزیریوں نے صلاح کی کہ اس کافر کو مار ڈالیں لیکن مُلّانے کہا کہ نہیں اس شخص کا خون کرنا روا نہیں کیونکہ یہ لوگوں میں نیک کام کرتا ہے۔ بس اُنہوں نے اُس کو کچھ نہ کہا۔ مُدّت مدید کے بعد یہ اشخاص اُس کو ملے اور کہنے لگے کہ تم کو ہمارا مُدّت العمر احسان مند ہونا چاہیئے کیونکہ ہم نے تم کو اُس رات قتل نہیں کیا ٭

۱۸۹۶ء کے موسم گرما میں مشہور ڈاکو چکّی نے اُس کو اپنے ہاں بُلایا۔ اوائل عُمر میں یہ شخص ایک پن چکّی میں کام کرتا تھا۔ وُہ بڑا تنومند لمبا چوڑا جوان تھا۔ اُس کے گرد چند اور جوان جمع ہوگئے اور اُنہوں نے مسافروں کو لوٹنا شروع کردیا۔ رفتہ رفتہ لوگوں نے اُس کو زر کا طمع دے کر اپنے دُشمنوں کو قتل کرانا شروع کردیا حتّٰے کہ اُس کے نام سے لوگ کانپتے تھے۔ پینل اُس کے قبیلے کے قریب ایک گاؤں میں مریضوں کو دیکھتا پھرتا تھا۔ چکّی نے یہ سُن کر اُس کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور اُس کی بڑی مہمان نوازی کی۔ وُہ پینل کو

اپنے پاس سے دُور جانے نہیں دیتا تھا تاکہ خُدانخواستہ اگر کوئی پینل
کو مار ڈالے تو اُس کی بدنامی ہوگی۔ اس شخص کا وقت دُعا نماز اور
قبیلہ کے انتظام میں صرف ہوتا تھا۔ اُس نے پینل کو ایک دُعا سُنائی
جو اُس نے پشتو میں لکھی تھی جس کا مضمون یہ تھا کہ خُدایا۔ میرا نشانہ
کبھی خطا نہ جائے۔ نشانہ کرنے سے پہلے وُہ ہمیشہ بسم اللہ الرحمن الرحیم
پڑھتا تھا۔ اُس نے کہا کہ میری یہ دُعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے پینل نے
اُس کو خُدا کی محبت اور مسیح کے رحم کا نجات بخش پیغام سُنایا اور
پہاڑی وعظ کی مُبارکبادیوں کی تلقین دی۔ چکی کے مُلّا نے اُس کے
ساتھ مباحثہ بھی کیا لیکن مُبارکبادیوں نے چکی کے دِل کو بڑا متاثر
کیا۔ پینل نے اُس کو ایک پشتو کی انجیل دی اور چلا آیا۔ چند عرصہ کے
بعد چکی نے کہلا بھیجا میں آپ کے الفاظ پر غور و خوض کرتا رہتا ہوں
اور میں نے خون کرنا اور ڈاکہ مارنا چھوڑ دیا ہے۔ کچھ مدّت بعد اُس نے امیر
کابل کے ماتحت نوکری اختیار کر لی ÷

اسی سال ایک دو مُلّا اُس کے پاس متلاشی ہوکر آئے۔ ایک
دفعہ جب وُہ بازاری منادی سے واپس آرہا تھا تو ایک مروتی اس
کے پیچھے ہولیا اور بپتسمہ کا خواہاں ہُوا۔ اگلے اتوار جب پینل منادی
کر رہا تھا تو یہ مروتی عیسائیوں کے درمیان جا کھڑا ہُوا۔ اس پر
لوگوں میں شور و غل برپا ہوگیا۔ اُنہوں نے مروتی کو پکڑ لیا۔ ایک
متعصب مُسلمان افسر نے اُس کو تھانہ میں بھجوا دیا۔ اگلے روز جب
وُہ پیش ہُوا تو اُس نے علانیہ مسیحی ایمان کا اقرار کیا۔ اس پر کسی بہانہ
سے اُس کو واپس تھانہ پہنچا دیا گیا۔ اگلے روز اُس کو یہ خبر دی گئی

کہ تیرا چچا مر گیا ہے آکر اُس کا جنازہ دیکھ لے۔ اِس بہانے سے اُس کو رشتہ داروں کے پاس لے گئے۔ وہاں اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن اُس کے قبیلے کے اُونٹ چوری ہو گئے اور اُس کے تمام رشتہ دار اُونٹوں کی تلاش میں نکل گئے۔ وہ موقعہ کو غنیمت جان کر بھاگ گیا اور آدھی رات کے وقت پینل کے پاس جا پہنچا۔

جنوری ۱۸۹۷ء میں پینل لاہور گیا اور بنّوں کے لئے ایک چھاپہ خانہ خرید لایا۔ آتے ہی اخبار تحفۂ سرحد شروع کر دیا۔ یہ پہلا اخبار تھا جو بنّوں میں شائع ہوا۔ اس کا وہ خود ایڈیٹر تھا اور اپنے روپیہ سے اس کو چلاتا تھا۔ لاہور سے واپس آتے وقت ریل میں ایک پشاوری اُس کو ملا اُس نے پشتو میں گفتگو کرنی شروع کر دی پینل نے پوچھا کہ آپ نے کیسے معلوم کیا کہ میں افغان ہوں۔ جواب میں اُس نے کہا "کیا کوئی افغان چھپ سکتا ہے"! پینل کو اس بات کا یقین تھا کہ اُس کا افغانی لباس انجیل کا اثر لوگوں کے دِلوں میں پیدا کر رہا ہے۔ لوگ اُس کو پیار کرتے تھے اور لباس کی وجہ سے اُس کو فوراً اپنے دِلوں میں جگہ دیتے تھے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ جب بعض ہندوستانی رسالوں میں انگریز افسروں کو کُلاہ اور لُنگی پہننے پڑتے ہیں تو میں جو مسیح کا سپاہی ہوں کیوں ایسا نہ کروں؟ سرحد میں یہ رسم ہے کہ دو دوست ایک دُوسرے کی پگڑیاں بدل کر پہنتے ہیں اور اس کو دوستی کا نشان قرار دیتے ہیں۔ پگڑی اور کُلاہ پہننے سے پینل اس رسم پر عمل کر سکا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے ہندوستان آکر داڑھی بھی رکھ لی تھی۔ ہندوستانی

جُوتیاں بھی بڑا کام دیتی تھیں کیونکہ وُہ نہایت آسانی سے پاؤں سے اُتر سکتیں۔ جب وُہ مسجدوں یا مندروں میں یا کسی کے گھر جاتا تھا تو اُن کو اُتار دیتا تھا۔ وُہ جہاں جاتا اُس جگہ کے رواج کے مطابق لباس پہن لیتا تھا۔ وُہ موقعہ کے مطابق افغانی۔ وزیری۔ پشاوری۔ خان اور مُلّا کے لباس زیب تن کر لیتا تھا۔

اِنہی ایام میں اُس کے سات متلاشی عیسائی ہو گئے اور لوگوں میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا۔ ایک دفعہ وُہ بازار میں منادی کر رہا تھا اُس کے ساتھ نائب خان اور سیّد بادشاہ تھے جو نومرید تھے مؤخرالذکر ایک مُلّا تھا۔ لوگوں نے نائب خاں کو پکڑ لیا اور کشمکش شروع ہو گئی۔ بالآخر پینل نے نائب خاں کو لوگوں کے ہاتھوں سے چھڑا لیا۔ تب اُن پر پتّھروں اور اینٹوں کی بارش شروع ہو گئی۔ لیکن اُنہوں نے منادی جاری رکھی۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر سیّد بادشاہ کو پکڑ لیا اور ہاتھا پائی میں پینل کی پگڑی دُوسری بار سر سے گر گئی اور پتّھر پھر برسنے شروع ہو گئے۔ چونکہ یہ جگہ گنک منڈی تھی ہندو دُکانداروں کو چوٹیں لگیں اور اُنہوں نے پینل سے اصرار کر کے کہا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ اُن کی خاطر پینل وہاں سے چل دیا لیکن اینٹ پتّھر کی بارش مشن احاطہ تک ختم نہ ہُوئی۔ کچھ عرصے کے بعد لوگوں نے تین نومریدوں کو بازار میں پکڑ لیا اور ادھموا کر کے چھوڑ گئے۔ پینل نے اپنے دیگر فرائض کے علاوہ اُن نومریدوں کو باقاعدہ تعلیم دینی شروع کر دی۔ لوگوں نے جہان خان کو دھمکیاں دیں۔ نائب خان اور سیّد بادشاہ کی جانیں بھی خطرے میں تھیں۔ ایک روز سیّد بادشاہ کے دروازہ کے

باہر ایک خنجر پڑا مِلا اور چند دِنوں کے بعد اُس کو گولی سے شہید کر دیا گیا۔ اور یُوں اُس نے اپنے ایمان پر اپنے خُون سے مُہر کی ؛

اِنہی ایّام میں وزیریوں نے انگریزوں پر حملہ کر دیا اور بڑی سخت لڑائی ہُوئی۔ انگریز افسر چاہتے تھے کہ مشن کمپونڈ کی ایک گارد حفاظت کرے لیکن پینّل اس کے خلاف تھا۔ وُہ کہتا تھا کہ ہماری حفاظت صرف اِسی بات پر منحصر ہے کہ ہم قبائل کے ساتھ محبّت کے تعلّقات پَیدا کریں۔ بندُوق اور دیگر اسلحہ ہماری حفاظت نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے کبھی کوئی ہتھیار بھی اپنے پاس نہ رکھّا ؛

فروری ۱۸۹۸ء میں پینّل کی والدہ کی فیاضی سے سکُول کو مڈل سے ہائی بنا دیا گیا تاکہ لڑکے زیادہ مُدّت تک انجیل کے جانفزا پیغام سے متاثّر ہو سکیں ؛

پینّل میں ایک بڑی خُوبی یہ تھی کہ وُہ کسی کے خلاف شکایت نہیں سُنتا تھا جب تک دُوسرا فریق بھی سامنے موجُود نہ ہو۔ یہ اُس کا معمُول تھا اور اس قاعدہ کا وُہ ہمیشہ پابند تھا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جو اُس کے ماتحت تھے وُہ صُلح اور آشتی سے ایک دُوسرے کے ساتھ رہتے تھے اور کسی کو چُغل خوری اور غیبت کا موقعہ نہ مِلتا تھا ؛

اِسی سال ایک مرتبہ بازاری منادی کے وقت مباحثہ شروع ہو گیا۔ بحث کا مضمُون تحریفِ بائبل تھا۔ پینّل نے قرآن ہاتھ میں لے کر مُلّا سے کہا کہ اس کِتاب میں کہیں یہ لکھا دکھا دو کہ قرآن نے انجیل کو منسُوخ کر دیا ہے۔ مُلّا قرآن کا تو حوالہ نہ دے اور اعتراض پر

اعتراض کرتا چلا جائے۔ پینل نے اعتراضات کے جوابات دے کر پھر کہا کہ مُلّا صاحب قرآن سے آپ انجیل کے منسوخ ہونے کا حوالہ کیوں نکر نہیں نکالتے؟ اگر آپ سچّے ہیں اور آپ کی کتاب برحق ہے تو اس کا یہ دعوے کہیں سے دکھائیں۔ اس پر مُلّا اور مُسلمانوں نے شور مچانا شروع کر دیا اور بحث یُونہی ختم ہوگئی۔

پینل اور اُس کی والدہ نے کبھی رُخصت نہ لی۔ اگرچہ مشن کے قوانین کے مطابق سرحد کے مشنری سال میں دو ماہ رُخصت لے سکتے ہیں لیکن اُس نے یہ کبھی نہ کیا۔ اکتوبر میں اُس نے فارسی کا اعلےٰ امتحان پاس کر لیا اور عربی کا مطالعہ شروع کر دیا۔

پینل محنت شاقہ کا عادی تھا۔ وُہ عموماً ایک جگہ سارا دن کام کر کے رات کے وقت سفر کرتا تھا تاکہ اگلے روز دُوسری جگہ تمام دِن کام کر سکے۔ یہی وجہ تھی کہ وُہ ہر حالت میں سو سکتا تھا۔ ٹانگہ میں وُہ اسباب پر ٹانگیں سُکیڑ کے بیٹھا بیٹھا سوتا رہتا تھا۔ ٹُم ٹُم میں وُہ نشست گاہوں کے نیچے لیٹ کر یُوں سوتا کہ اُس کا سر گاڑ ہبان کے پاؤں میں ہوتا اور اُس کی ٹانگیں پائدان پر لٹکتی رہتیں۔ یکہ میں وُہ اپنی پگڑی دونوں ڈنڈوں کے ساتھ باندھ کر اُس سے پیٹھ کا سہارا لے لیتا اور گھُٹنوں کو مُنہ کے پاس رکھ کر بیٹھا بیٹھا سو جاتا۔ وُہ رات کو اِس قسم کے سفر کر کے صبحدم تازہ ہو کر تمام دن آپریشن میں اور انجیل کی منادی میں صرف کر کے پھر رات کو اُسی طرح سفر کر کے واپس بنوّں صبح کو پہنچ جاتا اور اپنے روزمرّہ کے کام میں لگ جاتا۔

دسمبر ۱۸۹۸ء میں پنجاب کے لفٹنٹ گورنر کو لاہور ملنے گیا تا کہ اُس سے کابل جانے کی اجازت حاصل کرے لیکن اُس نے کہا کہ آپ امیر صاحب کو خود لکھیں۔ لیکن وہاں سے کوئی خاطر خواہ جواب نہ ملا تاہم اُس نے تادمِ مرگ کابل جا کر انجیل کا پیغام سُنانے کا خیال نہ چھوڑا۔

جنوری ۱۸۹۹ء میں اُس نے ایک انجمن قائم کرنے کا ارادہ کیا جو رسُولی زمانہ کی طرز پر ہو یعنی سب کا مال ایک جگہ اکٹھا ہو۔ کھانا اکٹھا ہو۔ عبادت اکٹھی ہو اور مسیحی اصُول کے مطابق روزانہ دُوسروں کی خدمت کر کے خُدا کی خدمت کی جائے۔ یہ اصُول اُس کی زندگی کے اصُول تھے۔ اُس نے کبھی یہ خیال نہ کیا کہ فلاں شئے میری ہے بلکہ اُس کا یہی منشا تھا کہ انجیلی حُکم پر عمل کیا جائے کہ "جس کے پاس دو چوغے ہوں وُہ ایک اُس کو دے دے جس کے پاس کوئی نہیں"۔ وُہ اپنے کپڑے ہمیشہ دُوسروں کو دے دیتا تھا۔ مشن کی ضروریات پُورا کرنے کے لئے اُس نے اپنی طلائی گھڑی اور زنجیر تک فروخت کر دی۔ اُس کی والدہ کو ایک دفعہ معلوم ہُوا کہ وُہ اپنے سونے کے تمغے بھی فروخت کرتا جاتا ہے تو اُس نے اُن کو دوبارہ خرید کر مقفّل کر دیا۔ اُس کو کپڑوں کے انبار رکھنے سے بڑی نفرت تھی۔ اور اگر کوئی شئے ایک سے زیادہ اُس کے پاس ہوتی تو وُہ اُس کو فوراً کسی کو دے دیتا۔ اُس کی ماں کو ہر شئے کو جو روزمرّہ کے استعمال میں نہیں آتی تھی نہایت خبرداری سے سنبھالنی پڑتی کیونکہ وُہ عموماً ان اشیا کو دے دیتا تھا اور اُس کی والدہ کو تب پتہ لگتا جب وُہ اُن چیزوں کو کسی دُوسرے کے پاس دیکھتی۔ بعض اوقات وُہ اپنے

کمبل اور لحاف اور کپڑے تک حاجت مندوں کو دے دیتا اور پتہ اُس وقت لگتا جب وُہ اُن کو پہن کر گرجہ گھر میں جاتے۔ اُس کے دفتر میں ایک بکس پڑا رہتا تھا جس میں وُہ سب چیزیں ڈال دیتا تھا جو اُس کے خیال میں کسی کو درکار ہوتیں۔ اُس میں سے وُہ اشیا نکال کر اوروں کو دے دیا کرتا تھا*

فروری میں وُہ اپنے سکول کی برانچ میں رہنے کے لئے چلا گیا جو شہر میں تھی تاکہ شہر والوں کے درمیان رہے۔ بازاری منادی میں وُہ ہمیشہ سرگرم رہا۔ ایک دفعہ اُس کے سکول کے دو لڑکوں نے اُس کو لوگوں کے ہاتھوں سے چھڑوایا۔ ایک اور دفعہ ایک مُلّا بازار کے سِرے پر بیٹھ گیا تاکہ لوگوں کو منادی سُننے کے لئے نہ آنے دے۔ میلۂ اسپاں میں افغانوں نے دُکان کو گھیر لیا جہاں انجیلیں فروخت کے لئے رکھّی تھیں اور انجیلوں کو پھاڑ دیا۔ اس ہا نتھا پائی میں کسی نے پینّل کی اُنگلی کو دانتوں سے چبا لیا۔ پولیس نے مجرم کو پکڑ لیا لیکن عدالت میں پینّل نے عرض کی کہ اس کو چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح معاف کرنے سے اُس نے لوگوں کے دِلوں کو موہ لیا۔ اور اُس موسم بہار میں تین افغان عیسائی ہو گئے*

پینّل کا یہ اصُول تھا کہ وُہ کبھی کسی یورپین کلب کا ممبر نہ ہُوا۔ وُہ فراغت کا وقت انگریزوں میں صرف نہیں کرتا تھا بلکہ ہندوستانیوں میں رہ کر اُن کے ساتھ رفاقت حاصل کرتا تھا*

پینّل نہایت صابر انسان تھا۔ بعض اوقات ایسے بیمار آتے جو بڑے بے صبر ہو جاتے۔ ایسے اوقات میں وہ نہایت تحمّل اور

بُردباری سے اُن سے پیش آتا تھا۔ ہسپتال کے کارگزار اُس کے صبر کو دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ وُہ ہمیشہ یہ چاہتا تھا کہ مِشن ہسپتال میں چھوٹے بڑے غریب اور دَولت مند کی تمیز اُٹھ جائے اور ہر شخص کی یکساں خاطر تواضع کی جائے۔ تاکہ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ چُونکہ وُہ غریب ہے اُس کا علاج امیر کی طرح نہیں کیا گیا بلکہ ہر شخص مسیحی محبّت کا مزہ چکھ کر جائے۔

سنہ ۱۸۹۹ء میں پینل بِشپ لیفرائے کی تقدیس کے موقعہ پر لاہور گیا۔ وُہ افغانی لباس میں تھا جب وُہ کیتھیڈرل میں عبادت کے وقت گیا تو اُس کو راہ سے روک لیا گیا جدھر سے یورپین گرجہ گھر میں داخل ہوتے تھے۔ لہذا وُہ اُس طرف سے داخل ہو گیا جدھر سے ہندوستانی مسیحیوں کو اجازت تھی۔ وُہ اس بات سے خُوش ہُوا کہ وُہ بھی اس بے عزّتی میں شامل کیا گیا ہے جو ہندوستانیوں کے لئے روا رکھی جاتی تھی۔

بِشپ لیفرائے (Bishop Lefroy) فروری سنہ ۱۹۰۰ء میں پہلی دفعہ بنّوں گیا اور اُس نے بازار میں اُس کمرے کی بُنیاد رکھی جو مناد‌ی کے لئے مخصُوص کیا گیا تھا۔ اُس وقت سے لے کر آخر تک پینل نے روزانہ بازاری منادی شروع کردی۔ آریہ سماج کے شرکا سب سے زیادہ بحث میں حِصّہ لیتے تھے۔

اِنہی اَیّام میں لارڈ کرزن (Lord Curzon) بنّوں آیا۔ پینل نے پھر کابل جانے کی اجازت مانگی لیکن اُس نے نہ دی۔

اپریل میں ہیضہ پھیل گیا وُہ اور اُس کی والدہ ہر جگہ جاتے

تھے تاکہ لوگوں کی مدد کر سکیں۔ اُس سال اُس کی والدہ پہاڑ پر بھی نہ گئی تاکہ لوگوں میں رہ کر اُن کے غم اور مصیبت کے وقت کام آسکے ؞

مُسلمان مُلّا ہر وقت اس کوشش میں رہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح بازاری منادی نہ ہو۔ پس اُنہوں نے بازاری منادی رد کرنے کی غرض سے اُس جگہ آنا شروع کیا جہاں وُہ منادی کیا کرتا تھا۔ وُہ منادی کے وقت سے کچھ پہلے آتے اور جُونہی اُس کو آتے دیکھتے اسلام پر وعظ کرنا شروع کر دیتے اور پینل کو اس طرح دِق کرتے۔ لیکن وُہ ان باتوں سے ٹلنے والا آدمی نہ تھا۔ اور بازاری منادی باقاعدہ ہوتی رہی ؞

اِسی سال کے اکتوبر میں آریوں نے اُس کو کہا کہ اگر تُم گوشت کھانا ترک کر دو تو ہم تُمہارے ساتھ کھانا شروع کر دینگے۔ اس پر اُس نے گوشت کھانا چھوڑ دیا اور اُس نے اُن کی دعوت کی لیکن سماج کے پریذیڈنٹ نے دعوت کھانے سے انکار کر دیا۔ باقی جو آئے تھے دری پر بیٹھ گئے اور ہندو مُسلمانوں کا ہجُوم یہ نظارہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گیا۔ پینل نے اُن کے ہاتھ دُھلائے لیکن اُن میں سے نو آدمی غیر مسیحیوں کا ہجُوم دیکھ کر گھبرا گئے۔ باقی جو رہ گئے اُن میں سے دو وکیل تھے اور چار اُپنشدوں کے ماننے والے تھے۔ اُس وقت سے اُس نے گوشت کھانا ترک کر دیا لیکن جب اُس نے دیکھا کہ مُدّت گذرنے پر بھی آریہ اُس کے ساتھ نہیں کھاتے تو اُس نے صدائے احتجاج بلند کی۔ اس پر بھی وُہ نہ مانے تو اُس نے پھر گوشت کھانا شروع کر دیا ؞

۱۹۰۱ء میں اُس نے پنجابی زبان سیکھنی شروع کر دی تاکہ وُہ پنجابیوں سے آسانی سے گفتگو کر سکے ؞

اِسی سال کے نومبر میں انگریزوں کو معلوم ہُوا کہ مسعُودیوں کو لُوٹنے کے لئے آنے والے ہیں۔ پینّل گاؤں میں دَورہ کرنے گیا ہُوا تھا۔ انگریز افسر چاہتا تھا کہ اُس کی والدہ قلعہ میں آجائے لیکن اُس کی والدہ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ مَیں عیسائیوں کو حفاظت کے بغیر چھوڑ کر کہیں جانا نہیں چاہتی۔ بعد میں معلوم ہُوا کہ حملہ آوروں نے خود اپنے آدمی مقرّر کر رکھے تھے تاکہ حملہ کے وقت "پادری صاحب کی ماں" کی حفاظت کریں ٭

ماہِ دسمبر میں وُہ پشاور گیا جہاں ایک کمیٹی منعقد ہونے والی تھی۔ اس دفعہ وُہ اپنے ساتھ ایک مُسلمان طالب علم کو لے گیا۔ اُس میں یہ بڑی خُوبی تھی کہ وُہ باہر سفر میں اپنے ساتھ اُن لوگوں کو لے جاتا جو کسی رُوحانی تکلیف میں ہوتے اور یُوں اپنے ساتھ رکھ کر رُوحانی آزمائش کے وقت اُس کی تسلّی اور مدد کرتا اور اُن کو خُدا کے نزدیک لاتا ٭

۱۹۰۲ء میں پینّل نے اپنے سکول کے لڑکوں کی ایک سوسائٹی قائم کی جس کا مقصد یہ تھا کہ اُس کے لڑکے لوگوں کی خدمت کرنا سیکھیں اور غریبوں، محتاجوں، بیماروں اور مُصیبت زدوں کی ضرورت کے وقت کام آئیں۔ بعض اوقات وُہ کسی لنگڑے کو باہر سیر کے لئے لے جاتے یا کسی بے یارومددگار کے لئے کھانا لے آتے یا بیماروں کی تیمارداری کرتے یا بیواؤں کی خبر گیری کرتے یا اگر کوئی لاوارث مر جاتا تو اُس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرتے تھے ٭

پینّل دُوسروں کے لئے اپنا روپیہ پانی کی طرح بہا دیتا تھا۔ لیکن اُس کے پاس بعض اوقات کھوٹی کوڑی بھی نہ ہوتی تھی۔ اُس کا یہ

معمول تھا کہ سفر کرتے وقت اپنے پاس بہت تھوڑا روپیہ رکھتا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو وُہ ان حالات میں گھبرا جاتا لیکن وُہ ان باتوں کو خاطر میں کبھی نہ لاتا اور خُدا کی پروردگاری سے وقت پر اُس کی تمام مُشکلات حل ہو جاتیں۔ ایک دفعہ جب وُہ بنّوں پہنچا تو اُس کی جیب میں ۱/۲ ۱ پیسہ باقی تھا۔ ایک دفعہ اُس کے پاس اتنی رقم بھی نہیں تھی کہ اسباب کا کرایہ ادا کرے۔ ابھی وُہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے کہ ڈاکیہ پندرہ روپیہ کا منی آرڈر لے آیا۔ ایک اور دفعہ اُس کو پچّاس روپیہ کی فوری ضرورت تھی اور نیوزی لینڈ سے روپیہ آ گیا ⁂

پینل میں ایک کمال کی خُوبی یہ تھی کہ وُہ ہر خورد و کلاں سے سیکھنے کو تیار تھا۔ ایک دفعہ وُہ سکول میں یُوحنّا ۱۳ باب پر درس دے رہا تھا کہ ہر شخص کی خواہ وُہ غریب ہو یا امیر، خدمت کرنی چاہیئے۔ اس پر ایک طالب علم نے کہا کہ جناب آپ خود اس پر عمل نہیں کرتے کیونکہ ایک دفعہ جب آپ ہم کو پڑھا رہے تھے تو ایک نمبردار آپ کو ملنے آیا تھا تو آپ جماعت چھوڑ کر اُسے ملنے کے لئے چلے گئے تھے لیکن اس کے بعد ایک غریب مریض آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نے کہلا بھیجا تھا کہ کل ہسپتال کے وقت آؤ۔ پینل نے اس ملامت کے جواب میں اُس کو ایک بائبل کی جلد عطا کر دی ⁂

۱۹۰۳ء کے دہلی دربار میں پینل کو قیصرِ ہند کا چاندی کا تمغہ عطا کیا گیا ⁂

جنوری کے آخر میں اُس کے چیلے جہان خان نے کہا کہ مَیں بحیرین انجیل کی تبلیغ کے لئے جانے کو تیار ہُوں۔ یہ مقام خلیج فارس میں واقع

ہے۔ چنانچہ وُہ پہلا افغان مشنری تھا جو بنّوں سے ہندوستان کے باہر گیا۔ پینل اس بات سے بڑا خوش تھا کیونکہ اُس کی دِلی خواہش تھی کہ افغان مسیحی مبلّغ بن کر غیر ممالک کو جائیں۔ وُہ کہتا تھا کہ جب افغانوں نے افریقہ۔ جاوا ا،ادر چین میں اسلام کی اشاعت کردی تو کوئی وجہ نہیں کہ انجیل کے پیغام کو وُہ غیر ممالک میں نہ پہنچائیں۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں جب لکھنؤ کی کانفرنس ہُوئی تو اُس نے اس بات پر بڑا زور دیا اور بتایا کہ تین افغان مسیحی عرب میں مبلّغ بن کر جا چکے ہیں۔ جب وُہ اس کانفرنس سے بنّوں واپس آیا تو اُس نے پُوچھا کہ کوئی شخص افریقہ جانے کو تیار ہے تو ایک شخص نے ممباسہ جانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اُس کے افغان مسیحی بڑے جوشیلے تھے اور بازاری منادی میں بڑا جوش دکھاتے تھے بلکہ ایک دفعہ جب اُن پر اینٹوں اور پتّھروں کی بارش شروع ہوگئی تو اُنھوں نے بھی تُرکی بتُرکی جواب دِیا اور گو پینل اُن کو روکتا رہا تو بھی اُنھوں نے اپنے حملہ آوروں کو بھگا دیا اور دوبارہ منادی کرنے لگ گئے۔ ملّانوں کا یہ قاعدہ تھا کہ مُسلمانوں کو اُکسا کر آپ وہاں سے کھِسک جاتے تھے۔ ایک دفعہ جب وُہ بازاری منادی کے لئے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک مُلّا وعظ کر رہا ہے۔ پینل نے یہ خیال کیا کہ اگر مَیں آج یہاں سے چلا گیا تو یہ مُلّا ہر جگہ اسی طرح کیا کرینگے۔ یہ سوچ کر وُہ اُس مُلّا کے پاس جا کھڑا ہُوا اور منادی کرنے لگ گیا۔ اِدھر مُلّا اُونچی آواز سے وعظ کرتا تھا اور اُدھر وُہ اُس سے بھی زیادہ اُونچی آواز سے انجیل کی منادی کرتا تھا۔ جب مُلّا نے یہ دیکھا تو اُس نے لوگوں کو اشتعال دینا شروع کر دیا اور پینل کو کہنے لگا کہ اگر

آپ منادی کرنے سے باز نہیں آئینگے تو یہ لوگ آپ سے بُری طرح پیش آئینگے۔ پینل نے کہا کہ اگر ایسا ہُوا تو تم سب باتوں کے ذمہ دار ہوگے۔ اس طوفانِ بدتمیزی میں ایک مُسلمان نے مُلّا کو کہا "مولوی صاحب آپ جانتے ہیں کہ پادری صاحب آپ کی جگہ جا کر کبھی وعظ نہیں کرتے آپ نے کیوں اُن کی جگہ آج غصب کر لی ہے آپ یہاں سے چلے جائیں"۔ اس پر مُلّا اور دیگر مُسلمان گالیاں دیتے ہُوئے چلے گئے۔ بعض اوقات بازاری منادی کے وقت ایک شخص ہجُوم میں کھڑا ہو جاتا اور چِلّا چِلّا کر کہتا کہ کسی مومن مُسلمان کے لئے جائز نہیں کہ کافروں کی وعظ سُنے اور لوگوں کو وہاں کھڑا ہونے نہ دیتا۔ ایک دفعہ جب پلٹن کے آفریدی مُسلمان سپاہیوں نے منادی میں خلل ڈالا۔ تو اُن کے افسر نے بُلا کر کہا کہ کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ ہم تمہارے مُلّاؤں کی باتوں میں خلل ڈالیں۔ جب اُنہوں نے نفی میں جواب دیا تو افسر نے کہا کہ دیکھو پادری صاحب ہمارے مُلّا ہیں اور ہم نہیں چاہتے کہ تم اُن کو خواہ مخواہ تنگ کرو۔ اس کے بعد اُنہوں نے پینل کو کبھی نہ چھیڑا۔ اُس کا یہ قاعدہ تھا کہ بازاری منادی کے وقت وُہ اعتراضات کو ٹال دیتا تھا اور اُن کا جواب نہیں دیتا تھا۔ وُہ کہتا تھا کہ منادی میں ان مضامین پر وعظ نہیں کرنی چاہیئے جن پر بحث ہو سکے بلکہ خُدا کی محبت اور مسیح کی زندگی اور کاموں پر وعظ کرنی چاہیئے۔ وُہ کہتا ہے کہ "میرا یہ خیال ہے کہ خواہ مشن کیسے ہی طریقے اختیار کیوں نہ کرے بازاری منادی سے بہتر طریقہ کوئی نہیں۔ یہی بشارت کا بہترین طریقہ ہے اور اس طریقہ کی ضرورت ہمیشہ رہیگی۔ جو ان مشنریوں کے دکھائی

جوش کے قیام کے لئے بازاری منادی سے بہتر کوئی مفوی شئے نہیں" ؛

۱۹۰۳ء میں جہان خان بحیرین سے واپس آیا اور اُس نے آکر باقی عیسائیوں کو جوش دلایا کہ وُہ بھی غیر ممالک میں جا کر تبلیغ کا کام کریں ؛

اس سال پینل اُسقفی کونسل کے لئے لاہور گیا۔ واپسی کے وقت بنوں آنے کے لئے لاہور اسٹیشن پر جب وُہ اُس گاڑی میں بیٹھنے لگا جو صرف یورپینوں کے لئے مخصُوص تھی تو افغانی لباس کی وجہ سے ایک انگریز سپاہی نے اُس کو وہاں سے نکال دیا۔ پس وُہ نہایت خندہ پیشانی سے تیسرے درجے کے خانے میں ہندوستانیوں کے ساتھ جا بیٹھا ؛

۱۹۰۴ء میں پینل نے سادھوانہ لباس میں پنجاب و ہندوستان کا سفر کیا تاکہ وُہ اپنے ہندوستانی بھائیوں کیساتھ میل جول پیدا کرے۔ وُہ لکھتا ہے کہ چُونکہ میری دِلی آرزو یہ تھی کہ مَیں زیادہ تر اُن لوگوں سے ملوں جنہوں نے یادِ الٰہی میں مشغُول رہنا اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد ٹھہرایا ہے اس لئے مَیں نے یہ مناسب سمجھا کہ سادھوؤں کے لباس میں اس سفر کو اختیار کرُوں۔ پس مَیں نے کوئی نقدی وغیرہ اپنے ساتھ نہ لی۔ چُونکہ میری رُخصت تین ماہ کی تھی اگر مَیں پا پیادہ جاتا تو اِس عرصے میں بمشکل لاہور پہنچ سکتا تھا۔ لہٰذا مَیں نے اس سفر کو بائیسکل پر اختیار کیا"۔ وُہ ۴ دسمبر ۱۹۰۳ء کو معہ ایک چیلے کے جو مُسلمان افغان تھا ایک کمبل اور ایک جوڑا کپڑا اور ایک جلد بائبل اور ایک بھجن کی کتاب لے کر بنوں سے روانہ ہُوا اور لکی۔ عیسےٰ خیل۔ شیخ محمود۔ میانوالی کی راہ سے خوشاب

پہنچا۔ راستہ میں ہر جگہ بازاروں میں منادی کرتا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے گھروں میں قیام کرتا رہا۔ خوشاب میں جب وہ بازاری منادی کر رہا تھا تو پولیس والوں نے اُس کا نام ولدیت، قومیت و سکونت وغیرہ کا پتہ لگایا اور چلے گئے۔ وہ وہاں سے شاہ پور اور بھیرہ گیا۔ اور وہاں سے پنڈ دادنخاں گیا جہاں مسلمانوں نے اُس سے بدسلوکی کی۔ بھیرہ سے ایک شخص نے اُس کو ۲؍ دو آنہ کے پیسے دیئے جس میں سے چھ پیسے پُل کو عبور کرنے کے محصول میں خرچ ہوئے اور باقی دو پیسہ کی چپاتی اور گنڈیریاں خرید کر اُس نے اور اُس کے ساتھی نے اپنے پیٹ بھرے۔ پھر وہاں سے وہ کھیوڑہ۔ ڈنڈوت اور کُٹاس اور چکوال اور جہلم کو گئے۔ جہلم کے پُل والوں نے اُن سے عبور کرنے کا ۲ آنے محصول مانگا لیکن اُن کے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ وہ لکھتا ہے "ہم سڑک کے کنارے کھڑے رہے تاکہ کوئی فیاض آدمی اُدھر سے گزرے اور ہم اُس سے بھیک مانگیں۔ تھوڑی دیر بعد چند ایک ہندو جنٹلمین وہاں سے گزرے اور ہم سے دریافت کیا کہ "سادھو جی۔ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں"۔ ہم نے جواب دیا کہ ہم مسیحی سادھو ہیں اور جابجا انجیل کا پرچار کرتے ہیں اِس وقت ہمارے پاس دریا عبور کرنے کے لئے پیسہ نہیں ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر تم ویدک دھرم کا پرچار کرو تو میں تم کو ۲ آنے دے دُونگا۔ بھلا یہ ہمیں کب منظور ہو سکتا تھا۔ اُن لوگوں نے طعنہ زنی سے کہا کہ بہتر ہوگا کہ تم واپس جاکر عیسائیوں سے بھیک مانگو یہاں تمہاری مُراد نہیں بر آئیگی۔ ہم نے جواباً کہا کہ ہمیں یقین ہے کہ خدا ہماری مدد

کریگا اور ہر ایک تکلیف سے ہمیں بچائیگا۔ اس پر وُہ قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ اسی اثنا میں ایک یورپین جنگی افسر جو پشاور میں تھا اور جہلم آیا ہُوا تھا اتفاقاً وہاں سے گُزرا اور اُس نے مجھے پہچان لیا اور ہم اُس کی مدد سے دریا کے پار چلے گئے۔ تب ہم نے ہندوؤں سے کہا۔ "دیکھو خُدا نے ہماری مدد کے لئے پشاور سے ایک افسر بھیجا ہے" ؞

اگلا دِن عید الفطر کا دن تھا۔ اُس کے مُسلمان افغان چیلے کے دل میں عید منانے کی اُمنگ پیدا ہُوئی اور وُہ بعض مُسلمانوں کے پاس جو ضیافت کھا رہے تھے گیا اور کہنے لگا کہ ہم دُور کے مُسافر عید کی خُوشی سے محرُوم ہیں۔ اس پر اُنہوں نے جواب دیا "ہُو نہہ چڑھدے باہیسکلاں اُتے۔ تے روٹیاں پُن دیاں کھاندے نے"۔ اس پر وُہ پینل کو کہنے لگا کہ ہم جو افغان ہیں کہا کرتے ہیں کہ یہ پنجابی نیم مُسلمان ہیں لیکن یہ تو ½ مُسلمان بھی نہیں۔ ہمارے مُلک میں ہر ایک اجنبی کو عید کی ضیافت میں شریک کیا جاتا ہے" ؞

دوپہر کے قریب وُہ لالہ مُوسے پہنچے اور اُن کی انتڑیاں قُل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں پینل لکھتا ہے "میں ریل کے سٹیشن پر جہاں اُسی وقت ریل آئی تھی کھڑا دیکھتا رہا۔ گرم کچوریاں۔ تازہ روٹی کباب وغیرہ کا شور مچا ہُوا تھا اور خوش نصیب پیسے والے ان چیزوں کو خرید رہے تھے۔ سٹیشن پر میں نے یورپین اصحاب کو کھانا تناول کرتے ہُوئے بھی دیکھا اور مجھے یاد آیا کہ کئی دفعہ میں نے بھی یہاں کھانا کھایا تھا مگر کب؟ اُس وقت جبکہ مجھے بھُوک نہ تھی۔ اب جیب

مجھے بھوک تھی میں اندر جانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ یہی ڈر تھا کہ بیرہ کہیگا یہاں سے نکل جاؤ۔ اتنے میں گاڑی چل دی اور ہم وہاں اکیلے کھڑے رہ گئے۔ وہاں سے ہم سرائے میں چلے آئے"۔ ان کی ملاقات ایک عیسائی مناد کے ساتھ ہوئی جس نے ان کو چائے پلائی اور وہاں سے گجرات۔ جلالپور جٹاں اور وزیر آباد گئے جہاں اُنہوں نے بازاروں میں منادی بھی کی۔ بینیل لکھتا ہے کہ "میں نے بارہا مختلف مشنوں میں یہ دیکھا ہے کہ جب کوئی مشنری ہمّت ہارنے لگتا ہے یا بیدل ہونے لگتا ہے تو سب سے پہلے اُس کا اثر بازاری منادی پر پڑتا ہے۔ برعکس اس کے جہاں تبلیغ کا جوش اور ولولہ موجود ہوتا ہے وہاں بازاری منادی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ درحقیقت بازاری منادی ایک نہایت مؤثر طریقہ ہے لیکن اس کے بحال رکھنے کے لئے جوش۔ سرگرمی۔ تیاری اور استقلال کی سخت ضرورت ہے"۔

وزیر آباد سے وُہ ڈسکہ اور پسرور گیا۔ پسرور کے گرجا کی بابت وُہ لکھتا ہے "یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے لوگوں کو دیسی طریق پر زمین پر بیٹھ کر عبادت کرتے دیکھا جو مجھے مغربی کرسیوں وغیرہ سے زیادہ مناسب اور آرام دِہ معلوم ہُوا۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ مشنری صاحبان نے کس خیال سے اپنی کلیسیاؤں میں مغربی امور کو زبردستی مروّج کر دیا ہے۔ بھلا دیسی طریق پر عبادت کرنے میں کونسی خرابی تھی کہ ہم نے اس کو ترک کر دیا؟ کیا ممکن نہیں کہ اب بھی اس دیسی طریقہ پر عبادت ہو سکے؟ میرے خیال میں اب تو دیسی بھی اس

اصلاح کے خلاف ہونگے - مَیں اتنا ضرور کہونگا کہ ہندوستانی کلیسیاؤں نے مغربی رواجوں کو قبول کرنے میں بہت نقصان اُٹھایا ہے - کیونکہ اُنھوں نے رسُولی طریقوں پر انگریزی رواجوں کو ترجیح دی ہے ۔

پسرُور میں سیلف سپورٹ کے متعلق بھی ایک قابلِ تقلید کوشش کی جا رہی ہے - دیسی کلیسیا اُس وقت ہی قائم اور سرسبز رہ سکتی ہے جبکہ نہ تو مغربی امداد مِل سکیگی اور نہ مغربی اُستاد ہی نظر آئینگے" ۔

بیٹنل پسرُور سے نارووال آیا اس جگہ کی بابت وُہ لکھتا ہے کہ نارووال پنجاب کے مسیحیوں کی زیارت گاہ ہے - وُہ کہتا ہے "مِشنری اپنے حلقۂ خدمت کے اندر بُود و باش کرتا ہے جہاں لوگ بے خوف و خطر بآسانی آجا سکتے ہیں - بعض مقامات میں ایک بہت بُرا طریق مروّج ہو گیا ہے کہ بنگلے دُور فاصلہ پر کسی گوشۂ تنہائی میں بنائے جاتے ہیں - یہ عجیب تماشہ ہے کہ وُہ لوگ جو ہزاروں میلوں کا سفر طے کر کے انجیل کی خِدمت کے لئے آتے ہیں دیسیوں سے اس قدر دُور فاصلے پر سکُونت اختیار کر لیتے اور ایسا بنگلہ بناتے ہیں کہ جس میں داخل ہو کر ایک بیچارہ غریب حواس باختہ ہو جاتا ہے اور پھر اس بنگلے کے گرد کانٹے دار درختوں یا جھاڑیوں کی باڑ لگا دیتے ہیں اور خونخوار توپوں کی طرح تُرش مزاج چپڑاسی جا بجا مقرر کر دیتے ہیں اور سب سے اندر شائد ایک خُونخوار بل ڈاگ (کُتّا) بھی رکھ دیتے ہیں اور باوجود اس تمام قلعہ بندی کے مِشنری صاحبان حیران اور شاکی ہیں کہ

ہمارے پاس متلاشی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کیوں نہیں آتے مَیں نے ایسا کوئی مشنری نہیں دیکھا کہ جس نے لوگوں کے اُس کے پاس جانے کی انتظار میں بیٹھے رہنے کی بجائے اُن کے درمیان سکونت اختیار کی ہو اور پھر اُسے کام کی سُست رفتاری پر افسوس کرنا پڑا ہو بلکہ جس قدر مشنری کے ہاں آمد و رفت آسان ہوگی اُسی قدر اُس کی محنت کا پھل بافراط ہوگا"۔

افسوس ہے کہ بعد میں نارووال کے مشنری بھی باہر سکونت کرنے لگ گئے ہیں اور شہر کے اندر جو بنگلہ سینیئر مشنری کا تھا اب دیسی اسسٹنٹ کے لئے مخصوص ہوگیا۔

نارووال سے پینل بٹالہ گیا اور وہاں سے قادیان گیا لیکن مرزا غلام احمد کی طبیعت علیل ہونے کے باعث اُس سے ملاقات نہ کرسکا۔ وہاں سے وُہ گورداسپور کی راہ ہوشیار پور پہنچا وہاں ڈاکٹر چیٹر جی کے کام کو دیکھ کر وُہ لکھتا ہے "ہم اس ہندوستانی بزرگ کی کامیابی پر آفرین کہتے ہیں اور خدا کا شکر کرتے ہیں کہ اُس نے یہاں ایک ایسی نظیر پیش کی ہے جس کے باعث ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ کسی مشن کی کامیابی اور ترقی کے لئے کسی یورپین مشنری کا وجود لازمی نہیں"۔ جالندھر میں غیر مسیحی پینل کی ہندوستانی پوشاک کی وجہ سے اُس سے محبت کرنے لگے وُہ کہتا ہے "میرے خیال میں یہ سادہ پوشاک کی برکت ہے۔ اگر مَیں پورا انگریزی لباس پہنے ہوتا تو جو موقعے مجھے گفتگو کرنے کے ملے اُن کو مَیں ہاتھ سے کھو بیٹھتا"۔ وہاں سے لدھیانہ۔ کھنہ۔ راجپورہ ہوتا ہُوا سہارنپور چلا گیا وہاں سے وُہ دہلی اور مظفر نگر کی راہ رُڑکی

گیا جہاں اُس نے ایک مسجد میں قیام کیا اور وہاں سے ہردوار چلا گیا اور گوروکل کانگڑی کے سکول کا ملاحظہ کیا اور رشی کیش کے جنگل کی طرف چلا گیا۔ راہ میں شام پڑ گئی تو وہاں ایک دھرم سالہ میں رات بسر کی جہاں ایک برہمن نے اُس کو دودھ اور روٹی کھانے کو دی۔ رشی کیش میں اُس نے کھانے پینے اور نہانے دھونے سے فراغت پاکر سارا دن مختلف سادھوؤں سے ملنے جُلنے اور بات چیت کرنے میں بسر کیا۔ رات دھرم سالہ میں کاٹی اور وہاں سے ڈیرہ دون۔ مُراد آباد۔ چندوسی۔ علی گڑھ اور متھرا کی راہ آگرہ کو گیا۔ وُہ لکھتا ہے "مُراد آباد سے آگرہ تک سفر کرتے ہُوئے کبھی مجھے خوشی اور کبھی غم ہوتا تھا۔ خوشی اس بات سے کہ تقریباً ہر گاؤں اور ہر بستی میں کوئی نہ کوئی مسیحی ملتا اور غم اس وجہ سے کہ بہت سے ایسے لوگ ملے جن میں مسیحیت کی بُو تک نہیں تھی مشنوں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ بلا تحقیقات چوہڑوں اور چماروں کو بپتسمہ دے کر اُن کا نام بدل دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کے بد افعال مسیحی مذہب کے لئے بدنما دھبہ ہوتے ہیں اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے دِلوں میں مسیح کی طرف سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ شائد یہ فائدہ مدِنظر ہو گا کہ اُن کی ایک بڑی تعداد بہت جلد بپتسمہ پا لیتی ہے اور یوں اُن مہربانوں کو جو انگلستان اور امریکہ سے چندہ بھیجتے ہیں خُوش کرنے کا ایک اچھا موقعہ ہاتھ آجاتا ہے۔ اکثر یہ صاحبان یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر یہ سچے عیسائی نہیں تو اُن کے بچے ضرور سچے مسیحی ہونگے لیکن بائبل سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا کہ سوائے اس حالت کے جبکہ آدمی سچے دِل سے تائب ہو اور اُس میں مسیحی ایمان کے نشان پائے جائیں

ہوں کسی کو بھی بپتسمہ دینا روا ہے۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ اُس آدمی کا دل تبدیل نہیں ہُوا مگر اُس کی اولاد کے بچنے کی اُمید ہے تو اس حالت میں اُسے تعلیم دینی چاہئے نہ کہ بپتسمہ۔ اِس رواج میں ایک اَور بھی قباحت ہے کہ اگر پادری صاحبان زیادہ وقت انہی لوگوں میں گذاریں تو اس سے ہندوؤں اور مُسلمانوں میں کام کرنے پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں یہ سما گیا ہے کہ مسیحی ہونا ادنےٰ ذات کے لوگوں کا ہی کام ہے۔ ملازمانِ مشن پر بھی اِس کا بُرا اثر پڑتا ہے کیونکہ ان لوگوں کا بھی یہ خیال ہو جاتا ہے کہ اگر ہم بہت سے لوگوں کو بپتسمہ کے لئے جمع کریں تو پادری صاحب ہم سے خُوش ہونگے۔ آخر وُہ کسی بہانہ سے ضیافت کرکے یا کسی اَور قسم کا لالچ یا دھوکہ فریب دے کر پادری صاحب کی آمد کے دن بہت سے لوگوں کو بپتسمہ کے لئے جمع کر لیتے ہیں۔ پادری صاحب انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں اور اُس کے کام کی بے حد تعریف کرتے ہیں لیکن ایک ماہ کے بعد سو میں سے بمشکل پانچ نظر آئینگے برخلاف اس کے دُوسرا اُستاد جو کسی ایسے آدمی کو بپتسمہ کے لئے پیش نہیں کرتا جس کی نسبت اُس کی رائے اچھی نہیں تو پادری صاحب اُس کے حق میں یہ فرمائیں گے کہ اِس بھائی کے کام میں کچھ برکت نہیں وُہ سُستی کرتا ہے۔ یُوں اس غریب کی حق تلفی ہوتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وُہ اُستاد جو واقعی ترقی کے قابل ہوتے ہیں بے دِل ہو جاتے ہیں۔ اس سے میرا یہ منشا ہرگز نہیں کہ وُہ سب چُوہڑے اور چمار جو مسیحی کہلاتے ہیں حقیقی مسیحی نہیں ہوتے۔ ان میں بھی بہت ایسے پائے جاتے ہیں جو کلیسیا کے لیڈر ہونے کے لائق ہیں اور جن کے کام و کلام سے رُوح کی تاثیر چمکتی ہے"۔

پینیل آگرہ سے کانپور۔ لکھنؤ۔ بنارس۔ سارناتھ۔ غازی پور۔ الہ آباد۔ جبل پور۔ بمبئی اور کراچی گیا۔ جب وہاں سے سکھر کو روانہ ہونے لگا تو خفیہ پولیس اُس کے پیچھے ہو لی۔ ایک انگریز افسر کو اُس نے اطمینان دلایا کہ وہ ایک مشنری ہے۔ تب جا کر اس کا پیچھا چھوٹا۔

انگریز مشنری اور ہندوستانی کارندوں اور مسیحیوں کے باہمی تعلقات کی بابت پینیل کہتا ہے کہ "مشنری نہ صرف رُوحانی رہنما ہے بلکہ وُہ اپنے کارندوں کی ماہواری تنخواہ دینے والا آقا بھی ہے۔ اُس کی خوشنودی پر اُن کی دُنیاوی بہبُودی کا مدار ہے یہی وجہ ہے کہ مشن احاطہ ریاکاری۔ چُغل خوری۔ اور خوشامد پرستی کا گھر بن جاتا ہے۔ ایسا تنخواہ دار مُناد جس کی قابلیت کا یہ حال ہو کہ اگر مشن اُس کو نکال دے تو دُوسری جگہ آدھی تنخواہ بھی حاصل نہ کر سکے مشن کے لئے بے عزتی کا باعث ہے۔ جب کبھی ایسا آدمی بازار میں منادی کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو ہندو۔ مُسلمانوں کے لئے گویا وُہ ایک اشارہ ہے کہ وُہ ایسے مذہب سے جس کا وُہ نمونہ ہے دُور رہیں۔ زمانہ حال میں مشنری تحریک کی بُنیاد فقط روپیہ پر قائم ہے۔ ہم انجیل میں یہ کہیں نہیں پڑھتے کہ جب کبھی رسُول انجیل پھیلانے کے واسطے دیگر ممالک کو گئے تو اُن کے لئے یا اُن کے نومریدوں کے لئے چندے جمع کئے گئے ہوں لیکن یہاں معاملہ بالکل دگرگوں ہے۔ مشنری صاحبان نہ صرف اپنے لئے تنخواہیں مقرر کر کے گھر سے چلتے ہیں بلکہ نومریدوں کے

لئے بھی جیب بھر کر رد پیسہ لاتے ہیں۔ پس ایسے لوگ اُن کے پاس جمع ہو جاتے ہیں جو زر کے طالب ہوتے ہیں۔ جب بنیاد ہی غلط ہے تو عمارت کا کیا ٹھکانا!

"مشنریوں اور غیر مسیحیوں کے درمیان ایک بڑی دیوار بھی حائل ہے۔ اِدھر مشنری اپنے سجے ہوئے بنگلے میں آرام چوکی پر مزے سے بیٹھے پڑھ رہے ہیں اُدھر ایک بے چارہ متلاشی میلے کچیلے کپڑے پہنے ڈرتا ڈرتا مسلمان بیرے کے وسیلے اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اب اِن دونوں میں کیا ہمدردی کی اُمید ہو سکتی ہے؟ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اینگلو انڈین سوسائٹی میں یہ خیال جاگزین ہے کہ اس کالے گورے کی تمیز کو بحال رکھنا یا ہر موقعہ پر ہندوستانیوں کی پستی پر زور دینا چاہئے اور مشنری بھی اینگلو انڈین سوسائٹی کے ممبر خیال کئے جاتے ہیں لیکن ان کے لئے اس امر کو قبول کرنا اُن کے کام کے حق میں سخت مُضر ہے۔ چرچ مشنری سوسائٹی کے "ہدایت نامہ مشنریاں" صفحہ ۲۱ پر یُوں لکھا ہے "جو مشنری چاہتا ہے کہ لوگوں پر اپنی تاثیر ڈالے اور مسیح کے لئے رُوحیں جیتے اُس کے لئے لازم ہے کہ اُن لوگوں کے ساتھ بالکل ایک ہو جائے جن کے درمیان وُہ کام کرتا ہے۔ لیکن ہم اکثر بنگلوں میں رکھے جاتے ہیں اور عوام النّاس کے ساتھ میل جول کرنے کی راہ میں ہر قسم کی رُکاوٹیں پیش کی جاتی ہیں۔ کبھی صحت کا، کبھی صفائی کا اور کبھی کوئی اَور بہانہ کیا جاتا ہے۔ الہ آباد میں ایک عجیب نظارہ ہے کہ جہاں گنگا اور جمنا ملتے ہیں اُن ہر دو دریاؤں کے پانی کا رنگ

مختلف رہتا ہے اور گو وُہ دُور تک ایک ساتھ بہتے ہیں تاہم پانی کی رنگت میں اختلاف رہتا ہے۔ یعنی گو یہ دونوں دریا اب ایک دریا ہو جاتے ہیں تاہم اُس کا پانی زبانِ حال سے کہہ دیتا ہے کہ میں گنگا کا پانی ہُوں اور میں جمنا کا۔ کیا یہی مثال ہم پر صادق نہیں آتی جب یوروپین اور دیسی باوجود ایک ساتھ بُود و باش کرنے کے ایک دُوسرے کے حالات سے محض بے خبر رہ کر اپنے اختلافات کو قائم رکھتے ہیں"۔

مارچ ۱۹۰۷ء میں اُس نے اپنا فقیری سفر ختم کیا۔ اُسی سال موسم گرما میں وُہ کوہِ منصُوری پر گیا جہاں مِشنریوں کی کانفرنس منعقد ہُوئی تھی اِس کانفرنس میں اُس نے اس بات پر زور دیا کہ ہمیں ایک جگہ بنانی چاہیئے جہاں نَومریدوں اور متلاشیانِ حق کو بپتسمہ سے پہلے تعلیم دی جائے۔ ایسے کانورٹ ہوم کا خیال اُس کو ہمیشہ رہتا تھا۔ اور وُہ کرک کو اِس کام کے لئے بہترین جگہ خیال کرتا تھا۔

منصُوری میں وُہ ایک دن اخبار پڑھنے کے لئے یوروپین انسٹیٹیوٹ میں گیا۔ چُونکہ وُہ افغانی لباس میں تھا اُس کو وہاں اندر جانا نہ مِلا۔

جب پینل واپس بنّوں گیا تو وہاں ایک مسیحی کارندے کی بابت شکایت کی گئی۔ تمام مشنریوں نے اس کارندے سے قطع تعلّق کر لیا تھا لیکن پینل اُس کو موقعہ پر موقعہ دیتا گیا۔ اُس نے بڑی محبّت سے اُس کو سمجھایا اور پھر موقعہ دیا۔ پینل کے آخری دِنوں

میں اِس خبر نے اُس کو بڑی خوشی دی کہ وُہ کارندہ عرب میں بڑے جوش و خروش سے مسیحی کام کر رہا ہے۔ پینل کا یہ دستور تھا کہ وُہ نہایت تحمّل اور صبر سے ہر ایک کو موقعہ دیتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس طرح بہت لوگوں نے اُس کو فریب دیا لیکن وُہ کہتا تھا کہ یہ بہتر ہے کہ ایک اچھے دیانت دار آدمی کی مدد ہو خواہ بیسیوں بدمعاش مجھے دھوکا دے دیں ؂

دسمبر ۱۹۰۴ء میں اُس نے کرک میں کام شروع کر دیا اور یہ سٹیشن جہان خان کے ذمّہ کر دیا گیا۔ یہ وُہ جگہ تھی جہاں چند سال پہلے پینل کو کسی نے روٹی کے لئے پُوچھا تک نہ تھا۔ اَب اس جگہ پر مسیح کا علَم لہرانے لگ گیا ؂

نومبر ۱۹۰۶ء میں ڈاکٹر پینل نے لاہور کی اُسقفی کونسل میں ہندوستانیوں اور یورپینوں کے باہمی تعلّقات پر ذیل کی تجاویز پیش کیں۔ کہ

۱۔ تمام چیپلن اُردو کا اعلےٰ امتحان پاس کریں ؂

۲۔ غیر مسیحیوں کے لئے گرجاؤں میں خاص جگہ ہو جہاں اُن کو عزّت و تکریم سے بٹھایا جائے ؂

۳۔ تمام پردیسی پادری صاحبان ان باتوں کو ملحُوظِ خاطر رکھیں جن سے اس مُلک کے غیر مسیحی ٹھوکر کھاتے ہیں اور اُن سے پرہیز کریں ؂

۴۔ پادری صاحبان غیر مسیحیوں کے انبیا اور رسُوم کی توہین نہ کریں ؂

مارچ ۱۹۰۸ء میں وُہ بہت بیمار ہوگیا یہ بہتر خیال کیا

گیا کہ وُہ اپنی پہلی رُخصت پر انگلستان جائے۔ سولہ سال تک وُہ ہندوستان میں رہ چُکا تھا اور اس اثنا میں وُہ کبھی ہندوستان کے باہر رُخصت پر نہ گیا۔ اور ہندوستان کے اندر بھی وُہ شاذو نادر دو ماہ کی رُخصت پر پہاڑ جاتا تھا۔ پہلی دفعہ وُہ اب اپنی والدہ سے جُدا ہُوا اور پھر اُس کو اس دارِ فانی میں اُس کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہُوا کیونکہ جب وُہ انگلستان میں تھا تو وُہ رحلت کر گئی لیکن اُس کی وفات نے پینیل کے کام پر وہاں بھی اثر نہ کیا۔ وُہ چار ماہ انگلستان میں رہا اور اس اثنا میں اُس نے ۱۰۹ لیکچر دیئے اور اپنی کتاب "سرحدِ افغانستان کے قبائل" بھی لکھتا رہا ؛

جُون ۱۹۰۸ء میں اُس کی منگنی ایک ہندوستانی پارسی خاتُون مِس ایلیس سہراب جی کے ساتھ ہو گئی۔ اور الہ آباد میں اُن کی شادی ماہ اکتوبر میں ہو گئی اور وُہ بنّوں آ گئے جہاں اُس نے اور اُس کی بیوی نے جوڈاکٹر تھی کام شروع کر دیا ؛

۱۹۰۹ء میں وُہ سخت بیمار پڑا یہاں تک کہ اُس کی زندگی کی اُمید نہ رہی۔ چاروں طرف سے لوگ اُس کی خبر لینے کے لئے آتے تھے۔ ۱۰ دسمبر کے روز بیماری نے پلٹا کھایا اور وُہ رُوبصحت ہونے لگا۔ جب تندرُست ہو گیا اور پہلی دفعہ بازار گیا تو لوگوں نے اُس پر پھُول برسائے اور ہر طرف سے "ڈاکٹر صاحب مُبارک باد" کی آوازیں بلند ہُوئیں ؛

۱۹۱۱ء میں ڈاکٹر پینیل لکھنؤ گئے تاکہ اُس کانفرنس میں شریک ہوں جو ڈاکٹر زویمر (Dr. Zwemer) کی زیرِ صدارت

مُسلمانوں میں تبلیغ کرنے کی خاطر منعقد ہُوئی تھی وہاں اُس نے
بھی لیکچر دیا اور اس بات پر زور دیا کہ پنجابی اور افغان نومرید
مشنری بنا کر ہندوستان کے باہر غیر ممالک کو بھیجے جائیں
کیونکہ تبلیغ کا جوش اُن کے رگ و ریشہ میں بھرا ہوتا ہے۔ اگر
یہ لوگ مشنری بنینگے تو ہندوستان کی کلیسیا میں بیداری اور زندگی
کے آثار خود بخود نمایاں ہوں گے *

لکھنؤ سے واپس آکر اُس نے اسی امر کو اپنے نومریدوں کے
سامنے پیش کیا اور چند ایک نے مشنری بن کر غیر ممالک کو جانے
کا ارادہ کیا۔ لیکن اُن میں سے صرف ایک شخص منتخب کیا گیا اور وُہ
ممباسہ بھیجا گیا۔ یہ چوتھا افغان مشنری تھا جو بنوں سے
غیر ممالک کو گیا *

اِسی سال پینل نے اپنے والدین اور اپنی بیوی کے والدین کی
یادگار میں سکول کے لئے ایک عمارت بنوائی جس کا تمام خرچ اُس نے
اپنی جیب سے ادا کیا *

جنوری ۱۹۱۲ء میں کرک کے گرجا کا بنیادی پتھر رکھا گیا۔
یہ دن پینل کی زندگی میں بڑی خوشی کا دن تھا۔ اِس متبرک رسم
کے بعد ایک مروتی مُلا اعظم خان نے جو عیسائی ہو گیا تھا ارادہ کیا کہ
وُہ بھی ایک قطعہ زمین گرجا کے لئے اپنے گاؤں میں دے۔ جب
لوگوں کو معلوم ہُوا تو اُنہوں نے اُس کو خوب زدوکوب کیا اور کلہاڑی
سے مار کر مُردہ سمجھ کر چلے گئے۔ اُس کا چھوٹا بھائی اُس کو گھر لے گیا
اور چند روز کے بعد اعظم خان بنوں آیا۔ اُس کو کمزور دیکھ کر

لوگوں نے اُس کی حالت دریافت کی لیکن اُس نے کہا کہ مجھے ایک معمولی زخم لگا ہے۔ اس کا معالجہ شروع ہوا۔ زخم کاری تھا۔ بیماری کے بستر پر اُس نے کہا کہ "میرے حملہ آوروں کو کسی قسم کی سزا نہ دی جائے۔ تاکہ اُن کو معلوم ہو کہ ہم مسیحی ہیں۔ وُہ بیچارے نادان جاہل ہیں وُہ نہیں جانتے پس ہم کو اُنہیں مُعاف کرنا چاہیئے"۔ ڈاکٹر بارٹن اور ڈاکٹر پینل نے دن رات اُس کی خبرگیری کی اور وُہ رُو بہ صحت ہونے لگا اور بالآخر تندرست ہو گیا؎

انہی ایّام میں ایک مریض آیا جو بہت سخت بیمار تھا۔ اُس کا زخم سڑا ہُوا تھا۔ ۱۵ مارچ کے روز ڈاکٹر بارٹن نے اُس کا اپریشن کیا لیکن چونکہ مرض متعدّی تھا ڈاکٹر بارٹن خود بیمار ہو گیا اور ۱۷ مارچ کو اتوار کے روز ڈاکٹر پینل نے ڈاکٹر بارٹن کا اپریشن کیا لیکن مرض ایسا متعدّی اور خطرناک تھا کہ پینل بھی بیمار ہو گیا۔ لیکن باوجود بیماری کے ہسپتال کا تمام کام کرتا رہا لیکن ۱۹ کی شام کو چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گیا۔ ۲۰ کو ڈاکٹر بارٹن کی زندگی کی اُمّید نہ رہی اور گو ڈاکٹر پینل خود سخت بیمار تھا اور لوگوں کو اپنے پاس بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔ پھر بھی ہر ایک کو بارٹن کے پاس خبرگیری کے لئے بھیجتا تھا۔ اُس روز ڈاکٹر بارٹن فوت ہو گیا اور پینل اُس کی جوان بیوہ کی فکر میں رہا اور اپنی بیماری کو فراموش کر گیا۔ اُسی رات وُہ خود سخت بیمار ہو گیا اور دو دن اور دو رات زندگی اور موت کے درمیان رہا۔ آخری رات تک وُہ ہوش میں تھا اور خوش تھا موت سے وُہ خائف نہ تھا۔ اس نے ایک ایک ڈاکٹر اور نرس کا شکریہ ادا کیا اور اگلے دن ۶ بجے اپنے منجی کے پاس چلا گیا؎

پی۔آر۔بی۔ایس پریس لاہور میں
باہتمام
مسٹر ڈی۔ایس کےفضل پرنٹر و پبلشر
چھپ کر شائع ہوئی۔